اسلامی انقلاب

مؤلف :۔ مسیح مہاجری

اسلامی انقلاب اور اقوامِ عالم کا مستقبل

مؤلف :- مسیح مہاجری

نام کتاب :- اسلامی انقلاب اور اقوام عالم کا مستقبل

مصنّف :- مسیح مہاجری

ترجمہ و تلخیص :- مولانا شیخ مسرور حسن مبارکپوری

ناشر :- سازمان تبلیغات اسلامی

تعداد :- ۲۰ ہزار

تاریخ :- رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ

کاتب :- ثنا لہاری

حجم :- ۲۱ × ۱۴

فہرست

انقلاب کی کامیابی

کامیابی کے بعد

پیش لفظ

انقلاب اسلامی ایران کی روز افزوں ترقی اور استحکام بین الاقوامی سیاسی، فوجی اور اقتصادی نام نہاد بڑی طاقتوں کیلئے دردِ سر بلکہ دردِ جگر بن چکا ہے۔ دنیا بھر کے مسلمان وقت کی تاک میں ہیں، وہ اسلامی انقلاب و رہبر انقلاب اسلامی کے نقش قدم پر چلنا چاہتے ہیں، ان کے دل مضبوط اور ارادے بلند ہیں۔ انقلاب اسلامی ایران نے کمزور مفلوک الحال اور مظلوم مسلمانوں کو حوصلہ دیا اور ان میں للکار کی جرأت پیدا کی۔

سامراجی طاقتیں ایران کے استحکام، ترقی، قوت اور پیش قدمی کے سامنے خاک اڑا رہی ہیں کہ دنیا کے عوام اس تابناک کارنامے کو پوری طرح نہ دیکھ سکیں۔ جناب مسیح مہاجری کی کتاب **"انقلاب اسلامی اور اقوام عالم کا مستقبل"** مستضعفین جہان کے لئے عزیمت کی کامیابی اور انقلاب کی ترقی کا آئینہ ہے۔ یہ کتاب دوستوں کی فرمائش پر اردو زبان میں پہلی مرتبہ چھاپی جا رہی ہے۔ اگرچہ ترقیاتی اعداد و شمار کے بعض گوشوارے ۱۹۸۲ء پر ختم ہو گئے ہیں اور بعد کے گوشوارے اس میں شریک اشاعت نہیں، ہم یقین کرتے ہیں کہ آپ اس کتاب سے بہت سے اہم معلومات حاصل کر سکیں گے۔

سازمان تبلیغات اسلامی - روابط بین الملل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدّمہ

انقلاب اسلامی کی کامیابی کی دوسری سالگرہ (۲۲ بہمن ۱۳۵۹ھ ش) کے موقع پر، انقلاب اسلامی کے مقاصد، اہداف اور اس کے خدمات کا تعارف کرانے کی غرض سے جاپان، بنگلادیش اور مشرق بعید کے مختلف ممالک میں جانے کا اتفاق ہوا۔ دوران سفر یہ جان کر بہت دکھ ہوا کہ گذشتہ برسوں میں ایران کے حالات میں جو تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں اکثر ملکوں کے عوام ان سے بالکل بے خبر ہیں، نیز انقلاب کی اصلیت وحقیقت کی بھی انھیں صحیح اطلاع نہیں ہے انھیں یہ بالکل معلوم نہیں ہے کہ انقلاب سے پہلے ایران کا کیا حال تھا اور انقلاب کے بعد اب ایران کی کیا حالت ہے۔ اس سفر کے دوران ہمارے وفد نے بہت سے مقامات پر مختلف قسم کے مذہبی، سیاسی و ثقافتی اور اسلامی تحریکوں کے ذمہ داروں سے ملاقاتیں کئیں اور حتی الامکان ہم لوگوں نے انھیں ایران کے صحیح حالات سے آگاہ کیا۔ خوشی کی بات یہ تھی کہ ہر جگہ کے لوگوں نے اسلامی انقلاب کے حقائق معلوم کرنے کے لیے گہری دلچسپی کا اظہار کیا اور جو لوگ ایران کے صحیح حالات سے بالکل ناواقف تھے یا تھوڑی بہت واقفیت رکھتے تھے، ایسے لوگ ہم سے ملنے کے بعد بے حد مطمئن ہوئے اور ہم سے یہ اصرار کرتے ہوئے رخصت ہوئے کہ ایسے اقدامات کرنے کی ضرورت ہے کہ دنیا کے لوگ مسلسل ایران کے روزمرہ حالات سے

صحیح طور پر آگاہ ہوتے رہیں۔

اس مسئلہ کی اہمیت کا مجھے پہلے سے بھی زیادہ احساس اس وقت ہوا جب ہم نے مختلف ممالک کا سفر کیا اور دیکھا کہ ان ممالک کی خبر رساں ایجنسیاں، مطبوعات اور ذرائع ابلاغ جو وہاں کے عوام کے لیے خبریں اور اطلاعات فراہم کرتے ہیں وہ سب کے سب پورے طور پر صہیونی اور اشتراکی پروپیگنڈہ مشنریوں سے وابستہ ہیں اور مشرق و مغرب کے مفاد کے پیچھے ایران سے متعلق تمام خبروں کو توڑ مروڑ کر عوام کو پہنچاتے ہیں اور نئی نئی قائم ہونے والی اسلامی جمہوری حکومت کے بعض کمزور پہلوؤں کو خوب بڑھا چڑھا کر پیش کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایک ایسی حکومت جو انقلاب کے بعد وہ بھی گذشتہ حکومت کی پھیلائی ہوئی تباہیوں اور بربادیوں کے بعد ایسے جدید نظام پر قائم ہوئی ہو جس کی نظیر دنیا کے دوسرے نظام حکومت میں ناپید ہو تو اس میں بعض کمزور پہلوؤں کا ہونا ایک طبیعی امر ہے۔ حکومتوں کا یہ حال ہے کہ چونکہ وہ عموماً مشرق یا مغرب سے وابستہ ہیں اس لیے یا تو وہ اسلامی انقلاب کے خلاف کی جانیوالی تخریبی کاروائیوں اور زہر افشانیوں کے لئے صہیونی ذرائع ابلاغ کی جی کھول کر مدد کر رہی ہیں اور یا اس مسئلہ کو بڑی بے توجہی سے نظر انداز کر دیتی ہیں۔ یہ حکومتیں اسلامی انقلاب کی حمایت کرتے ہوئے اس لئے خائف ہیں کہ اگر ان کے عوام بھی حقائق سے باخبر ہو گئے اور انھوں نے ایرانی عوام کی ڈگر اپنالی تو ظاہر ہے کہ عوام پر غاصبانہ حکومت کرنے والے حکمرانوں کا بھی وہی حال ہوگا جو ایران کے شاہ خائن کا ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ حکومتیں اپنی تمام طاقت و توانائی کے ساتھ کوشاں ہیں کہ ان کے عوام ایران کی مسلمان قوم کے عظیم کارنامے سے بے خبر رہیں اور ایران کے اسلامی انقلاب سے عالمی استکبار کے قصر میں جو تنگا فتنہ پیدا ہوا ہے وہ عوام پر ظاہر نہ ہونے چاہیئے تاکہ اس طرح یہ غاصب حکومتیں سامراج کے تلے دبے ہوئے محروم عوام پر اپنا تسلط اور اقتدار جمائے رکھ سکیں۔

میں اپنے اس سفر سے واپس ہوا تو ایک ملاقات کے دوران ان حضرات سے بھی یہی باتیں سننے میں آئیں جو وفد کی صورت میں یورپ، افریقہ اور مشرق وسطیٰ کے مختلف ممالک کا دورہ کرچکے تھے۔ ان حضرات نے بھی اپنے سفر کے دوران اسی حقیقت کا احساس کیا کہ دنیا کی قومیں ایران کے بارے میں لاعلمی اور بے خبری کی شکار ہیں۔ ان سبھی حضرات کا یہ خیال تھا کہ اسلامی انقلاب کے خلاف صیہونی ایجنٹوں کی غلط بیانیوں اور زہر افشانیوں کا مقابلہ کرنا بے حد ضروری ہے۔ ان حضرات کا خیال یہ بھی تھا کہ جس قدر جلد اور وسیع تر عالمی پیمانے پر تبلیغاتی اقدامات ہوسکیں کرنا چاہئے تاکہ انقلاب کے دشمنوں کو جو درحقیقت محروم و مظلوم قوموں کے بھی دشمن ہیں، دنیا کے عوام پہچان سکیں اور آسانی کے ساتھ ایران کے صحیح حالات سے آگاہ ہوسکیں، نیز ایران کی اس عظیم اسلامی تحریک کو اپنے لئے نمونہ اور مشعل راہ بنا کر دنیا کے سامراجی خونخواروں کی غلامی کی زنجیروں سے رہائی حاصل کرنے کے لئے موثر اقدامات کرسکیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اسارت و ذلت صرف چھوٹے ممالک یا نام نہاد ترقی پذیر ممالک یا بہ الفاظ دیگر تیسری دنیا ہی سے مخصوص نہیں ہے بلکہ بڑے ممالک .... امریکہ اور روس کے عوام بھی اپنے بارے میں مداخلت کا کوئی حق نہیں رکھتے ان ملکوں کے عوام بھی سیاسی، اقتصادی اور سماجی بے انصافی اور نابرابری کے شکار ہیں اور انھیں انسانی تہذیب و ثقافت کے اعتبار سے اتنا کمزور اور پامال کردیا گیا ہے کہ تاریخ بشریت میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ بنابریں یہ ہماری بہت بڑی ذمہ داری ہے کہ دنیا کے تمام عوام کو انقلاب اسلامی کے مقاصد سے آگاہ کریں نیز انھیں یہ بھی بتائیں کہ ایرانی قوم نے اپنے ملکی اور غیر ملکی دشمنوں پر کیونکر کامیابی حاصل کی اور اب بھی ان سے مقابلہ کے لئے اپنی جدوجہد کس انداز سے جاری رکھے ہوئے ہیں۔

اس عظیم ذمہ داری کو نبھانے کے لئے ہر شخص کو اپنے امکان اور استطاعت بھر

حصہ لینا چاہئے اور سب کو مل کر کوشش کرنی چاہئے تاکہ ان کی بات دنیا والوں کے لئے ان کہی نہ رہ جائے اور ظلم وستم کے نیچے دبی ہوئی سسکتی انسانیت اسی حالت میں دنیا سے رخصت نہ ہو جائے۔

آپ کے سامنے جو کچھ پیش کیا جارہا ہے اسی احساس کے ساتھ قلم سے ٹپکے ہوئے چند قطرے ہیں، اس امید کے ساتھ کہ خداوند متعال نے ہمیں جو ذمہ داری سونپی ہے اس کو انجام دینے کے لئے سنگ میل کا کام دے سکے اور حساس و درد آشنا افراد کے لئے تکامل کی راہ میں ایک محرک بن سکے۔

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ یہ کتاب دراصل غیر ممالک کے افراد کے لئے تالیف کی گئی ہے تاکہ وہ اسلامی انقلاب سے شناسائی حاصل کر سکیں، مگر اس انداز سے لکھی گئی ہے کہ خود ایرانیوں، خصوصاً نئی نسل کے ایرانیوں کے لئے بھی جو انقلاب کو سمجھنا چاہتے ہیں بے حد مفید اور کارآمد ہے۔ چونکہ کتاب ہذا معتبر معلومات، مستند مدارک و ماخذ اور ایران کے موجودہ فکری رجحانات اور رونما ہونے والے اہم واقعات کی تحقیق پر مبنی ہے اس لئے آئندہ نسل کے اہل تاریخ و تحقیق کے لئے بھی قابل استناد و استفادہ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایران میں جو انقلاب آگیا اور آرہا ہے یہ دنیا کی ان مجبور قوموں کے لئے بڑا گراں بہا تجربہ ہے جو بہر حال ایک نہ ایک دن اپنے کو سامراج کے چنگل سے چھٹکارا حاصل کرنے کا فیصلہ کر چکی ہیں۔ ایران کے اسلامی انقلاب کا تجربہ یوں تو دنیا کی تمام قوموں کے لئے مفید ہے، مگر ان مسلمان قوموں کے لیے تو بے حد فائدہ مند ہے جو ایرانی قوم کے ہدف کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔ اس کتاب میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ ایران کی بہادر اور مسلمان قوم کے ان تجربات کا ایک مختصر نمونہ ہے جو اس نے دنیا کے

خونخواروں اور ملک میں ان کے ایجنٹوں کے خلاف اپنی طولانی جدوجہد کے دوران حاصل کئے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ ایران کا اسلامی انقلاب جو انقلاب کی دنیا میں معجزہ سے کم نہیں ہے یقیناً یہ انقلاب دوسری قوموں کے مستقبل کے لئے ایک راستہ ہوگا۔

اس کتاب کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ راقم نے اس کتاب میں اکثر مسائل انقلاب خصوصاً گذشتہ پانچ برسوں کے درمیان پیش آنے والے مسائل کو اپنے مشاہدات کی بنیاد پر تحریر کیا ہے۔

اسلام و مسلمانان اور دنیا کے محروم و مستضعف عوام کی خدمت کے لئے مزید توفیقات کا امیدوار۔

مسیح مہاجری

تہران۔ مرداد ماہ سنہ ۱۳۶۰ھ ش / ذیقعدہ سنہ ۱۴۰۱ھ

انقلاب کا محرک

- گذشتہ صدی میں اسلامی انقلاب کی گہری جڑیں۔
- پہلوی خاندان ایران میں اسلام کشی پر مامور۔
- نقطۂ آغاز۔
- ۵ اخرداد کا خونیں قیام۔
- ایران میں اسلام مٹانے کی لہر۔
- درباری اسلام۔
- سرکاری کمیونزم۔
- جھوٹا نیشنلزم۔
- مغربی لبرال ازم۔
- انقلاب کا اصلی محرک۔
- دوسرے محرکات۔
- ثقافتی وابستگی۔
- اقتصادی وابستگی۔
- فوجی وابستگی۔
- سیاسی وابستگی۔
- آزادی کا فقدان اور گھٹن کا ماحول۔

گذشتہ صدی میں اسلامی انقلاب کی گہری جڑیں

جس دن انگریزوں نے میرزا محمد حسن حسینی شیرازی (معروف بہ مرزای شیرازی) نامی ایک عالم مجتہد کے قلم کی ٹپکی ہوئی روشنائی میں اسلام کی عظمت و قوّت کا مشاہدہ کیا اور دیکھا کہ انھوں نے اپنے ایک سطری فتوی سے جس میں تحریر فرمایا تھا "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. الیوم استعمال تمباکو و توتون بای نحو کان در حکم محاربہ با امام زمان صلوات اللہ و سلامہ علیہ است" (یعنی آج سے تمباکو کا استعمال چاہے جس طرح سے بھی ہو، امام زمان صلوات اللہ علیہ سے جنگ کرنے کے حکم میں ہے)۔ اس وقت دنیا کی عظیم طاقت برطانیہ عظمی کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ انگریزوں کو اندازہ ہو گیا کہ اسلامی ممالک میں بتدریج بڑھتی ہوئی بیداری اور اسلام کی طرف ان کی بازگشت انھیں ایک بڑی مشکل سے دوچار کر دے گی۔ ایسی مشکل کہ بوڑھے سامراج کے لئے مستقل دردِ سر بن جائے گی اور ساری دنیا پر برطانیہ کی دائمی شہنشاہیت اور اقیانوس پیما جہازوں کے ناخداؤں کی مطلق العنان حکومت کا خواب برباد ہو جائیگا برطانیہ جیسی مستحکم حکومت کے ذمہ داروں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایران میں مسلمانوں نے میرزائے شیرازی کے فتوے کی اطلاع پا کر ہی اپنے حقے توڑ ڈالے اور ناصرالدین شاہ قاچار جس نے انگریزوں سے تمباکو کا سودا کیا تھا، نے دیکھا کہ وہ خود اپنے محل کے

اندر اپنی بیوی، نوکرانی اور دوسرے خدمت گاروں کے ذریعہ اس فتوے کا پابند کردئے گئے ۔ یہ واقعہ انگریزوں کے لئے ایک بڑی شکست کے ساتھ ساتھ ایک سبق بھی تھا ۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ ایران میں ان کا مقابلہ دراصل اسلام سے ہے اور عوام اسلام کو علماء کے فتووں میں ڈھونڈتے ہیں نہ کہ بادشاہوں کے درباروں میں ۔

ایک دوسرا تلخ تجربہ جو انگریزوں کو اسلام اور روحانیت سے ہوا ہے وہ آئینی حکومت (مشروطیت) کی تحریک کا تھا جو علماء ہی کے ذریعہ شروع ہو گئی تھی، جس کا مقصد ملک کے اندر ہونے والے مظالم کا خاتمہ، برطانوی سامراج کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا اور اسلامی حکومت قائم کرنا تھا ۔ اس دفعہ تحریک کے طولانی ہو جانے کے باعث انگریزوں کو یہ موقع مل گیا کہ وہ اپنے حواریوں اور ایجنٹوں، یعنی ان مغرب پرستوں اور انگریزی تمدن کے شیدائیوں کی مدد سے تحریک کو اس کے راستے سے منحرف کردیں جن کے موافق طبع یہ بات نہ تھی کہ ظلم و استبداد کا خاتمہ ہو کر ایک اسلامی حکومت قائم ہو اور اس طرح شیخ فضل اللہ نوری پر تہمت لگا کر عوام کو فریب دے سکے کہ وہ خود ہی آئینی حکومت کے مخالف ہیں تاکہ تحریک کو روحانیت کے ہاتھ سے نکالنے کے لئے زمین ہموار ہو جائے ۔

شیخ فضل اللہ نوری، جو تحریک مشروطیت (آئینی حکومت) کے بانیوں میں سے تھے، اپنی ذکاوت و ذہانت اور دور بینی سے یہ سمجھ رہے تھے کہ برطانوی ایجنٹوں کے ذریعہ تحریک کو منحرف کر دئے جانے کا خطرہ ہے اور مغرب زدہ افراد برطانیہ کے حکم سے دستورِ اساسی کی تدوین مغربی طرز فکر کی بنیاد پر کرنا چاہتے ہیں اور اس پر اسلامی رنگ و روغن لگا کر اسے اسلامی دستور اساسی کی حیثیت سے منوانا چاہتے ہیں، بقول شیخ فضل اللہ نوری (ایسی حکومت جس کا اصل برطانوی سفارتخانہ سے پھوٹتا ہو) انہوں نے ایسی حکومت کی شدت کے ساتھ مخالفت کی اور ایک ایسی اسلامی حکومت کا مطالبہ کیا جس کا دستور اساسی قرآن کی

روشنی میں بنایا گیا ہو، مغربی طرز تفکر کی بنیاد پر نہیں۔ شیخ فضل اللہ نوری کو آئینی حکومت کے ان جھوٹے طرفداروں کے ہاتھوں تختہ دار پر چڑھا دیا گیا جو ایران میں اپنی پوری کوششوں سے سامراج کی جڑیں مضبوط بنانا چاہتے تھے۔ شیخ فضل اللہ نوری کو شہید کرکے یہ سامراجی ایجنٹ وزارت کی کرسیوں پر جا بیٹھے تاکہ ایک ایسی حکومت کی حفاظت کی جا سکے جس کا نتیجہ پہلوی خاندان کے سیاہ مظالم کی صورت میں ظاہر ہوا۔

اس بار اگرچہ انگریز تحریک کو منحرف کرکے اپنا من پسند نظام حکومت ایران میں رائج کرنے میں کامیاب ہو گئے مگر ایک بار پھر انھیں علماء دین کی وجہ سے جو پریشانیاں پیش آئیں اس کی وجہ سے انھیں یہ پورا احساس ہو گیا کہ ایران میں واقعی ان کا مقابلہ اسلام اور روحانیت سے ہے۔

ایک دوسرا بڑا تلخ تجربہ جو انگریزوں کو اسلام اور علماء اسلام سے ہوا، ۱۹۲۰ء میں عراق کی اسلامی تحریک کا تھا جو اس ملک سے انگریزوں کے خاتمہ کا باعث بنی۔ اس مقابلہ میں بھی جو میرزای محمد تقی شیرازی، آیۃ اللہ سید ابوالقاسم کاشانی اور ان کے والد بزرگوار آیت اللہ سید مصطفی کاشانی جیسے علماء کی قیادت میں عمل میں آیا۔ انگریزوں نے ایک بار پھر عوام کے درمیان روحانیت اور علماء کے اثر و رسوخ کی قوت کا تجربہ اور مشاہدہ کیا اور اس تجربہ کا اعادہ ۱۹۵۳ء میں تیل کے قومیانے کے موقع پر ہوا۔ اس دفعہ بھی انگریزوں نے اپنے مقابلے پر اسی طاقتور عالم دین کو پایا جس نے عراق میں ان کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ اس تحریک میں دوسری طاقتوں نے بھی سرگرمی دکھائی تھی مگر سامراجیوں کو بخوبی معلوم تھا کہ اس تحریک کی اصلی طاقت جس نے گلی کوچوں کو عوام سے بھر دیا تھا اور تحریک میں جان ڈالی تھی وہ روحانیت ہی تھی۔ اس وقت آیۃ اللہ سید ابوالقاسم کاشانی تھے جنھوں نے اپنی جوانی کو جیل اور جلاوطنی کے لئے قربان کر دیا تھا، جو عالم جوانی سے عالم پیری تک قید خانوں کی ناقابل بیان سختیاں جھیلتے رہے۔ اس بار بھی سامراجیوں کو یہ موقع مل گیا کہ وہ شیخ فضل اللہ نوری کی آئینی حکومت کی تحریک کی طرح

اس تحریک کو بھی اصلی راستے سے منحرف کرکے علماء و روحانیت کو اس تحریک سے جدا کریں جو اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتے تھے اور ایک نئے سامراج یعنی ریاستہائے متحدہ امریکہ کی آمد کے لئے میدان ہموار کریں۔

اس ایک صدی میں جو حادثات رونما ہوئے ہیں وہ دو لحاظ سے قابل غور ہیں، اوّل یہ کہ ان واقعات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ایرانی اور عراقی عوام کم از کم گذشتہ ایک صدی سے اسلامی حکومت کے قیام کے لئے جد و جہد کر رہے ہیں اور اس جد و جہد میں ہمیشہ علماء ہی پیش پیش رہے ہیں اور انھیں کے ہاتھوں میں قیادت رہی ہے دوسرے یہ کہ تمباکو کے مسئلہ میں آقای میرزای شیرازی نے سامراجیوں کے لئے جو مصیبت کھڑی کر دی تھی اس کی وجہ سے وہ لوگ ہمیشہ اس نکتہ پر توجہ رکھنے لگے تھے کہ عوام کو سامراج کے مقابلے پر جو چیز لا سکتی ہے وہ اسلام ہے اور وہ افراد جو اسلام کو عوام کے درمیان ترویج دیتے ہیں، ان کو اسلام سے آشنا کرتے ہیں اور انھیں اسلامی تعلیمات کی بنیاد پر حرکت میں لاتے ہیں، وہ میرزائے شیرازی، شیخ فضل اللہ نوری، آیۃ اللہ کاشانی اور ان جیسے دوسرے حقیقی اور آگاہ علماء ہیں۔

در اصل یہی وجہ ہے کہ سامراجی عناصر تمباکو کے سلسلے میں پہلا تلخ تجربہ حاصل کرنے کے بعد بڑی سنجیدگی سے اس فکر میں پڑ گئے کہ کیوں نہ ان کوششوں اور تحریکوں کی اصل جڑ ہی کاٹ دی جائے۔ انھیں معلوم تھا کہ وہ مسلمانوں کے درمیان اصولی طور پر اسلام کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتے، لہذا کوئی ایسی تدبیر کرنی چاہئے کہ جس کے ذریعہ مسلمانوں سے اسلام بھی چھین لیا جائے اور ظاہر میں ان کو یہ بھی باور کرا دیا جائے کہ انگریز نہ یہ کہ اسلام کے ساتھ کوئی مخالفت رکھتے ہیں بلکہ اس کے بہت بڑے حامی بھی ہیں۔

پہلوی خاندان، ایران میں اسلام کشی پر مامور

ایران میں اسلام کو مٹانے کی ذمہ داری رضا خان کو سونپی گئی۔ چونکہ یہ کام اس نے بڑی خوبی اور تندہی سے انجام دیا۔ اس لئے انگریزوں اور ان کے ساتھ ساتھ امریکیوں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ جب تک یہ خاندان اپنی اسلام کشی کی سامراجی ذمہ داری کو نبھا رہا ہے، اس وقت تک اسے ایران میں باقی رکھا جائے۔ پہلوی خاندان نے

اس خیانت آمیز ذمہ داری کو اس مہارت سے انجام دیا کہ امریکہ نے اپنی اس پٹھو حکومت کو مشرق وسطی میں ایک سامراجی ایجنٹ کی حیثیت سے منتخب کرلیا اور خلیج فارس اور بحر عمان کی دیکھ بھال کی ذمہ داری رضاخان کو سونپ دی گئی جو مغرب کے لئے نہایت اہمیت کی حامل تھی اور اس کو یہ ہدایت بھی کردی گئی کہ وہ اسرائیل کے ساتھ تعاون کرے اور علاقے کی رجعت پسند حکومتوں کو مستحکم بنائے۔

جدید سامراج جس نے تمام اسلامی ممالک سے اسلامی تہذیب و ثقافت کو مٹانے کا فیصلہ کرلیا تھا تاکہ وہ اس طرح مسلمانوں کو کمزور کرکے اپنی راہ سے تمام روڑے ہٹا سکے۔ اپنے سب سے پہلے اقدام کا آغاز رضاخان پہلوی کی مدد سے ایران میں کیا مرد و زن کے یکساں لباس، عریانیت، اسلامی مدارس کی تخریب اور اس کی جگہ مغربی تہذیب و تمدن کو ایران میں رواج دینے کے سلسلہ میں اگرچہ ماضی میں ناصرالدین شاہ قاچار نے بھی اقدامات کئے تھے مگر اس حد تک نہیں جتنی رضاخان نے سرگرمی دکھائی۔

ان اقدامات، خصوصاً مغربی تہذیب و تمدن کو رواج دینے اور یورپی ممالک میں ایرانی نوجوانوں کو تعلیم دینے سے سامراجیوں کا مقصد یہ تھا کہ وہ ایرانی نوجوانوں کو برین واش (BRAIN WASH) کرکے اسلام کو مٹانے کی اہم ذمہ داری ان کے سپرد کردیں۔ چونکہ یہ گروہ ایرانی تھا، مسلمان تھا اور اپنے خاندان سے جدا نہیں تھا اس لئے بغیر کسی زحمت کے اپنے ساتھ لانے والے مسخ شدہ مغربی اسلام کو ایرانی عوام میں پیش کرسکتے تھے اور اسلام کے نام پر اسلام کے ساتھ جنگ کی تھیوری پر عمل کرسکتے تھے۔ یہ گروہ مختلف علوم میں مہارت کے ساتھ رفاہ عامہ کے امور کا بھی ماہر ہوتا تھا اس لئے اپنا اثر جمانے میں بڑی حد تک کامیاب تھا جبکہ خصوصیت کے ساتھ پٹھو حکومت کو بھی اسی گروہ کے دائرہ اختیار میں تمام وسائل دینے کی ہدایت اور یہ تاکید تھی کہ وہ اس گروہ کی پوری پوری حمایت کرے، یہی وجہ ہے کہ سامراجی بڑی آسانی سے اور بہت جلد اپنے مقصد یعنی حقیقی اسلام کے بجائے سامراجی اسلام کو رواج دینے میں کامیاب ہوگئے۔

سامراجیوں کا یہ منصوبہ ایران ہی کے لئے مخصوص نہیں تھا بلکہ یہی منصوبہ مختلف انداز سے تمام دوسرے اسلامی ممالک نیز ان ممالک کے لئے بھی تیار کیا گیا تھا جو سامراج کے زیر اثر تھے، مثلاً ایران کے

مغربی ہمسایہ ملک ترکی میں کمال اتاترک کے ذریعہ عملی جامہ پہنایا گیا۔ چونکہ کمال اتاترک کے لئے حالات سازگار تھے اسلئے اس نے سامراجی مقاصد کو پورا کرنے میں جلدی کامیابی حاصل کرلی اور بڑی تیزی کے ساتھ اس نے اسلامی بلکہ قومی ثقافت کو مٹانا شروع کر دیا جس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ اس نے عربی رسم الخط کو بدل کر لاطینی رسم الخط رائج کر دیا۔

انگریزوں کو جب یہ احساس ہوگیا کہ رضاخان ایران میں اسلام کو مٹانے کے سلسلے میں اب مزید کوئی کام انجام نہیں دے سکتا تو اسے ہٹا کر اس کے بیٹے محمد رضا کو برسراقتدار لائے جس کی تعلیم و تربیت یورپ میں ہوئی تھی اور جس کی ساخت و پرداخت پہلے ہی سے سامراجی مقاصد کے لئے کی گئی تھی اب اسلام کو مٹانے کی ذمہ داری اس کے سپرد کی گئی۔ محمد رضا ایک بے عزم انسان تھا جو اپنی رائے سے کوئی کام نہیں کر سکتا تھا۔ وہ سامراجیوں کے ہاتھوں ہر طرح سے بکا ہوا تھا مگر چونکہ اس کی پوزیشن زیادہ مضبوط نہیں تھی۔ اس لئے وہ اپنی حکومت کے زمانہ میں اپنی خواہش کے مطابق سامراجی مقاصد کو پورا نہیں کر سکا۔ البتہ ۱۹۵۳ء کی فوجی بغاوت کے بعد اس نے امریکہ کی مدد سے کسی حد تک اپنی پوزیشن مضبوط کرلی اور اسلام کو مٹانے کے منصوبے پر تیزی کے ساتھ عمل کرنا شروع کر دیا مگر ۱۹۶۱ء تک اسے خاطر خواہ کامیابی نصیب نہ ہوسکی کیوں کہ یہی وہ زمانہ تھا جب امام خمینی کی قیادت میں ایک نئی تحریک کا آغاز ہو چکا تھا اور حضرت آیتہ اللہ بروجردی کا عوام میں فوق العادہ اثر و اقتدار تھا جس کے باعث اسلام سے مقابلہ کرنے کی شاہ کو کھل کر جرأت نہ ہوسکی۔ شاہ نے خود اپنی کتاب "سفید انقلاب" میں اس نکتے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یہ کتاب اس نے حضرت آیتہ اللہ بروجردی کے انتقال کے کئی سال بعد لکھی ہے۔ وہ قانون اصلاحات آراضی کے سلسلے میں لکھتا ہے:

"مگر یہ قانون (اصلاحات اراضی متعلق ۱۹۵۹ء) پارلیمنٹ میں پوری طرح مسخ ہو گیا اور اس کی صورت ایسی ہو گئی کہ اصل سے کوئی نسبت ہی نہ رہی اور ایک غیر ذمہ دار با اثر شخص جو دنیا کی اجتماعی ترقی سے بے خبر تھا۔ اس کی مداخلت کی وجہ سے پارلیمنٹ نے جس کی تشکیل بیشتر

انہیں افراد سے ہوئی جو سرمایہ دار طبقے سے تعلق رکھتے تھے، اس قانون کو بالکل بے معنی اور بے اثر کر دیا۔"

یاد رہے کہ اصلاحات اراضی کا قانون سرمایہ داروں اور پہلوی حکومت کے اہم مہروں کو زمین دینے کے لئے تھا اور اس طرح دربار سے وابستہ جاگیرداری کو جنم دینا تھا جو پہلے جاگیردارانہ نظام سے کہیں زیادہ خطرناک تھا اور جس کا لازمی نتیجہ ملک سے زراعت کا خاتمہ تھا۔

یہاں غیر ذمہ دار با اثر شخص سے مراد، جو دنیا کی اجتماعی ترقی سے بے خبر تھا، حضرت آیۃ اللہ بروجردیؒ ہیں، جو واقعاً اس سازش کے، جس کو شاہ اور اس کے سامراجی آقا اجتماعی ترقی کہتے تھے، مخالف تھے۔

یہاں پر یہ ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ ۱۹۵۳ء کی فوجی بغاوت کے بعد قومی پارلیمنٹ پورے طور پر شاہ اور امریکہ کے اختیار میں تھی۔ اس کا اعتراف شاہ نے خود ۱۹۷۰ء میں اپنی ایک تقریر میں کیا ہے۔ یعنی جس زمانہ میں شاہ اپنی حکومت کو باقی رکھنے کے لئے آخری زور لگائے ہوئے تھے۔ اس نے یہ اقرار کیا کہ پارلیمنٹ کے نمائندوں کے نام لسے بڑے ملکوں کے سفارتخانوں نے دئیے ہیں کہ صرف انہیں لوگوں کے نام پر ووٹ ڈالے جائیں گے۔ اس لئے شاہ کا یہ دعویٰ کرنا کہ پارلیمنٹ نے اصلاحات اراضی کے قانون کو مسخ کر دیا، یہ ویسا ہی سفید جھوٹ ہے جس کا نمونہ اس کی کتاب "انقلاب سفید" میں جگہ جگہ ملتا ہے۔ اصلاحات اراضی کے نام سے وہ ایران کے ساتھ جو خیانت کرنا چاہتا تھا، اس میں ناکامی کی اصلی وجہ دینی علماء کا اثر و رسوخ ہے، جو ایرانی قوم میں پایا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ شاہ نے مارچ ۱۹۶۱ء میں حضرت آیۃ اللہ بروجردی کے انتقال پر حضرت آیۃ اللہ الحکیمؒ کو ایک تعزیتی تار بھیجا تاکہ وہ عوام کو اس طرح یہ باور کرا سکے کہ اب مرکز روحانیت ایران نہیں، نجف میں ہے اور ایران میں موجودہ مراجع تقلید اس پائے کے نہیں ہیں کہ عوام ان کی تقلید کریں۔ شاہ کا نہ تو آیۃ اللہ حکیمؒ پر کوئی اعتقاد تھا اور نہ ہی ایران کے مراجع تقلید پر۔ البتہ اس کی اس حرکت سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ استحصال پسند افراد علماء و روحانیت کا اثر و رسوخ ختم کرنے اور اپنے ناپاک مقاصد کی برآری کے لئے کیسے کیسے مکر و فریب سے کام لیتے ہیں۔

نقطہ آغاز

سامراجیوں نے یہ سوچ کر کہ حضرت آیۃ اللہ بروجردیؒ کی وفات کے ساتھ ساتھ علما اور روحانیت کا اثر و رسوخ بھی جاتا رہا، اپنے غلام یعنی شاہ ایران کو حکم دیا کہ وہ سامراجی منصوبوں کو نہایت تیزی کے ساتھ عملی جامہ پہنانا شروع کرے اور وہی نسخہ استعمال کرے جو امریکہ کے زیر اثر دوسرے ممالک میں استعمال کیا جاتا ہے۔ شاہ نے بھی یہ سوچ کر کہ مذہبی افراد کے علاوہ ایران میں کوئی دوسری طاقت ایسی نہیں جو اس کے مقابلہ پر ٹک سکے۔ نیز ایران میں موجود بڑے علماء کرام کے متعلق ابھی اس کا خیال یہ تھا کہ ان کا کوئی زیادہ اثر و رسوخ عوام میں نہیں ہے۔

امریکہ نے جس وقت شاہ کے توسط سے صوبائی اور ریاستی انجمنوں کے مسئلہ کے ساتھ اپنے پہلے آزمائشی اقدام کا آغاز کیا تو اسے فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوگیا کہ اس نے علماء اور روحانیت کے اثرات کے متعلق غلط اندازہ لگایا ہے کیونکہ ایران کے تمام علماء خصوصاً قم کے مراجع تقلید نے شدت کے ساتھ اس اقدام کی مخالفت کی اور حکومت کو مجبوراً یہ پلان نظر انداز کرنا پڑا۔

۱۹۶۰ء میں پیش آنے والے واقعے میں سب سے زیادہ جد وجہد امام خمینی کی جانب سے عمل میں آئی اس زمانہ میں دوسرے علماء آپ کی علمی صلاحیتوں اور تقوی کی عظمت سے بخوبی واقف تھے تاہم عوام ان سے پوری طرح آشنا نہ ہونے پائے تھے۔

ہر چند یہ تحریکیں اس مرحلے میں شاہ کے خلاف علماء کی جد وجہد کا نقطۂ آغاز تھی لیکن درحقیقت یہ اسی جد وجہد کی کڑی تھی جو گذشتہ ایک صدی میں سامراجیوں اور استحصال پسندوں کے خلاف علماء کی جانب سے چل رہی تھی۔ امام خمینی کے متعلق بھی بالکل یہی صورت حال تھی۔ یعنی اگرچہ ۱۹۶۳ء کا زمانہ شاہی حکومت کے خلاف آپکے مبارزے اور جد وجہد کا نقطۂ آغاز سمجھا جاتا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ کی یہ جد وجہد رضاخان پہلوی کے زمانے ہی میں شروع ہو چکی تھی جس وقت آپ نے "کشف الاسرار" کے نام سے ایک کتاب تحریر فرمائی اور اس میں رضاخان پہلوی اور سامراجیوں پر سخت تنقید کی تھی۔ آپ ان سربرآوردہ علماء میں نمایاں حیثیت کے حامل تھے جو ہمیشہ رضاخان پہلوی کے ظلم و تشدد کا نشانہ بنے رہے اور اس کی حکومت

کے پر آشوب زمانے میں آپ اور آپ کے فرزند سید مصطفیٰ خمینیؒ ایسے ہونہار اور مبارز شاگردوں کی تربیت کے لئے جان توڑ کوشش کرتے رہے، جو آئندہ تحریک کو آگے بڑھانے میں تعاون کر سکیں۔

حضرت امام خمینی نیشنلسٹوں اور بعض علماء کے برخلاف شاہ سے سازباز کے لئے کبھی بھی تیار نہ ہوئے بلکہ ہمیشہ شاہی حکومت کے بجائے "اسلامی حکومت" کا قیام چاہتے تھے۔ چنانچہ شاہی حکومت کی حقیقت اور اسلام کو مٹانے کی غرض سے امریکہ اور اسرائیل کے منصوبوں اور سازشوں کی نقاب کشائی کے لئے اس وقت جو آپ نے تقریریں کیں اور پیغامات دئیے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی ذات ایران اور دنیا کے دوسرے انقلابی عوام کے درمیان ایک بڑے بیدار، شجاع اور اعلم کی حیثیت سے پہچانی جانی لگی۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ ہمیشہ آپ کو اپنے مقاصد کی راہ میں ایک زبردست روڑا سمجھتا رہا اور یہ کوشش کرتا رہا کہ ایسے موانع پیدا کر دئے جائیں کہ آپ میدان چھوڑ دیں۔ چنانچہ ۱۳ خرداد ۱۳۴۲ھ ش مطابق ۳ جون ۱۹۶۳ء کو قم کے مدرسہ فیضیہ میں عاشور کے دن امام خمینی نے ایک معرکۃ الآرا تقریر کی جسمیں انھوں نے اسلام دشمن روش سے اجتناب نہ کرنے کی صورت میں شاہ کو ملک سے نکال دینے کی دھمکی دی تھی۔ اس جرم میں امریکہ نے شاہ کے ذریعہ ان کو گرفتار کر کے قید و سلاسل میں جکڑنے کی اسکیم کو عملی جامہ پہنایا۔

امام خمینی نے اپنی اس تقریر میں ایرانیوں اور دنیا بھر کے مسلمانوں کو بڑی طاقتوں خصوصاً امریکہ اور اسرائیل کے خلاف قیام کرنے کی دعوت دی تھی۔ امریکہ اور اسرائیل کی ننگی جارحیت اور توسیع پسندی کے خلاف یہ ایسا زبردست اقدام تھا جس کی مثال عالم اسلام میں نظر نہیں آتی۔

۱۵ خرداد کا خونین قیام

۱۵ خرداد ۱۳۴۲ھ ش / ۵ جون ۱۹۶۳ء بوقت سحر امام کو گرفتار کر کے تہران کی ایک جیل میں ڈال دیا گیا یہ خبر سنتے ہی پورے ایران، خصوصاً تہران، مشہد مقدس، شیراز، اصفہان اور تبریز جیسے بڑے شہروں کے عوام نے اپنے قائد کی حمایت میں شاہ کے خلاف زبردست مظاہرہ کیا۔ شاہی حکومت نے انتہائی بربریت و بے رحمی سے عوام کا قتل عام اور مارشل لا نافذ کر کے وقتی طور پر بغاوت کی آگ کو خاموش کر دیا لیکن

۱۵ خرداد کے دن جو آگ بھڑکی تھی اس کی چنگاریاں ظلم و تشدد کی راکھ کے نیچے اسی طرح سلگ رہی تھیں اور آخرکار ۱۵ سال بعد اس قابل ہوگئیں کہ ظلم و استبداد کی بنیاد پر قائم شہنشاہی محل کو اپنی لپیٹ میں لے لیں اور جلا کر خاکستر کردیں۔

۱۵ خرداد کا خونین قیام اسی لئے زیادہ اہمیت رکھتا ہے کہ اس سے ایران کے اسلامی اور مذہبی معاشرے میں ایک نئی تحریک کا آغاز ہوا۔ ۱۹۶۳ء سے پہلے جتنے واقعات بھی پیش آئے خصوصاً ۲۸ مرداد ۱۳۳۲ھ/۱۹۵۳ء کی فوجی بغاوت، تیل کے قومیانے کی تحریک میں اور اس کے بعد جو انحرافات غیر مذہبی جماعتوں نے انجام دیے، یوں ہی نواب صفوی اور گروہ فدائیان اسلام کا پھانسی کے تختہ پر چڑھا دیا جانا، نیز اس مذہبی دستہ کا تتر بتر ہو جانا جو شاہی حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے تشکیل دیا گیا تھا۔ غرض ان واقعات نے مذہبی حلقے میں بڑی سرد مہری پیدا کردی تھی۔ دوسری طرف شاہی حکومت ایرانی عوام میں مغربی تہذیب کو پھیلانے میں بے پناہ کوشش جاری رکھے ہوئے تھی اور ہر طرح سے انھیں آرام طلبی اور فتنہ و فساد کا خوگر بنایا جارہا تھا جس سے شاہی حکومت کے خلاف عوام کی فکری صلاحیت بالکل مفقود ہوتی جارہی تھی۔ ۱۵ خرداد کا قیام جو امام خمینی کی قیادت میں روحانیت کی مسلسل دو سالہ جد و جہد اور پہلوی حکومت کے بے نقاب ہو جانے کے بعد عمل میں آیا، ایک ایسی روشنی تھی جس نے ایران کے مذہبی معاشرے کو روشن کرنے اور عوام میں اسلامی حکومت قائم کرنے کی امنگ کو نئی زندگی بخشنے میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ خلاف عقل ہے کہ اگر ہم ۱۵ خرداد کے واقعہ کو ایران کی پوری اسلامی تحریک سے جدا رکھ کر فقط ایک قتل عام کی حیثیت سے اس کا جائزہ لیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ۱۵ خرداد کا قیام ایران کے مسلمان عوام کی، جنہوں نے صدیوں اسلامی حکومت قائم کرنے کی جد و جہد کی تھی، ان کی آرزوں کی جلوہ گری اور نئی نسل کے لئے جو امام خمینی کے اسلام خواہی نعروں سے پیدا ہوئی تھی، ایک ایسا پل تھا جو گذشتہ تمام تجربات کو ان تک پہنچاتا تھا۔ ۱۵ خرداد کا سانحہ ہی تھا جس نے ایران کی نئی مسلمان نسل کو سیاسی و مذہبی تنظیمیں تشکیل دینے پر اکسایا اور اسی تاریخ سے پہلوی حکومت کی سرنگونی کے لئے سیاسی جد و جہد کرنے والے گروہ وجود میں آئے جو اسلامی آرزو اور مقاصد سے

سرشار تھے۔ ان تمام گروہوں میں سب سے سچا اور وفادار ترین گروہ "ہیئت ہائے موتلفہ اسلامی" نامی گروہ تھا جو فدایان اسلام کے بچے کھچے لوگ اور دوسرے ایسے افراد پر مشتمل تھا جو علماء کی قیادت پر اعتقاد رکھتے تھے اور حضرت امام خمینی کی شخصیت کو ہر پہلو سے سچے اسلام کا آئینہ دار سمجھتے تھے، اس گروہ میں ایسے بڑے علما بھی تھے جو آج بھی امام خمینی کے نزدیکی ساتھیوں میں ہیں اور انقلاب کی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں۔ اس گروہ نے جو اہم اقدامات کئے ان میں سے ایک ۱۹۶۴ء میں شاہی حکومت کے وزیر اعظم حسن علی منصور کا قتل تھا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے شاہ اور اس کے آقا امریکہ کے حکم پر ۱۹۶۴ء میں امام خمینی کو ۸ ماہ کی قید سے رہائی کے بعد دوبارہ گرفتار کر کے ترکی جلا وطن کیا تھا۔

ایران میں اسلام مٹانے کی لہر

۱۹۶۱ء سے ۱۹۶۴ء کے حادثات نے کافی حد تک پہلوی حکومت کو الجھائے رکھا تھا لیکن اس کے باوجود پوری تن دہی کے ساتھ سامراجی ذمہ داریوں کو نبھا رہی تھی۔ سامراج نے جو منصوبے ایران کے لئے بنائے تھے وہ اس طرح تھے:

ایرانی عوام کے اسلامی اور قومی اقدار کو ختم کر کے اس کی جگہ مغربی تہذیب و اقدار کو رواج دینا۔ یہاں پر اس چیز کی وضاحت کرنا بھی ضروری ہے کہ گذشتہ صدیوں میں ایران کے قومی آداب و رسوم میں اسلامی ثقافت اس طرح سرایت کر چکی ہے کہ کسی طریقے پر اس کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا ایرانی عوام کے زندگی کے ہر شعبے میں "اسلامیت" جڑ پکڑ چکی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ظہور اسلام کے بعد ایران پر ہمیشہ اسلامی تہذیب و ثقافت کا تسلط رہا ہے اور ایرانی عوام کے قومی اقدار ہی ان کے اسلامی اقدار ہیں چنانچہ سامراج اپنی پوری توانائی کے ساتھ ایران سے اسلام کو مٹانے کی کوشش میں مصروف رہا۔

امام خمینی کے ترکیہ جلا وطن کر دیئے جانے کے بعد پہلوی حکومت کو تیزی سے اپنی سامراجی ذمہ داری کو نبھانے کا بڑا اچھا موقع ہاتھ آگیا۔ آپ کو ترکیہ جلا وطن کر دینے کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے امریکی ماہرین کو قانون سے بالاتر قرار دیئے جانے پر سخت اعتراض کیا تھا اور ۱۹۶۴ء میں قم میں ایک تقریر کے دوران یہ اعلان کیا

کہ امریکی صدر ایرانی قوم کی نظر میں نفرت انگیز ترین شخص ہے ۔ اس تقریر کی زیادہ اہمیت یہ ہے کہ امام خمینی ایران اور دوسرے اسلامی ممالک کو تباہ و برباد کرنے کے لئے امریکہ، روس اور برطانیہ کے انسانیت سوز منصوبوں کی نقاب کشائی کرتے ہوئے اسلامی ممالک کے سربراہوں اور تمام علمائے اسلام کو خبردار کرتے ہیں کہ اسلام انتہائی عظیم خطرات سے دوچار ہے ۔ بڑی طاقتیں اسلام کو نیست و نابود کر کے اسلامی ممالک کے استحصال کا ارادہ رکھتی ہیں ۔ امام خمینی اس تقریر میں واضح طور پر مسئلہ روحانیت پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں ۔" امریکہ علماء کے اثر و رسوخ کو ختم کر کے اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانا چاہتا ہے ۔ کیونکہ جب تک علماء کا اثر و رسوخ باقی ہے اس کی گاڑی ہرگز آگے نہیں بڑھ سکتی ۔

آخر کار پہلوی حکومت کو یہ موقع مل گیا کہ وہ امام خمینی کو جلاوطن کر کے بہت سے علماء، طلباء اور دوسرے انقلابی عوام کو قتل و گرفتار کر کے ملک میں گھٹن کا ماحول پیدا کر دے اور اسلام کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے میدان ہموار کر سکے ۔ درحقیقت ۱۹۶۴ء سے ۱۹۷۸ء تک کا زمانہ اصل اسلامی طاقتوں کے لئے انتہائی مشکلات کا زمانہ تھا جسے ایران میں اسلام کو مٹانے کے عروج کا دور سمجھنا چاہئے ۔ اگرچہ ایران میں اسلام کو مٹانے کا عمل قاچار یہ دور سے ہی شروع ہو چکا تھا ۔

ایران میں اسلام کو مٹانے کے مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کی تحقیق کے لئے گو ایک جداگانہ کتاب کی ضرورت ہے ۔ لیکن پھر بھی بہتر ہوگا کہ ہم تفصیل میں نہ جاتے ہوئے ایران میں اسلام کو مٹانے کی غرض سے استعمال کئے گئے حربوں کی طرف اشارہ کرتے چلیں ۔

درباری اسلام

نئے سامراج کے کرتا دھرتا اچھی طرح واقف تھے کہ اسلامی ممالک بالخصوص ایران میں جہاں عوام کا مذہب سے گہرا تعلق ہے ۔ اسلام کے ساتھ اعلانیہ اور کھلم کھلا مقابلہ ایک بڑی غلطی ہے ۔ یہ عمل نہ صرف اسلام کے مٹانے میں کچھ موثر ثابت ہوگا بلکہ اسلام کی مزید تقویت کا باعث یہی وجہ ہے کہ انہوں نے خود اسلام کو جھٹلانے کی کوشش نہ کی بلکہ ان کی پوری کوشش یہی رہی کہ اسلامی ممالک میں اپنی پٹھو حکومتوں کی مدد سے سچے اور

حقیقی اسلام کی جگہ ایک غیر حقیقی اسلام کو رواج دیں۔ اس اسلام سے جس کو درباری اسلام کہنا چاہئے سامراجیوں کو چار بڑے فائدے تھے۔ اوّل یہ کہ: انھیں یہ موقع فراہم ہوتا تھا کہ وہ ظاہری طور پر عوام کے مذہبی اور عقیدتی اصولوں اور اسلامی تعلیمات کے خلاف کوئی اقدام کئے بغیر اسلامی ثقافت کی جگہ سامراجی ثقافت رائج کریں اور بغیر کسی رکاوٹ کے اسلامی ملکوں کی دولت کو غارت کرتے رہیں۔

دوسرا فائدہ سامراجیوں کو حقیقی اسلام کے بجائے درباری اسلام کو رواج دینے سے یہ تھا کہ وہ لوگ انکی مدد سے اپنی پٹھو حکومتوں کو باقی رکھ سکتے تھے کیونکہ انھیں معلوم تھا اگر ان ممالک میں حکومت کے افراد اپنے کو اسلام کا حامی بتاتے رہیں گے اور اپنے کو مذہبی فرائض اور مراسم کو انجام دینے والا ظاہر کرتے رہیں گے تو وہ اپنی حکومت کو باقی رکھ سکیں گے۔ اس لئے اگر دین کے معاملہ میں ان کی طرف سے ذرہ برابر بھی بے اعتقادی اور لاپرواہی ظاہر ہوئی تو ان کی حکومت عوام کے درمیان متنزلزل ہوجائے گی۔ یہی وجہ تھی کہ پہلوی حکومت باوجودیکہ حقیقی اسلام کی سخت مخالف تھی اور ایسے علماء اور اسلام شناس افراد کو، جو حکومت کے ہاتھوں اسلامی قوانین مسخ کئے جانے پر اعتراض کیا کرتے تھے، جلاوطن یا جیلوں میں ڈال دیا کرتی تھی۔ اور ایسا گھٹن ماحول بنا رکھا تھا کہ کوئی شخص حقیقی اسلام کی ترویج نہیں کر سکتا تھا، آئے دن اسلام کے حامی ہونے کا دم بھرا کرتی تھی اور خوبصورت سے خوبصورت قرآن کی طباعت، مساجد کی تعمیر اور مذہبی رسومات کی ادائگی پر دل کھول کر روپیہ خرچ کرتی تھی۔ وہ لوگ جو سے سامراج کے ہتھکنڈوں سے واقف تھے اچھی طرح سمجھتے تھے کہ یہ سب کچھ صرف دکھاوا اور اسلام پر فریفتہ سادہ عوام کو فریب دینے کے لئے کیا جارہا ہے جو اسلام کا اعتقاد تو رکھتے ہیں مگر وہ سامراجیوں کی فریب کارانہ سیاست اور چالوں سے بے خبر ہیں۔

تیسرا فائدہ سامراجیوں کو یہ تھا کہ اسلامی ملکوں میں ان کی پٹھو حکومتوں کے باقی رکھنے سے ان کا بھی وجود وہاں باقی رہتا اور یہ لوگ اس بات سے مطمئن رہتے کہ دنیا کی دوسری مظلوم و محروم قوموں کے بیدار ہونے کا بھی خطرہ نہیں ہے۔ کیونکہ سامراجیوں کو یہ بات معلوم تھی کہ اگر مسلمان حقیقی اسلام کی تعلیمات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قیام کریں اور سامراج سے مقابلہ کریں تو اس تحریک سے بلند ہونے والی موج

دنیا کے دوسرے مستضعف اور محروم عوام کو بھی حرکت میں لے آئیگی اور ان کی عالمی سامراج کی بیخ کنی کے لئے متحد بنا دیگی اور یہ چیز عالمی لیڈروں کے لئے بڑی خطرناک تھی، چنانچہ ایران میں اسلامی انقلاب کے کامیاب ہوتے ہی ان کو اسی کے نہایت تلخ ہونے کا تجربہ بھی ہو گیا۔

چوتھا فائدہ سامراجیوں کو یہ تھا کہ "درباری اسلام" کو رواج دینے سے ایسے بہت سے افراد کی نظر میں دین کا بھرم جاتا رہتا اور وہ حقیقی اسلام سے بھی منہ موڑ لیتے جو ایک صحیح اور ترقی آور نظرئے کی جستجو میں رہتے ہیں۔ ایسے لوگ اس "درباری اسلام" میں اس چیز کو پانے سے معذور رہتے جن کی انھیں تلاش ہے کیونکہ "درباری اسلام" ایک "تشریفاتی دین" ہے جو دوسرے ادیان سے کوئی تفاوت نہیں رکھتا۔ آخر کار ایسے لوگ حقیقی دین اسلام سے بھی دور ہو جاتے اور انھیں یہ احساس ہوتا کہ در اصل دنیا میں کسی ایسے دین کا وجود ہی نہیں ہے جو انسان کو حقیقت کائنات سے آشنا کر سکے، اسے لغو اور بیہودہ باتوں سے نجات دے اور ظلم و استبداد، جارحیت اور ناانصافی کے مقابلہ پر اسکو استقامت کیلئے آمادہ کر سکے۔

اسی طرح سامراجی، جو سب سے بڑا فائدہ حاصل کرنا چاہتے تھے، وہ یہ تھا کہ درباری اسلام کی مدد کر کے وہ ان طاقتوں کی صلاحیت و استعداد کو اپنی طرف موڑ لیں جو حقیقی اسلام کے بازوں کی توانائی بن کر سامراج سے لڑ سکتی تھیں۔ لہذا سامراجی ایسی زمین ہموار کرنا چاہتے تھے کہ یہ عظیم طاقتیں انحرافی مکاتب فکر میں جذب ہو جائیں یا خود یہ طاقتیں ایک نئے مذہب کا روپ دھارلیں۔ "ہپی ازم" جیسا پیچ نظریہ جو مغربی دنیا کی آفتوں میں سے ایک بڑی آفت ہے اور سامراجیوں کو جس کا خوب تجربہ ہے۔ سامراجی ایسا ہی مذہبی خلا اسلامی ممالک میں بھی پیدا کرنا چاہتے تھے۔ فرق یہ تھا کہ مغربی دنیا میں کسی ایسے "درباری دین" کی ضرورت نہیں تھی، اس لئے کہ وہاں موجودہ "مسیحیت" جو زندگی کے حقیقی اصولوں سے تہی دست ہے، اس کا وجود خود کسی "درباری دین" کو منہ چڑھانے کے لئے کافی ہے ایسے دین و مذہب کے ترقی اور رواج پانے سے سامراجی حکومتوں کو کسی قسم کی پریشانی اور خطرہ نہیں ہے، مگر اسلامی ممالک میں ایک درباری اسلام کو ایجاد کئے اور اسے حقیقی اسلام کی جگہ رواج دئے بغیر سامراجیوں کو اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جانا ممکن نہیں تھا۔

"درباری اسلام" کی ترویج کرنے والے گروہوں میں ایک گروہ ان یورپ پلٹ مغرب زدہ افراد کا تھا جو اپنے وطن لوٹنے پر اپنی گفتگو کے دوران ہر جملے پر کم از کم انگریزی لفظ کا استعمال ضروری سمجھتے تھے اور ان کے بدن کے روئیں روئیں پر مغربی ثقافت کی چھاپ ہوتی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ ایران صرف اسی صورت میں مہذب اور ترقی یافتہ ہو سکتا ہے جب وہاں کے عوام سر سے پیر تک مغربی تہذیب و تمدن میں ڈھل جائیں۔ البتہ مغرب جانے والوں میں سبھی پر یہ بات صادق نہیں آتی کیونکہ ان میں کچھ ایسے افراد بھی تھے جو صحیح معنوں میں قرآن کے حکم "فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ" کے مطابق یورپ گئے مگر انھوں نے اسلامی خصائل کو چھوڑے بغیر وہاں کے علوم و فنون کو حاصل کیا اور وطن لوٹنے پر اس کے ذریعہ اسلام کی خدمت کی جبکہ اکثریت ایسے افراد کی تھی جو یورپ سے اسلام پرستی کے لمبے چوڑے دعوے کے ساتھ ضرور آتے تھے مگر ان کا مقصد اسلام کے لبادے میں مغربی ثقافت کی ترویج اور "درباری اسلام" کو رواج دینا ہوتا تھا۔

موجودہ صدی میں اسلامی ثقافت کو جو شدید نقصان پہنچا وہ یہ تھا کہ اکثر ایسے افراد جو اسلامی بحث و مباحثے میں حصہ لیتے ولایت پلٹ افراد کی پیروی کرتے ہوئے یہ کوشش کرتے کہ اپنی بات کو ثابت کرنے کے لئے کسی ولایتی دلیل کو ضرور پیش کریں ولایتی قول یا دلیل کے بغیر تحقیق تشنہ سمجھی جاتی یہ غلط فکر ایک طرح کی کوتاہ فکری اور احساس کمتری تھا جسے اس قدر ہوا دی گئی کہ بتدریج عوام کی یہ عادت بن گئی کہ ہر ایسے اسلامی مفہوم و مطلب کو جس کے ساتھ یورپ کی تائید کا دم چھلا لگا ہوتا اسے بڑی آسانی سے قبول کر لیتے۔ اس کوتاہ فکری اور ثقافتی غلامی کا عظیم گناہ انہی ولایت پلٹ افراد کے سر جاتا ہے جنھوں نے مغربی ثقافت پر اسلام کا ملمع چڑھا کر اس کی ترویج کی کوشش کی اور مسلمانوں کو حقیقی اسلام سے دور کر دیا۔

درباری اسلام کا پرچار کرنے والوں میں دوسرا گروہ ایسے افراد پر مشتمل تھا جو مستشرق اور اسلام شناس کا بیبل لگا کر اسلامی ممالک میں رخنہ اندازی کرتا تاکہ سامراجی جاسوس خانوں میں گڑھے ہوئے

اسلام سے عوام کو روشناس کرانے اور حقیقی اسلام کو طاق نسیان بنا دے۔ یہ مستشرقین جن کی معلومات
مختلف اسلامی شعبوں میں بڑی محدود ہوتیں اور انھیں مسلمان محققین کی تحقیقات کا بہت کم علم ہوتا مگر یہ
لوگ انھیں مسلمان محققین کی تحقیقات کو توڑ مروڑ کر اس پر خاص فرنگی رنگ و روغن لگا کر انھیں
خوبصورت جلدوں میں شائع کرتے اور انھیں اپنے ہمراہ اسلامی ممالک میں لاتے اور سامراج کی پٹھو
حکومتوں کی طرف سے انعقاد کئے جانے والے سیمناروں میں انھیں پیش کرتے۔ یہ پٹھو حکومتیں ان کا
زبردست پروپیگنڈہ کرتیں، جس کے نتیجے میں نہ یہ کہ صرف سیدھے سادھے عوام دھوکہ کھاجاتے بلکہ بہت سے
محققین افراد بھی فریب میں مبتلا ہو جاتے اور ایک سچے اسلام شناس کو اپنے مطالعات و تحقیقات
کو پیش کرنے میں بڑی زحمت پیش آتی۔ ایران میں یہ چیز دوسرے اسلامی ممالک سے کہیں زیادہ
دیکھنے میں آتی۔ پہلوی حکومت اس پر خاص توجہ دیتی اور دل کھول کر روپیہ خرچ کرتی کیونکہ یہ مسئلہ ایران میں اسلام کشی
اور پہلوی حکومت کی بقاء کے براہ راست اور اصلی عوامل میں تھا۔ پہلوی حکومت کی نظر میں یہ مسئلہ اتنا اہم تھا کہ
ایران تو ایران ملک کے باہر بھی سامراجی مستشرقین کی تحقیقات کا پروپیگنڈہ کرنے کے لئے کثیر رقم خرچ کر کے مرکز
قائم کئے گئے تھے حکومت کی اس ناپاک کوشش کے اصلی عوامل وہی نام نہاد مغربی اسلام شناس اور مغرب زدہ
افراد تھے جو باہم متحد ہو کر اسلام کو مٹانے کے سامراجی پیغام کو عملی جامہ پہنا رہے تھے۔

سرکاری کمیونزم

اسلام مٹانے والے مداریوں نے اس میدان میں اس امر کی
فکر بھی کی تھی کہ معاشرے میں حقیقی اسلام کی نابودی کے
بعد متجسس افراد کو اس کی کمی کا احساس ہوگا تو اس خلا کو کیونکر پر کیا جائے کیونکہ انھیں معلوم
تھا کہ درباری اسلام کے ذریعہ صرف اس حد تک یہ خلا پر کیا جا سکتا ہے اور صرف انھیں لوگوں
کو مطمئن کیا جا سکتا ہے جن کی معلومات محدود ہیں اس چیز کے پیش نظر وہ لوگ دوسرے
عناصر اور عوامل کی بھی کھوج میں پڑ گئے۔ انھیں عوامل میں سے ایک سرکاری کمیونزم بھی ہے۔
پہلوی حکومت ہمیشہ براہ راست دربار کے ذریعہ یا مختلف سماجی، ادبی، اور علمی

سوسائٹیوں، انجمنوں اور وزارتوں کے ذریعہ عوام کے ایک طبقے کو ایسی محفلوں اور سوسائٹیوں میں جذب کرنے کی کوشش کرتی رہی جن پر ترقی پسندی کا لیبل لگایا تھا۔ ان افراد کے اشعار، ڈرامے اور دوسرے آرٹس میں اگرچہ حکومت پر کہیں کہیں اعتراضات بھی نظر آتے تھے لیکن بتدریج یہ لوگ بھی اشرافیت اور دہریت کے جال میں گرفتار ہوجاتے تھے۔ پہلوی اور سامراج کا اصلی مقصد یہی تھا کہ یہ طاقتیں ان چیزوں میں سرگرم رہیں جو حکومت کے اصل نظام سے کوئی ٹکراؤ نہیں رکھتیں۔ اگر وہ چیزیں قابل اعتراض ہیں بھی تو حکومت کے پاس انہیں مطمئن کرنے کے راستے بھی ہیں) حکومت نے جو ذرائع مہیا کیے تھے اور جن منصوبوں اور پروگراموں پر وہ عمل کر رہی تھی ان کی روشنی میں حکومت کو یہ علم تھا کہ آخر کار یہ طاقتیں بھی ایک نہ ایک دن اشرافیت اور دہریت کے بھنور میں پڑجائیں گی اور آئندہ ان سے فائدہ اٹھایا جاسکے گا اور یہ طاقتیں سامراج کے جرائم کی توجیہہ و تاویل بیان کرنے کے سلسلے میں بڑی کارآمد ثابت ہوں گی۔ یہی وجہ تھی یہ طاقتیں اپنے قابل اعتراض اشعار سامراجی انجمنوں اور ثقافتی اداروں مثلاً "انجمن ایران وامریکہ" وغیرہ میں پڑھتی تھیں اور انہیں پہلوی حکومت کے ٹیلی ویژن پر دکھایا جاتا تھا ان سے متعلق تصویریں بین الاقوامی مقابلے میں پیش کی جاتی تھیں اور عموماً انعام بھی حاصل کرتی تھیں۔

ان افراد کے افکار و افعال سے تھوڑی بہت کمیونزم کی بو آتی اور یہ محسوس ہوتا کہ ایک کمیونسٹ تحریک وجود میں آرہی ہے لیکن حقیقت میں ایسی کمیونسٹ تحریک تھی جس کا زیادہ فائدہ کمیونزم کے مخالف شہنشاہی نظام کو پہنچتا !! اور یہ کمیونزم کی ایک دوسری قسم تھی، "سرکاری کمیونزم"۔

جھوٹا نیشنلزم

سامراجیوں نے اسلام کشی کے باعث پیدا ہوجانے والے خلا کو پر کرنے کے لئے ایک دوسرا حربہ "نیشنلزم" کا اپنایا۔ نیشنلزم کے معنی اگر ایک قوم کو اجتماعی طور پر متحد کرنے اور اس کی قومی حیثیت کو اہمیت دینے کے ہیں تو "اسلام" میں ایسے "نیشنلزم" کی نہ یہ کہ مذمت کی گئی ہو بلکہ ایسے نیشنلزم کی بیحد تاکید کی گئی ہے اور اس کی طرف رغبت دلائی گئی ہے۔ "اسلام" "نیشنلزم" کے مثبت پہلوؤں کو ماننے سے انکار نہیں کرتا لیکن اس کے منفی

پہلوؤں کی بھرپور مخالفت کرتا ہے۔

گذشتہ صدی میں نیشنلزم اور نسل و قوم پرستی کو جس انداز سے پیش کیا گیا ہے اور جو فتنہ کھڑا کیا گیا ہے اس کا مقصد صرف ایک قوم کو اصل قرار دیکر بلند و بالا اقدار کا انکار کرنا ہے، تمام قوموں کو ایک متحد قوم بنانا نہیں۔ گذشتہ صدی میں اسلامی ممالک نیز محروم اور سامراج کے زیر اثر ممالک میں سامراجیوں کی طرف سے نسل و قوم پرستی کو اولین اصل اور بالاترین اجتماعی قدر کی حیثیت سے رواج دینے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔

اسلامی ممالک میں نیشنلزم کے رواج دینے سے سامراجیوں کا مقصد یہ تھا کہ اسلام کے ساتھ مسلمان قوموں کا رابطہ ختم کر دیں جس کا نتیجہ ہوگا کہ مسلمان قوموں کے درمیان خود بخود رابطہ ختم ہو جائے گا کیونکہ انھیں اچھی طرح معلوم تھا کہ اسلام قومیت کی دیوار کو ہٹا کر مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ متحد کر کے عظیم طاقتور "ملت واحد" کی شکل دے سکتا ہے یہی وجہ تھی کہ عالمی سامراج نے خطرے کا احساس کرتے ہی وسیع پیمانے پر پروپیگنڈہ اور کوششیں شروع کر دیں تاکہ مسلمانوں کے درمیان اس طرح کی وحدت قائم نہ ہو سکے اور قومیت کو اسلام پر فوقیت حاصل ہو جائے۔

دوسرا فائدہ سامراجیوں کو "نیشنلزم" کے رواج دینے سے یہ تھا کہ وہ لوگ ایک مسلمان قوم کے درمیان نسل پرستی اور قومیت کا احساس دلا کر اسلام کی طرف سے ان کی توجہ ہٹا سکتے تھے یا جہاں انھیں اسلام کو طاق نسیاں کے حوالے کرنے میں کامیابی ہو گئی تھی اور اس سے جو خلا پیدا ہو گیا تھا اس خلا کو قوم پرستی کے احساس کے ذریعہ پر کر سکتے تھے۔ ایران میں اسلام کشی کے ساتھ ساتھ "نیشنلزم" کی تحریک کا بھی آغاز ہوا اور یہ تحریک مختلف شکلوں میں جاری رہی۔

پہلوی حکومت ایران کی قومی ثقافت کو مٹانے کی بھرپور کوشش کے ساتھ ساتھ یوں درباری اہل قلم اور فنکاروں کے ذریعہ عوام میں مسخ شدہ قومیت اور نیشنلزم کا جھوٹا احساس جگانے کی بھی کوشش کرتی رہی جو اس مسخ شدہ قومیت کے مروج اور مبلغ تھے

شاہ کے زمانۂ حکومت میں ادبیات و ثقافت کے ماہرین نے بارہا یہ کوشش کی کہ فارسی رسم الخط بدل کر اس کی جگہ لاطینی رسم الخط رائج ہو جائے۔ یہ اقدام اسلامی ثقافت کے ساتھ بہت بڑی خیانت تھی اس لئے کہ اسلامی ثقافت کا بہت بڑا حصہ نثر و نظم کی صورت میں فارسی رسم الخط میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ اس اقدام کا شمار بھی ایرانی قومیت کو نیست و نابود کرنے والے اقدامات میں ہوتا ہے۔ ایرانی قومیت پر اس طرح حملوں کے ساتھ ساتھ عرب مسلمانوں کے خلاف بڑی شدت سے دوسرے قسم کے پروپیگنڈے بھی کرتی رہی۔ ان پروپیگنڈوں میں اب مسلمانوں کی ایرانیوں کے ساتھ جنگ اور ایران میں اسلام کے ظہور کی طرف اشارہ کیا جاتا تھا اور یہ کوشش کی جاتی تھی کہ ایرانی قوم کے سامنے عرب اور اسلام کا چہرہ اس طرح بگاڑ کر پیش کیا جائے کہ ایرانی عوام کے درمیان اسلام اور عرب مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیل جائے اور ایرانی عوام کے رجحان اسلام سے ہٹ کر قومیت کی طرف ہو جائے۔ لطف کی بات تو یہ ہے کہ پہلوی حکومت ایرانی عوام کے ذہنوں میں "اسلامیت" کے بجائے جس قومیت کا تصور پیدا کرنا چاہتی تھی وہ بھی حقیقی ایرانی قومیت نہیں تھی بلکہ وہ سامراجی ثقافت کے ذریعہ ایک مسخ شدہ قومیت تھی جس پر ایرانی قومیت کا ملمع چڑھا دیا گیا تھا۔

ایرانی عوام نے گذشتہ نصف صدی میں اپنے ملک کی تاریخ میں جھوٹے نیشنلزم کا بڑا تلخ تجربہ کیا تھا۔ "جبہۂ ملی" (نیشنل فرنٹ) جو ایرانی قومیت پرستی کی سب سے بڑی مدافع سمجھی جاتی تھی اس نے خود شاہ پور بختیار جیسے افراد کو پروان چڑھایا جس نے ایرانی تاریخ کے نازک ترین لمحوں میں دوڑ کر امریکہ کی مدد کی اور امریکہ کے مفاد کے لئے ایرانی قوم سے غداری کی اور امریکہ کی پٹھو حکومت کی وزارت عظمیٰ قبول کر کے عوام کو فریب دینے کے لئے اپنے بہت ہی مختصر دور وزارت میں "قومیت کا راگ الاپتا رہا"۔ "پان ایرانزم" تحریک نے بھی قومیت اور نیشنلزم کے نعروں کے پردے میں امریکہ کی بڑی خدمات انجام دیں اور پہلوی حکومت کے جرائم کی غلط تاویل و توجیہہ کر کے ایرانی قوم کو شدید نقصان پہنچایا۔ انقلاب اسلامی کی کامیابی کے بعد بھی وہ افراد اور وہ تحریکیں جو اپنے نیشنلسٹ ہونے کا دعوی کرتی ہیں، ہمیشہ

عوامی تقاضوں کے خلاف سامراجیوں خصوصاً امریکہ کے مفاد میں کام کرتی رہی ہیں ۔

ایران کے علاوہ دوسرے اسلامی ممالک میں بھی نیشنلسٹ تحریکوں نے ان قوتوں کو بڑی چوٹ پہنچائی ہے جنھوں نے ہمیشہ استعمار کے خلاف کام کیا ہے ۔

عرب ممالک میں "پان عرب ازم" اور ترکیہ میں "پان ترکی ازم" فقط حقیقی اسلامی تحریکوں سے مقابلہ کی غرض سے وجود میں آئی ہیں اور سامراج کے مفادات کی حفاظت کرنے والے حربوں کی حیثیت سے نہایت اہم کردار ادا کیا ہے ۔ پٹھو حکومتوں نے باستانی اور قومی ثقافت کے بہانے اسلامی ثقافت کی جگہ سامراجی ثقافت کو لانے کی کوشش کی ۔اسی مقصد کے پیش نظر ایران میں پہلوی حکومت نے ایران کے قدیمی (زرتشی و مانوی ....) رسم و روایات کو نام نہاد یورپی اور امریکی ایران شناس افراد کی مدد سے زندہ کرنے کی بہت اعلی پیمانہ پر کوشش کی اور اس کے لئے بے دریغ دولت صرف کی، اسلامی تاریخ کے بجائے شہنشاہی تاریخ کو رواج دینے کا مقصد بھی یہی تھا ۔

مغربی لیبرل ازم

لفظ لیبرل ازم بھی لفظ "استعمار" کی طرح بدبختیوں کا شکار رہا ہے اور مغرب زدہ افراد کی نظر میں اس کا ایک خاص مفہوم ومعنی ہے یہی وجہ ہے حقیقی لیبرل ازم اور مغربی لیبرل ازم کے درمیان کافی فرق ہے ۔جس طرح "استعمار" کے اصلی معنی طلب عمران وآبادی کے ہیں مگر استحصال پسندوں نے اس حسین نام کے پردے میں بجائے آبادی وعمران کے اپنے زیر اثر علاقوں میں لوٹ کھسوٹ اور غارت گری مچا رکھی ہے ۔ لفظ لیبرل ازم کا معنی ومقصد آزادی ہے اور باعتبار لغت "لیبرل" وہ شخص ہے جو آزادی حاصل کرنا چاہتا ہے ۔مگر افسوس یہ لفظ بھی استعمار کے پیچ وخم سے دچار ہوکر سامراجیوں کے ہاتھوں کا کھلونا بن گیا اور اپنے اصلی معنی یعنی آزادی کا مفہوم کھو بیٹھا ۔ یہ باعزت لفظ اس معنی میں استعمال ہونے لگا کہ انسان ۔تمام انسانی والٰہی ذمہ داریوں اور فرائض سے آزاد ہوکر جدید استعمار کی قید وبند میں اسیر ہو جائے ۔

خداوند عالم نے انسان کو آزاد پیدا کیا ہے اور اسے جو کرامت وفضیلت وخصوصیات عطا فرمائی ہیں۔ ان کی بناء پر وہ دوسرے موجودات سے جدا اور ممتاز حیثیت کا حامل ہے تاکہ وہ ہر قید وبند سے آزاد ہو کر کمال کی راہوں کو طے کر سکے۔ خداوند عالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے :

انا ھدینٰہ السبیل امّا شاکراً و امّا کفوراً (آیت ۳۔ دھر)

(یعنی ہم نے انسان کو صحیح راستے کی ہدایت کردی ہے اب اسے خود اختیار ہے کہ وہ صحیح راستہ اختیار کرے یا باطل راستہ اختیار کرے)

اس راستے کو اختیار کرنے اور طے کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان سوائے خدا کی بندگی اور عبودیت کے ہر طرح کی قید وبند سے آزاد ہو۔ بالفاظ دیگر اسلام میں آزادی کے معنی یہ ہیں کہ انسان صرف خدا کی اطاعت وفرمان برداری کرے اور صرف الہٰی قوانین کا پابند رہے۔ ان کے علاوہ دوسروں کی اطاعت وفرمان برداری سے آزاد اور غیر خدائی اصول وقوانین کی پابندیوں کا اسیر نہ رہے۔

ازروئے اسلام انسان کی بڑی اہمیت ہے اور وہ ایک ایسی آزاد مخلوق ہے جسے اپنے خیالات وافکار میں بھی خدا کے علاوہ کسی کا پابند نہیں ہونا چاہئے یعنی اسے ہر طرح کی مادی گرفتوں اور زنجیروں سے آزاد ہو کر ہر قسم کے غیر الہٰی اقتدار کی نفی کرے اسے ٹھکرا دینا چاہئے لیکن کچھ ہی حقیقی اور واقعی معنی ہیں۔ اسلام نے انسان کو خدا کا بندہ کہا ہے یعنی انسان اپنے تمام وجود کے ساتھ مشیت الہٰی کا پابند اور الہٰی قانون کا مطیع وفرمانبردار ہے۔ "عبد" بندہ اور "عبدیت" یعنی بندگی کی اسلام میں اتنی اہمیت ہے کہ قرآن اور احادیث پیغمبرؐ ومعصومینؑ میں برابر لفظ عبد اور اس کے مشتقات خدا اور انسان کے باہمی رابطہ کو ظاہر کرنے کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔ قرآن میں انسان کے مقصد خلقت کو جہاں بیان کیا گیا ہے وہاں اسی تعبیر کو استعمال کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :

وما خلقت الجن والانس الّا لیعبدون (سورہ ذاریات آیت ۵۶)

یعنی ہم نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ اس آیۂ مبارکہ میں قابل توجہ

لفظ "یعبدون" سے کی ہے اور خداوند تعالیٰ کی یہ بہت بڑی عنایت ہے کہ کہ اس نے جنوں اور انسانوں کے مقصد خلقت کی تعبیر لفظ "یعبدون" سے کی ہے جو اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ انسان تمام مادی زنجیروں سے آزاد ہو کر صرف خدا کی عبودیت و بندگی اختیار کرے اور محض خدا ہی کا مطیع و فرمانبردار ہے۔ عبودیت اور بندگی صرف اصطلاحی عبادت کا نام نہیں بلکہ انسان کی پوری زندگی خصوصاً اس کی سماجی زندگی سے بھی اس کا تعلق ہے اور یہی وجہ ہے کہ خداوند تعالیٰ جس وقت بعثت انبیاءؑ کا مقصد بیان کرتا ہے تو خدا کی بندگی اور عبودیت کے ساتھ ساتھ طاغوت سے اجتناب، طاقتوروں اور توسیع پسندوں سے رہائی کی بھی تاکید کرتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے: ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولا ان اعبدوا اللہ واجتنبوا الطاغوت (آیت ۳۶ سورہ نحل) یعنی ہم نے ہر امت کے لئے ایک پیغمبر مبعوث کیا ہے تاکہ وہ انہیں خدا کی عبادت اور طاغوت سے اجتناب کرنے کی دعوت دے۔

یہی وجہ ہے کہ اہل کتاب یعنی آسمانی ادیان کے ماننے والوں نے بھی اس "دعوت" میں کبھی کسی کو خدا کا شریک قرار نہیں دیا۔ انہوں نے شخصیتوں کو "رب" نہیں مانا۔ خداوند تعالیٰ پیغمبر اسلامؐ سے فرماتا ہے: قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئاً ولا یتخذ بعضنا بعضاً اربابا من دون اللہ (آیت ۶۴ سورہ آل عمران) یعنی اے رسولؐ! آپ اہل کتاب سے فرما دیجئے کہ تم ایسی ٹھکانے کی بات پر آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ بنائیں اور خدا کے سوا ہم میں سے کوئی کسی کو اپنا پروردگار نہ بنائے) اس آیۂ شریفہ میں "عبادت" کے علاوہ دو چیزوں کو بھی خاص طور پر بیان کیا گیا ہے یعنی شرک سے اجتناب اور غیر خدا کے سوا کسی کو "رب" ماننے کی نفی کی گئی ہے۔ آیت کا مطلب بالکل واضح اور روشن ہے کہ "خلق" اور "خالق" کے درمیان "عبودیت مطلق" کا ربط ہونا چاہئے۔ عبودیت

اور بندگی صرف، دائرہ عبادت میں محدود نہیں ہے بلکہ وہ انسان کی زندگی کے ہر پہلو کو اپنے دائرے میں لئے ہوئے ہے۔

قرآن کریم میں حسین ترین تعبیر لفظ "عبد" ہے جس سے خداوند عالم نے اپنے پیغمبروں کو خطاب کیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ علیہم السلام کو خداوند عالم جب اپنی زبان تحسین سے یاد کرتا ہے تو یہی تعبیر استعمال فرماتا ہے چنانچہ سورہ ص میں ارشاد ہوتا ہے۔ واذکر عبادنا ابراھیم واسحٰق ویعقوب(... آیت ۴۵) یعنی ہمارے بندے ابراہیم و اسحاق و یعقوب کو یاد کرو۔

ہر پیغمبر کے لئے قرآن نے یہی طریقہ اختیار کیا اور سب کو ہمیشہ لفظ "عبد" سے یاد کیا ہے۔ خداوند عالم اپنے محبوب حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمیشہ لفظ "عبد" سے یاد کرتا ہے خصوصاً جب خدا حضرت کی رسالت اور نزول قرآن کی بات کرتا ہے تو آپ کی بہترین صفت "عبدیت" ہی کو قرار دیتا ہے قرآن مجید میں اس کے متعدد شواہد موجود ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی معنوی عظمت کے روح اور اپنی رسالت و نبوت کے پرشکوہ وقت یعنی معراج میں بھی اسی لفظ "عبد" ہی سے یاد کئے جاتے ہیں اور لقب "عبد" ہی سے ملقب کئے جاتے ہیں۔ سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ... سورۂ اسراء آیہ ۱) پاک و پاکیزہ ہے وہ خدا جس نے اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی سیر کرائی۔

غرض متعدد قرآنی آیات موجود ہیں جن سے ہماری بحث کی پر زور تائید ہوتی ہے مگر ہم یہاں اختصار سے کام لیتے ہوئے صرف ایک آیت پر اکتفاء کرتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر انسان اور تمام موجودات کی غیر محسوس سیر بندگی کی حالت میں خدا تک منتہی ہوتی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: ان کل من فی السموٰت والارض الا آتی الرحمٰن عبدا (آیت ۹۳ مریم) یعنی زمین و آسمان میں جتنی چیزیں ہیں سب کی سب خدا کے سامنے بندہ ہی ہو کر آنے والی ہیں۔ لہٰذا قرآن کریم اور روح اسلام اس نکتے کی ترجمان ہے کہ انسان اور تمام مخلوقات کی سب سے بڑی فضیلت بندۂ معبود ہونا ہے۔ اسکے ساتھ ساتھ قرآن ہم پر اس حقیقت کو بھی عیاں کر دیتا ہے کہ انسان کو خدا کی عبودیت کے مقابلے

میں غیر خدا کی بندگی سے لازمی طور پر آزاد رہنا چاہئے۔ قرآنی آیات کے علاوہ احادیث میں اس چیز کو بڑی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے چنانچہ حضرت علی علیہ السلام نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے جو وصیت کی ہے اس میں یہ بھی فرمایا ہے کہ لا تکن عبد غیرک وقد جعلک اللہ حراً (نہج البلاغہ) دوسروں کا بندہ نہ بن جا جبکہ خدا نے تجھ کو آزاد قرار دیا ہے۔ سطور بالا میں غیر خدا سے انسان کی آزادی کا جو مفہوم بیان کیا گیا ہے اسے ہم لیبرل ازم بھی کہہ سکتے ہیں جس کی اسلام تائید کرتا ہے یعنی اسلام کی رو سے حقیقی لیبرل ازم بشر کا خدا کے علاوہ ہر شخص اور ہر شئی سے آزاد رہنا ہے مگر مغربی لیبرل ازم حقیقی لیبرل ازم کے بالکل برعکس ہے اور درحقیقت لیبرل ازم کے نام پر لیبرل ازم کا گلا گھونٹنا ہے۔

مغربی دنیا میں آج لیبرل ازم کے سایہ میں جو کچھ بیان کیا جارہا ہے اور جس کی تقلید تیسری دنیا کے مغرب زدہ افراد کر رہے ہیں اور روشن خیالی کے پرچم تلے جس لیبرل ازم کا نعرہ دیا جارہا ہے اس کا مقصد انسانوں کو صرف الٰہی قوانین سے آزاد کرا کے مادیت کا غلام بنانا ہے۔ مغربی لیبرل ازم درحقیقت انسان کو الٰہی فطرت سے حیوانی خصلت کی طرف دعوت دیکر انسان کو آزادی کے نام پر ہوا و ہوس اور خدا پرستی سے دور کر کے شہوت پرستی کا شکار بنا دیتا ہے۔

مغربی لیبرل ازم بھی انھیں چیزوں میں سے ہے جس سے اسلام کشی کے نتیجے میں پیدا ہونے والے خلا کو پر کرنے کے لئے سامراجی فائدہ اٹھاتے ہیں۔ جب لوگوں کا دل اللہ کی یاد سے خالی ہو جاتا ہے تو مغربی لیبرل ازم میدان میں آتا ہے اور انسان کو خدا سے آزاد کر کے مادی علائق میں گرفتار کر دیتا ہے اور خدائی صفات کے بجائے انسان کو غیر خدائی صفات کا حامل قرار دیدیتا ہے۔ مغرب پرستوں کی نظر میں لیبرل وہ شخص ہے جو ایثار و ہمدردی، شہادت و فداکاری، عفو و درگذر، عفت و پاک دامنی، عقل و دانش، اخلاق و مردانگی، شجاعت و استقامت اور تقوی غرض ہر اس چیز سے جو خدا جو لی اور خدائیت کی نشانی اور علامت ہے۔ آزاد ہو کر دولت کے پیچھے پڑ جائے اور

ناجائز فائدے، عہدہ ومنصب، جنسی بے راہ روی، شہوت پرستی، فکری انحطاط اور فضول خرچی کی زندگی کا عادی بن جائے اور ہر اس چیز کو اختیار کرے جو خدا سے دور کرنے والی ہو۔

خدا کی جستجو میں رہنے والے اور اس کے احکام کی اطاعت کرنے والے انسان کو منحرف کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سامراجیوں اور استحصال پسندوں نے اس کے لئے بے انتہا دولت لٹائی ہے اور بے پناہ کوششیں کی ہیں۔ سامراج اور استحصال پسند فرانسیسیوں کے اسی تجربے سے فائدہ اٹھا رہے ہیں جسے انہوں نے صدیوں پہلے اندلس میں اسلام کشی کے سلسلہ میں حاصل کیا تھا۔ اس تجربے نے انھیں بتایا تھا کہ جنسی بدعنوانیاں منشیات کے استعمال، قمار بازی اور شہوت پرستی ایسے ہتھیار ہیں جن کی مدد سے مسلمانوں کو ان کی ثقافت سے بے تعلق بنایا جا سکتا ہے۔ نتیجہ واضح ہے مسلمان خدائی اقدار سے دور ہو کر خدا سے بھی دور ہو جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ خدا سے بیگانے اور ہوا وہوس کے دیوانے شخص کو بڑی آسانی کے ساتھ اسیر کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ یہی حربہ اسپین میں یورپ نے اور مشرق وسطی میں صیہونیوں نے استعمال کیا اور اس طرح اسلامی ممالک کے دل میں صیہونیت کے کینسر کو پھیلانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔

ایران میں اسلام کشی کے سلسلہ میں پہلوی حکومت کے اہم منصوبوں میں ایک منصوبہ یہ بھی تھا کہ وہ عوام کو مغربی لیبرل ازم کا شیدا بنا کر انھیں خداوند تعالی کی عبادت وعبودیت اور الہی قوانین سے دور کر دینا چاہتی تھی جو اسلامی تہذیب کا اصلی سرمایہ ہیں تاکہ سامراجی اپنے ناپاک مقاصد کو آسانی سے حاصل کر سکیں۔

انقلاب کا اصلی محرک

حقیقت تو یہ ہے کہ انقلاب اسلامی کا اصلی محرک حکومت اسلامی کے قیام اور حقیقی اسلام کے نفاذ کے سلسلہ میں ملت ایران کا اٹل ارادہ تھا۔ ملت ایران جو حکومت اسلامی کے قیام کرنے کے سلسلے میں گذشتہ ایک صدی سے کوشاں تھی اور اس کے لئے اس نے بے انتہا جانی ومالی نقصانات برداشت کئے تھے اس کے باوجود نہ یہ کہ صرف ناکام رہے ہوں بلکہ انھیں پورے طور سے یہ احساس ہو چلا تھا کہ سامراجی اور اسلام دشمن عناصر نے اس مدت میں جو

تجربات حاصل کر لئے ہیں اور ان تجربات کی روشنی میں انھوں نے اسلام مٹانے کے لئے جو منصوبے تیار کر لئے ہیں ان کی مدد سے اب تو وہ بڑی آسانی سے اسلامی تہذیب و ثقافت کو تباہ و برباد کر سکتے ہیں۔ ان حالات میں اب تو مقابلے کے لئے جد و جہد کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہ سکتا اور قیام حکومت اسلامی کا کبھی تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ لوگوں کے ذہنوں میں یہ تصور اس وقت اور پختہ ہو گیا جب پہلوی حکومت کو ایران میں اسلام مٹانے کی ذمہ داری سونپی گئی اور پہلوی حکومت نے اس سازش کو کامیاب بنانے کے لئے سامراجیوں کے بنائے ہوئے منصوبوں پر سختی کے ساتھ عمل کرنا شروع کر دیا اور خود شاہ نیز اس کے پٹھو حکام عوام ہی کی گاڑھی کمائی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلام کو مٹانے میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔

دوسری طرف حقیقی اسلامی طاقتیں نیشنلسٹوں اور دوسرے نام نہاد قومی لیڈروں کے غلط روئیے اور روش کے تلخ تجربات کی بنا پر کسی ایسی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کے لئے ہرگز تیار نہ تھیں جو اسلام سے دور ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ۲۵ مرداد ۱۳۳۲ مطابق ۱۹ اگست ۱۹۵۳ء کی فوجی بغاوت سے لیکر ۱۹۶۱ء یعنی امام خمینی کی تحریک کے آغاز تک اس ملک میں کوئی بھی نمایاں تحریک وجود میں نہیں آئی ہر چند نیشنلزم اور کسی حد تک مذہب کے طرفدار تحریک جاری رکھنے کے خواہشمند تھے۔

لیکن امام خمینی چونکہ حقیقی اسلام کے مظہر تھے اور عوام ان کی تحریک کو الٰہی تحریک سمجھتے تھے اس لئے اسلامی قوتوں کو یکجا کرنے اور عوام کا اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ امام خمینی نے ملت ایران کو، جسے سامراجیوں نے اپنے ہتکنڈوں کے ذریعہ سیاسی مسائل سے بے پرواہ بنا دیا تھا حرکت میں لے آئے اور انھیں پہلوی حکومت اور درحقیقت سامراج سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار کر دیا یہی وجہ تھی کہ ایرانی عوام نے ۱۵ خرداد ۱۳۴۲ھ ش مطابق ۵ جون ۱۹۶۳ء کو پہلوی حکومت کی جانب سے امام خمینی کے گرفتار کر لئے جانے کے خلاف آواز اٹھاتے ہوئے ایران کی تاریخ میں ایک ایسا عظیم مظاہرہ ثبت کر دیا جو عوامی اور اسلامی ہونے کے اعتبار سے بے نظیر تھا۔ ایران کی تاریخ میں غیر مذہبی قوتوں

کی جانب سے اس طرح کا لولی مظاہرہ دیکھنے میں نہیں آیا تھا جیسا کہ ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں کہ ۱۵ خرداد کا قیام فقط اور فقط مذہبی جذبے کے ماتحت تھا اور ایک ایسی عظیم تحریک کا آغاز تھا جو آخر کار ۲۲ بہمن ۱۳۵۷ مطابق ۱۱ فروری ۱۹۷۸ء کو" انقلاب اسلامی" کے نام سے کامیاب ہوئی۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ بات، بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ایران کے "اسلامی انقلاب" کا اصلی محرک اسلام کے احیاء، اسلامی حکومت کے قیام اور حقیقی اسلام کے احکام و قوانین کے نفاذ کا وہ جذبہ تھا جس سے ایران کی مسلمان قوم سرشار تھی۔

دوسرے محرکات

اس سے پہلے کہ ہم" انقلاب اسلامی" کے دوسرے محرکات کا جائزہ لیں ایک اہم نکتے کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ جس وقت "حکومت اسلامی" کی بات سامنے آتی ہے تو یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ اس حکومت کے نمایاں پہلو کیا ہوں گے اور اصولی طور پر ایسی حکومت کی ماہیت کیا ہوگی؟ شاید ہم اس کتاب کے تیسرے باب میں اسی کا کچھ خاکہ پیش کر سکیں گے۔ مگر یہاں اس نکتے کی طرف اشارہ کر دینا لازم ہے کہ سامراجی پروپیگنڈوں نے دنیا کے عوام کے ذہنوں میں ایک مذہبی حکومت کا جو نقشہ پیش کیا ہے وہ بالکل غلط ہے۔ اسلامی حکومت کے متعلق ایسا تصور اسی وقت درست ہو سکتا ہے جب اسلام بھی مسیحیت یا دوسرے مذاہب کے مانند ہو جن میں صرف مبادی مسائل پائے جاتے ہیں اور عوامی و دنیاوی مسائل سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہو جبکہ "اسلام" ایک ایسا دین اور مذہب ہے جس کا تعلق دنیا اور آخرت دونوں سے ہے۔ اسلام عبادی مسائل کے علاوہ اقتصادی، فوجی، سیاسی اور سماجی غرض انسان کی زندگی کے ہر پہلو سے ربط اور تعلق رکھتا ہے۔ اسلام کے علاوہ اگر دوسرے مذاہب کے ماننے والے اگر کوئی مذہبی حکومت قائم کرنا چاہیں تو انھیں اپنے اقتصادی، سیاسی، فوجی اور سماجی نظریات کو دوسرے مختلف اقتصادی، سیاسی، فوجی اور سماجی مکاتب فکر سے ہی اقتباس کرنا پڑے گا کیونکہ ان کے پاس خشک عبادی مسائل کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے کہ وہ انسان کی زندگی

کے مختلف پہلوؤں کی رہنمائی کر سکیں۔ البتہ "اسلام" ایک ایسا مذہب ہے جس کی تعلیمات میں معنوی پہلو کے علاوہ زندگی کے دوسرے تمام مسائل پر بھی خاص توجہ دی گئی ہے اس لئے ایک اسلامی حکومت اپنے اقتصادی، سیاسی، سماجی اور فوجی نظریات میں دوسرے مکاتب فکر کی ہرگز محتاج نہیں ہے۔

جس وقت یہ کہا جاتا ہے کہ "انقلاب اسلامی" کا اصلی محرک یہی تھا کہ ایرانی عوام صرف ایک اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتے تھے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایرانی عوام یہ چاہتے تھے کہ ایک ایسی حکومت کی تشکیل ہونی چاہئے جو صرف معنوی حیثیت سے اسلامی نہ ہو بلکہ اس کے اقتصادیات و سیاسیات نیز سماجی اور فوجی اصول بھی اسلامی تعلیمات کی بنیاد پر ہوں۔ بنا بریں یہ کہنا بالکل درست ہے کہ ایران کا "اسلامی انقلاب" معنوی محرکات کے ساتھ ساتھ، سماجی، اقتصادی، سیاسی اور فوجی محرکات کا بھی حامل ہے۔ یعنی ایرانی عوام دیکھ رہے تھے کہ ان کے اقتصادیات وابستہ ہیں تو انھوں نے اسے پسند نہیں کیا اور چاہا کہ ان کے اقتصادیات اسلامی اقتصادیات کے اصول اور معیار کے مطابق ہوں۔ انہوں نے اپنے کو سیاسی حیثیت سے وابستہ دیکھا تو انھیں یہ گوارا نہیں ہوا اور انھوں نے چاہا کہ ہم اسلامی تعلیمات کی بنیاد پر بالکل آزاد رہیں، انہوں نے اپنے کو فوجی اور سماجی حیثیت سے بھی وابستہ پایا تو انھوں نے یہ کوشش کی کہ ان کی فوج ایک آزاد فوج ہو اور ان کا سماجی نظام اسلامی تہذیب کی بنیاد پر قائم ہو۔ ان تمام مقاصد کا حاصل کرنا اسی وقت ممکن تھا جب ایک اسلامی حکومت قائم ہو۔ بہتر ہے کہ یہاں ہم اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے ان محرکات میں سے ہر ایک کو جدا جدا اپنی تحقیق کا موضوع قرار دیں۔

ثقافتی وابستگی

یہ قدرتی بات تھی، ایران جہاں کی آبادی ۹۸ فیصد مسلمان ہے۔ وہاں کے سماجی نظام کو ایک ایسا اسلامی نظام ہونا چاہئے تھا جس کے اصول و قوانین اسلامی تعلیمات اور اسلامی تہذیب و ثقافت سے لئے گئے ہوں۔ مگر اس روشن حقیقت کے برخلاف پہلوی حکومت ہمیشہ اسلامی ثقافت کو مٹانے کی درپے رہی اور ایک ایسے مغربی سماجی نظام کو قائم کرنے کی کوشش کرتی رہی جسے دوسری قوموں کی اسارت کے لئے سامراجیوں

نے رواج دیا تھا۔ اس نظام میں انسان کی بس اتنی ہی اہمیت تھی وہ زیادہ سے زیادہ فضول خرچ ہو اور نہ یہ کہ وہ محض امپورٹڈ چیزوں کو خوب استعمال کرتا ہو بلکہ اس کی فکر و نظر بھی امپورٹڈ ہو۔ اس نظام میں عورت صرف زینت محفل اور مردوں کی جنسی بھوک مٹانے کے لئے تھی۔ پہلوی حکومت کے ذمہ داروں نے ایران کی مسلمان عورت کو اس قدر ذلیل و رسوا کر دیا تھا کہ عورت کی حیثیت ایک بازی گر سے زیادہ نہیں رہ گئی تھی۔ یعنی ایک عورت کے لئے درآمدہ چیزوں کی نمائش اور سامراجی افکار کی تبلیغ کا ذریعہ بننا ہی اس کا فریضہ اور بہترین مشغلہ تھا۔ عورتوں کے ساتھ جو توہین آمیز سلوک ایران میں ہوا، شاید اس کی مثال غیر اسلامی ممالک میں بھی نظر نہیں آئے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ ایران میں عورتوں کے ساتھ جو رویہ برتا گیا وہ ہر عورت کے لئے خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلمان بہت بڑی توہین اور ذلت ہے۔ مگر اسلامی معاشرے میں جہاں ایک عورت کو پاک و پاکیزہ اور ایسے پرہیزگار بچوں کے لئے تربیت کی ذمہ داری سونپی گئی ہے جن کا معاشرے کی تعمیری اور معنوی تحریک میں بڑا حصہ ہوتا ہے تو وہاں عورت کی شخصیت کو اتنا گرایا کہ وہ محض نمائش، لوگوں کی جنسی خواہشات کو پورا کرنے اور سامراجی افکار کی تبلیغ کا ذریعہ بنی رہے۔ عورتوں کے ساتھ اتنی بڑی خیانت ہے جو معاف نہیں کی جا سکتی۔

۱۹۷۷ء کے موسم گرما میں شاہ معدوم کی بیوی فرح پہلوی کے حکم اور براہ راست اس کی سرپرستی میں شیراز میں ایک "جشن ہنر" منایا گیا اور اس میں بدترین جنسی اعمال "آرٹ" کے نام پر حیرت زدہ مسلمان عوام کی آنکھوں کے سامنے انجام دئے گئے۔ اس طرح کے بدترین اور انسانیت سوز اعمال صرف عورت کی انسانی شرافت کے ساتھ خیانت ہی نہیں بلکہ انسان کو تکامل کی راہ سے بھی منحرف کرنا ہے۔ یہ ان بڑی جنایتوں کا ایک حصہ ہے جو سامراجیوں نے ایران کے اسلامی معاشرے کے ساتھ کی ہیں جن کی راہ ہموار کرنے والی وہی وابستہ اور سامراجی ثقافت تھی۔

ایران کا تعلیمی نظام جس سے ثقافت کا دوسرا شعبہ تشکیل پاتا ہے کلیۃً مغرب سے وابستہ تھا، یونیورسٹیوں اور تمام تعلیمی مرکزوں پر پوری طرح سامراجی سسٹم کی حکمرانی تھی۔ یونیورسٹیوں کی

درسی کتابوں کے مضامین مغرب سے اقتباس کئے جاتے تھے۔ حد تو یہ ہے کہ یونیورسٹیوں کے معلمین اور اساتذہ اکثر یورپ یا امریکہ سے بلائے جاتے تھے۔ انسانی خصوصاً اخلاقی علوم اپنی قدر قیمت سے بالکل ہاتھ دھو بیٹھے تھے یونیورسٹیوں میں علوم انسانی کے شعبے میں جو مضامین پڑھائے جاتے تھے وہ مغرب سے اقتباس شدہ ہوتے تھے۔ "وزارت فرہنگ و ہنر" اور اس سے متعلقہ یونیورسٹیوں کا کام ضد انسانی اور سامراجی اقدار کو رواج دیکر انسانیت کو مسخ اور عورت کی شخصیت کو بے وقعت بنانے کے علاوہ کوئی اور کام نہ تھا۔ نام نہاد ثقافتی ادارے اور آرٹ کے مراکز عملی طور پر بدکاریوں کے اڈے بن چکے تھے سینما، ریڈیو، تھیٹر، ٹیلی ویژن یہاں تک نشریات و مطبوعات بھی سامراجی ثقافت کی ترویج و تبلیغ میں مصروف تھے اور اس بڑی خیانت کے لئے عوام کی گاڑھی کمائی کا بہت بڑا حصہ صرف کیا جاتا تھا۔ علم و دانش کو غیر اہم اور بے قدر و قیمت سمجھنے کا رواج زور پکڑ چکا تھا اس کا سبب بھی یہی تھا کہ ایرانی جوانوں کا علم و دانش سے بہرہ مند ہو جانا ہرگز سامراجیوں کے لئے مفید نہ تھا اس لئے کہ اس صورت میں سامراجی ممالک سے ماہرین بلانے کی ضرورت باقی نہ رہتی۔

غرب زدگی ایک متعدی مرض کی طرح ایرانی عوام میں سرایت کر چکی تھی، جو لوگ یورپی یا امریکی یونیورسٹیوں سے ڈگریاں حاصل کر کے آتے تھے سماج میں ان کو بڑی عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا چاہے ان کی عملی صلاحیت و استعداد ایران کی یونیورسٹیوں میں پڑھے ہوئے لوگوں کے مقابلہ میں کم ہی کیوں نہ ہوتی۔ مغربی ممالک کا سفر کرنا اور وہاں سے چند کلمے انگریزی یا فرانسیسی کے یاد کر لینا اور انھیں اپنی روزمرہ کی گفتگو میں ملا جلا کر استعمال کرنا بڑی اہمیت رکھتا تھا پہننا اوڑھنا، کھانا پینا، چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا، بننا سنورنا یہاں تک کہ مغرب کی تقلید میں بچوں، سڑکوں اور گلی کوچوں کا مغربی طرز کے نام رکھنا بڑی تیزی کے ساتھ ایک عادت کے طور پر ایرانی عوام میں رواج پا چکا تھا۔ درباری اور نام نہاد اشراف کے گھرانوں کی عورتیں آرائش اور لباس کے لئے یورپ اور امریکہ کا سفر کرتی تھیں یا آرائش اور میکپ کرنے والے

ماہرین اور مخصوص درزی دوسرے ملکوں سے ایران بلائے جاتے تھے۔ یہ سب ایسے حالات میں ہوتا تھا
جبکہ ایرانی عوام کی اکثریت بالکل ابتدائی وسائل زندگی سے بھی محروم تھی اور بہت سے لوگ
اپنے بچوں کو بھک مری کا شکار ہو کر مرتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

پہلوی حکومت کے دور میں ثقافتی وابستگی اتنی ہمہ گیر اور وسیع تھی کہ عوامی زندگی کے تمام
شعبوں پر چھائی ہوئی تھی۔ ماضی میں علم طب اور دواسازی کے میدان میں ایران کے مسلم اطباء و
حکماء جیسے بوعلی سینا اور رازی وغیرہ نے بڑے کار ہائے نمایاں انجام دئے تھے۔ ایرانی مسلمانوں
کو یہ روایتی اور گرانبہا طبی سرمایہ بزرگوں سے میراث میں ملا تھا۔ سامراجیوں نے نصف صدی سے
ایرانی ثقافت کو اس قدر وابستہ کرنے کی کوشش کی کہ ایرانی عوام اپنی قومی اور روایتی طب
سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے اور اس میدان میں بھی وہ مغرب کے دست نگر اور اس سے وابستہ ہو گئے
اب معمولی سے معمولی دوائیں اور علاج کے سامان یورپ اور امریکہ سے آنے لگے اور معمولی
سے معمولی مرض کے علاج کے لئے یورپ یا امریکہ کا سفر ہو رہا تھا۔

سب سے زیادہ خطرناک اور اہم چیز فکری وابستگی تھی جس کے لئے پہلوی حکومت نے جان توڑ
کوشش کی۔ اصولاً اس فکری اور ثقافتی وابستگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایرانی جوان ہر میدان میں اپنی
فکری صلاحیت کھو بیٹھے اور لحظہ بہ لحظہ معاشرہ سامراج کی فکری ایجادات کو کام میں لانے کا
عادی ہوتا چلا گیا اور رفتہ رفتہ اسلامی ثقافت سے دور ہوتا ہوا اخلاقی گراوٹ کا شکار ہوتا گیا۔

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، قدرتی بات ہے کہ ایسے حالات میں تحریک اور انقلاب لانے کیلئے
عوامی محرکات میں سے ایک چیز یہ بھی تھی کہ عوام اپنے کو ثقافتی وابستگی سے نجات دلا کر اسلامی
ثقافت قائم کریں۔ یہ نکتہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ہر انقلاب کی بنیاد کو ثقافتی مسائل ہی استوار
کرتے ہیں اس لئے اس محرک کو انقلاب اسلامی کے اصلی محرک یعنی اسلامی حکومت کے قیام سے
جدا نہیں کیا جا سکتا۔

اقتصادی وابستگی

اقتصادی وابستگی کا مسئلہ ہو سکتا ہے کہ ایسے ممالک کے عوام کے لئے زیادہ قابل بحث نہ ہو جو قدرتی ذخائر و دولت نہیں رکھتے۔ مگر ایران ایک ایسا ملک ہے جو قدرتی ذخائر اور دولت سے مالا مال ہے۔ اگر ایرانی عوام کسی ایسے دین کے پیرو ہوتے جس میں اقتصادی سسٹم کا فقدان ہوتا تو شاید ان کے لئے مشرقی بلاک یا مغربی بلاک سے یا دونوں بلاکوں سے اقتصادی وابستگی اتنی زیادہ گراں نہ گذرتی۔ مگر اہم چیز تو یہی ہے کہ ایک طرف تو ایران میں قدرتی ذخائر اور مال و دولت فراوانی کے ساتھ موجود ہیں اور دوسری طرف ایرانی عوام کا دین اسلام ہے جو اپنی تعلیمات کی روشنی میں ایسا عادلانہ اقتصادی سسٹم رکھتا ہے جو دنیا کے موجودہ اقتصادی سسٹم سے بہت بہتر ہے۔ اس کے باوجود بھی پہلوی دور حکومت میں ایران اقتصادی طور پر دنیا کے خونخواروں سے بری طرح وابستہ تھا۔ اس اقتصادی وابستگی کی وجہ یہ تھی۔ پہلوی حکومت کو اس کی سلامتی اور تحفظ کے لئے سامراجیوں کی طرف سے یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ وہ اسلام کے اقتصادی سسٹم کو ختم کر کے سرمایہ دارانہ نظام کو رائج کرے، وہ بھی اس بری شکل میں کہ اس کی صنعت مونتاژ ہو اور اس کی تمام چیزیں برآمداتی، جبکہ زراعت تجارت اور صنعت و حرفت غرض ہر میدان میں پیداوار اور کام کرنے کے امکانات ایران میں موجود تھے۔ پہلوی حکومت کی یہ کوشش تھی کہ غذائی اشیاء باہر سے لائی جائیں۔ کھیتی باڑی کا کام کرنے والوں کو شہر میں بسنے کی ترغیب دلائی جاتی تھی تاکہ ان شعبوں میں کام کرنے اور پیداوار پیدا کرنے کی صلاحیت لوگوں میں بالکل ہی ختم ہو جائے۔ اس کے نتیجے میں جو لوگ حکومت کے سامراجی پروگرام کے ماتحت دیہاتوں کو چھوڑ کر صنعتی شہروں میں کام کی امید لے کر آتے تھے تو ان کو مجبوراً یا ان کارخانوں میں کام کرنا پڑتا جو پورے طور پر سامراجی ممالک سے وابستہ تھے جہاں پرزے سب کے سب باہر سے آتے اور فٹنگ کر کے ان سے سامان تیار کئے جاتے یا وہ لوگ سڑکوں کے کنارے فضول کاموں میں مثلاً معمے کے حل وغیرہ بیچنے میں مشغول رہتے یا پھر اپنی ضرورتوں کو پورا

کرنے کے لئے چوری دوسرے ذلیل حرکات کرتے۔

اس بری حالت کا نتیجہ یہ تھا کہ ۱۹۷۶ء میں ملک میں غذائی پیداوار صرف اتنی رہ گئی تھی جو محض ایک ماہ کے لئے کافی ہوتی اور بقیہ گیارہ مہینے کے لئے باہر سے چیزیں منگائی جاتی تھیں یہ کچھ اس وقت ہو رہا تھا جب حکومت روزانہ ٦٠ لاکھ بیرل تیل نکالتی تھی اور اس سے حاصل ہونے والی رقم کو صرف درباری اخراجات اور اسلام کو مٹانے کے لئے سامراجی پروگراموں پر صرف کی جاتی تھی اسی رقم سے ساواک (سازمانِ اطلاعات و امنیت) کو تقویت پہنچائی جاتی تھی تاکہ حکومت کے مخالف افراد کی خاطر خواہ سرکوبی کی جا سکے۔ عوام کا کہنا یہ تھا کہ تیل سے حاصل ہونے والی آمدنی زراعت، لون اور سبسڈی کو فروغ دینے کے لئے کیوں نہیں استعمال کی جاتی؟ ایران کے بڑے بیابانوں کو کاشت کے قابل بنانے کی حکومت کیوں کوشش نہیں کرتی؟ آباد علاقے کیوں ویرانوں میں تبدیل ہوتے جا رہے ہیں؟ کیوں نہیں ایسے کارخانے کھولے جاتے جن میں خود مستقل طور پر سامان تیار ہو سکے اس کے بجائے کیوں MONTAGE صنعتوں کو فروغ دیا جا رہا ہے۔

کیا یہ سب اس لئے نہیں ہو رہا ہے کہ ہماری تمام صنعتیں اور ہمارے اقتصادیات و معاشیات کی تمام رگیں غیروں کے ہاتھوں میں رہیں تاکہ وہ جس وقت چاہیں انھیں کاٹ دیں اور پھر ہمیشہ کے لئے ہم ان کے رحم و کرم کے بھکاری بن کر سیاسی حیثیت سے ان کے تابع و فرمانبردار ہو جائیں؟ اس کے علاوہ کیا ہم ہمیشہ تیل ہی پر تکیہ کئے بیٹھے رہیں گے اور کسی ایسے وسیلہ اور ذریعہ کی تلاش و جستجو نہیں کریں گے کہ اگر تیل کے ذخائر کبھی ختم ہو جائیں تو اسے اپنا سہارا بنا سکیں؟

ان سوالات کے جواب میں عوام نے یہ دیکھا کہ روز بروز تیل نکالنے کی مقدار میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور اس کی آمدنی تمام تر حکومت کے ایجنٹوں کی عیاشیوں پر صرف ہو رہی ہے اور مختلف پہلوں سے وابستگی بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے اور دوسری طرف زراعت، کاشت کاری، لون، سبسڈی اور ملک کی صنعت زوال پذیر ہوتی جا رہی ہے۔ اقتصادی ناانصافی روز بروز بڑھتی جا رہی ہے،

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے حکومت سے وابستہ طبقہ جس نے عوام کے تلاش اور محروم طبقے سے جو مال و دولت لوٹ کھسوٹ کر حاصل کی ہے تو اس کے خرچ کرنے کے لئے اسے سوچنا پڑتا ہے کہ اسے کہاں اور کیوں کر صرف کرے۔ شاہ نے اپنی تاج پوشی کی رسم کے موقع پر مہمانوں کی ضیافت کا سامان باہر ملکوں سے منگوایا اور اس تقریب کے لئے پھول تک ہالینڈ سے منگائے گئے جن کے لانے کے لئے عوام کی گاڑھی کمائی کے ہزاروں روپئے صرف ہوائی جہاز کے کرایہ پر صرف ہوئے اور کروڑوں روپئے صرف کر کے اس ڈھائی ہزار سالہ شہنشاہی سلطنت کا مضحکہ خیز جشن منایا گیا، جس نے ہمیشہ اس سرزمین پر عوام کا خون چوسا تھا۔ اس جشن میں ہر شب لاکھوں روپئے صرف کر کے درباریوں کے لئے عیاشی کی محفلیں جمائی گئیں اور قمار بازی، شراب نوشی اور دوسری قسم کی بدکاریوں پر محروم عوام کی دولت کو پانی کی طرح بہایا گیا۔ ایک طرف تو عیاشیوں اور رنگ رلیوں کے لئے اس بے دردی سے دولت لٹائی جا رہی تھی اور دوسری طرف محروم اور غریب عوام فقر و فاقہ سے مجبور ہو کر جنگل کی گھاس پات پر زندگی گذار رہے تھے۔ جس جگہ یہ خیانت آمیز شہنشاہی جشن منایا گیا اس سے تھوڑی ہی دور پر شیراز کے بیابانوں میں بہت سے معصوم بچے غذا اور زندگی گذارنے کے معمولی اور ابتدائی وسائل نہ ہونے کی وجہ سے دم توڑ رہے تھے۔

پہلوی حکومت کو ختم کر کے ایران میں جمہوری اسلامی قائم کرنے کے محرکات میں ایک عوامی محرک یہ بھی تھا کہ عوام اقتصادی وابستگی اور بے انصافی کی مصیبت سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے تھے اور تیل، گیس، لوہا، کوئلہ، پتھر اور دوسرے قدرتی ذخائر سے فائدہ اٹھا کر انسانی قوت کو کام میں لانا چاہتے تھے وہ چاہتے تھے کہ سولہ لاکھ سے زیادہ مربع کلومیٹر زمین کو کار آمد بنا کر اقتصادی آزادی و استقلال حاصل کیا جائے جو اسلامی تعلیمات کے مطابق ہو۔ کیپٹل ازم اور سوشل ازم دونوں سے ہٹ کر ایک تیسری راہ اختیار کی جائے یعنی نہ تو دولت افراد کے ہاتھوں میں منجمد رہے اور نہ ہی کسی خاص گروہ یا طبقے کے ہاتھوں میں۔ اسلام کے اقتصادی سسٹم میں دولت عادلانہ

طور پر عوام کے ہاتھوں میں پہنچتی ہے۔ دنیا کا موجودہ اقتصادی سسٹم جن بیماریوں کا شکار ہے یہ سب کیپٹل ازم اور سوشلزم کے اقتصادی سسٹم کے غلط فارمولے کا نتیجہ ہے۔ اسلام کے اقتصادی سسٹم میں ہرگز اس طرح کی بیماریاں نہیں ملیں گی۔

فوجی وابستگی

پہلوی دورِ حکومت میں تیل کی آمدنی کا بڑا حصہ امریکہ، یورپی ممالک اور اسرائیل سے اسلحہ کی خریداری پر صرف ہوتا تھا، اگرچہ ایران کے استقلال و آزادی کے دفاع کے لئے ایک مرتبہ بھی ان اسلحوں کا استعمال نہیں ہوا۔ ان اسلحوں کی حفاظت اور ان امریکی فوجی ماہرین، جن کے قبضۂ اختیار میں ایرانی فوجیں تھیں، انھیں بڑی بڑی تنخواہیں دی جاتیں اور اس خرچ کا سنگین بوجھ عوام پر ڈالا جاتا تھا۔ اور یہ اس صورت میں تھا کہ امریکی فوج، روس کے مقابلے میں ایران کو ایک چھاؤنی کے طور پر استعمال کر رہی تھی۔ چاہئے تو یہ تھا کہ اس کے بدلے امریکہ ایران کو کچھ دیتا مگر اس کے برعکس امریکہ خود اپنے فوجیوں کے لئے لمبی لمبی تنخواہیں ایران سے وصول کرتا تھا اس کے علاوہ ایرانی فوج کے تمام اسلحے ہمیشہ اسرائیل کے ہاتھوں میں رہتے تاکہ اسرائیل اسلامی ممالک سے جنگ کے موقع پر ان سے فائدہ اٹھا سکے۔ ۱۹۶۷ء اور ۱۹۷۳ء کی عرب اسرائیل جنگ میں اسرائیلی طیارے ایرانی ہوائی اڈوں سے داغے گئے، انہوں نے ایران سے اسلحے حاصل کئے اور ایرانی فوج اس طرح اسرائیل کے اختیار میں تھی کہ بین الاقوامی صہیونزم اور امریکہ کے لئے اس سے ہر طرح کا تعاون حاصل کیا جاتا تھا۔

سب سے اہم بات یہ تھی کہ ایرانی فوج اپنی اعلی لیاقت اور مہارت میں امریکی فوج سے کسی طرح کم نہ تھی بلکہ بعض چیزوں میں ایرانی فوج کی صلاحیت و لیاقت امریکی فوج سے بڑھ چڑھ کر تھی اس کے باوجود ایرانی فوج ہمیشہ امریکی فوج کی نگرانی میں کام کرنے پر مجبور تھی اور پوری طرح اس سے وابستہ تھی اور اسے کسی طرح کی بھی آزادی فکر و نظر میسر نہ تھی۔ ہمارے غیور فوجیوں کے لئے یہ بڑے ننگ و عار کی بات تھی۔ ایک ایرانی افسر اپنی لیاقت و مہارت کے باوجود ایک معمولی لیاقت

والے امریکی فوجی کے زیر فرمان ہوتا اور اسے جو تنخواہ اور مراعات ملتیں اسے ایرانی افسر محروم رہتا۔ یہ چیز صرف عوام پر گراں نہ تھی بلکہ ہمارے فوجیوں کے لئے بھی ناقابل برداشت تھی۔

ایران کے اسلامی انقلاب کے محرکات میں ایک عوامی محرک فوجی وابستگی سے رہائی بھی تھا، ایرانی عوام چاہتے تھے کہ فوجی وابستگی ختم ہو۔ ہماری خود ایک مستقل اور آزاد فوج ہو تاکہ ملک کی آزادی اور استقلال کے دفاع کے ساتھ ساتھ اپنے مسلمان بھائیوں کے شانہ بہ شانہ اسرائیلی لٹیروں کے مقابلہ میں جنگ کر سکے اور ہر جگہ محروموں کی مدد اور دنیا کے خونخواروں کے اقتدار کو ختم کرنے کے لئے وارد عمل ہو سکے جو فوج امریکہ کی خدمت گذار ہو وہ کبھی بھی اپنے عوام اور اسلامی و انسانی مقاصد کے حصول کے لئے کام نہیں کر سکتی۔

سیاسی وابستگی

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مسلمان غیر مسلم اقوام اور غیر اسلامی ممالک سے دوستانہ روابط رکھ سکتے ہیں مگر وہ دوستانہ روابط کو برقرار رکھنے کے لئے کسی قسم کا دباؤ نہیں قبول کر سکتے۔ ایک اسلامی حکومت کسی ایسی حکومت کے ساتھ جو کمزور قوموں پر ظلم وستم روا جانتی ہے اور ان کے حقوق پامال کرتی ہے تو ایسی حکومت کے ساتھ وہ دوستانہ تعلقات نہیں رکھ سکتی۔

پہلوی دور حکومت میں یہ اصول کبھی دیکھنے میں نہیں آیا بلکہ اس کے برخلاف پہلوی بادشاہوں کی ہمیشہ جد وجہد اور کوشش یہی رہی کہ سامراجیوں کا دست ظلم وستم ایرانی قوم اور دوسری قوموں پر دراز ہی ہوتا چلا جائے۔ سنہ ۱۳۹۹ھ ش (۱۹۲۰ء) میں برطانیہ کی مداخلت سے ایران میں پہلوی حکومت کا سلسلہ شروع ہوا اور شہریور سنہ ۲۰ ۱۳ھ ش (۱۹۴۱ء) میں براہ راست برطانیہ ہی کی مداخلت سے رضا خان کی جگہ اس کے بیٹے محمد رضا کو لایا گیا۔ محمد رضا کو باقی رکھنے کے لئے ۲۸ مرداد کو برطانیہ کی مدد اور امریکہ کی خواہش پر امریکہ کی فوجی بغاوت ہوئی اس لئے اصولی طور پر ان کی پہلوی حکومت سو فیصد پٹھو حکومت تھی۔ ۱۹۷۵ء کے اواخر میں شاہ

خود اپنی تقریروں میں اس کا اعتراف کرچکا ہے کہ اس کی سلطنت کے زمانے میں وہ نمائندے جو انتخابات کے ذریعہ پارلیمنٹ میں آنا چاہتے تھے ان کے نام تہران میں بڑے ممالک کے سفارتخانوں سے اسے دیئے جاتے تھے۔

یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ پارلیمنٹ ملک کی جنرل پالیسی کے متعلق فیصلہ کرنے کا مرکز ہوتی ہے، خواہ داخلی سیاست ہو یا خارجی سیاست۔ جب پارلیمنٹ کے نمائندے ہی سامراجی حکومتوں کے سفارتخانوں کی صلاح ومشورے سے منتخب ہوں گے تو فطری طور پر ایسے نمائندے انھیں حکومتوں کے مفادات کا بھی تحفظ کریں گے نہ کہ ملت ایران کے مفادات کا۔ نتیجے میں ایران کی خارجی اور داخلی پالیسی کا ڈھرا وہی ہوتا جو سامراجی حکومتیں اور ان کا ایجنٹ شاہ معدوم چاہتا۔"

پہلوی دور حکومت میں ہزاروں ایسی سامراجی تجویزیں مشرق ومغرب کے جہانخواروں کی طرف سے ایران پر تھونپ دی گئیں، جن کی رو سے ایران کی معادن اور دیگر خداداد طبیعی سرمایہ اغیار کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ زراعت وصنعت تباہ وبرباد ہوکر ختم ہوگئی اور ایران اقتصادی، ثقافتی اور فوجی حیثیت سے کلی طور پر سامراجیوں خصوصاً امریکہ سے وابستہ ہوگیا۔ ۱۹۶۳ء میں "کیپیچولیشن" نام کا شرمناک قانون مجلس نے پاس کروایا۔ یہ تجویز بھی سامراجی تجاویز کا ایک نمونہ تھی اور امریکہ سے ایران کی سیاسی وابستگی کا بین ثبوت تھی، امام خمینی نے اسی قرارداد پر سخت اعتراض کیا تھا جس کے نتیجے میں آپ کو سی۔آئی۔اے کے حکم پر ساواک نے گرفتار کرکے ترکیہ جلاوطن کردیا تھا۔ اس قرارداد اور تجویز کی رو سے ایران میں تمام امریکی باشندے ہر جرم کرنے کے لئے آزاد ہوگئے تھے۔ ان کے خلاف قانونی چارہ جوئی صرف امریکہ کی عدالت میں کی جاسکتی تھی۔

ان سب چیزوں کے علاوہ امریکہ سے پہلوی حکومت کی سیاسی وابستگی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ امریکہ کے ہی حکم وایما پر ایران کے اسرائیل اور جنوبی افریقہ سے بہترین

روابط تھے حالانکہ ایرانی عوام فلسطین کے مسلمانوں کے ساتھ دلی ہمدردی رکھتے تھے اور اسرائیل کی غاصب اور ناجائز حکومت سے بڑی شدت سے متنفر تھے۔ شاہ کی حکومت نے اپنے تمام وسائل اور امکانات کے ذریعہ صہیونزم کی حمایت کی یہ تمام امکانات ایرانی عوام ہی کی گاڑھی کمائی کا نتیجہ تھے جو ان کی مرضی کے خلاف کام میں لائے جا رہے تھے۔

اسرائیل کے علاوہ رہوڈیشیا کی نسل پرست حکومت جنوبی افریقہ کی غاصب اور سامراجی حکومت اور فلپائن کی وابستہ مارکوس حکومت غرض دنیا کی سبھی وابستہ اور رجعت پسند حکومتوں کے ساتھ شاہ کی حکومت کے بڑے اچھے روابط تھے، ایران ان کے ہاتھ تیل فروخت کرتا، ان کی مالی امداد کرتا اور سیاسی حیثیت سے ہمیشہ ان کی تائید کرتا، نیز محروم اقوام کے ساتھ کی جانے والی اکثر سازشوں میں ایران شریک ہوتا۔

پہلوی حکومت امریکہ سے کامل طور پر وابستہ ہونے کے باوجود اپنے ہمسایہ ملک "روس" کو راضی رکھنے کے لئے ایران کی عوامی دولت کا کچھ حصہ اس کو دے رکھا تھا اور اس سے کچھ سامراجی معاہدے بھی کر رکھے تھے۔ شاہ خائن نے ایک طرف تو امریکہ اور اس سے وابستہ مغربی ممالک کو ایران کی عظیم دولت "تیل" کو لوٹنے کی اجازت دے رکھی تھی تو دوسری طرف روس اور اس کے دوست ممالک کو "گیس" سے فائدہ اٹھانے کی، اس طرح اس نے کھلی چھوٹ دے رکھی تھی کہ مغربی ممالک کی طرح مشرق کے بڑے ممالک بھی جس قدر جلد ممکن ہو صنعت و حرفت تجارت و زراعت غرض ہر میدان میں ایران کو وابستہ بنانے میں عملی طور پر شریک ہو جائیں۔

ملک کے اندر شاہ کی پروپیگنڈہ مشینری کی کوشش یہ تھی کہ یہ وابستگی ظاہر نہ ہونے پائے چنانچہ پروپیگنڈہ یہ کیا جاتا تھا کہ چونکہ شاہ کی حکومت طاقت و استقلال و آزادی رکھتی ہے اس لئے وہ مشرق و مغرب سے عادلانہ روابط رکھنا

چاہتی ہے۔[۲]

ملک میں جو سکون اور ٹھہراؤ پایا جاتا تھا اور جو در اصل مشرق و مغرب کے دونوں بلاکوں میں ملک کی دولت و استقلال کی تقسیم کا نتیجہ تھا۔ مگر شاہ کے پروپیگنڈہ بھونپو اسے شاہ کا ایک معجزہ بنا کر پیش کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ایران کو "جزیرۂ ثبات" کا لقب دیکر عوام کے ذہنوں میں زبردستی ثبات و استقلال کے غلط معنی و مفہوم کو بٹھلانے کی کوشش کی جاتی تھی۔ حالانکہ سامراجیوں کے نقطۂ نظر سے شاہ کے زمانہ میں ایران ایک ایسا جزیرۂ ثبات تھا جہاں سامراجی خونخوار آسانی کے ساتھ لوٹ کھسوٹ کر سکتے تھے اور نہ صرف یہ کہ شاہ نے ان کے لئے ہر طرح کی سہولتیں فراہم کر رکھی تھیں بلکہ اس پر علاقے میں سامراجی مفادات کے تحفظ کی جو ذمہ داری تھی، اسے بھی بڑی خوبی سے انجام دیا اور شاہ کے سامراجی آقاؤں نے اس کے صلہ میں اس کو "ژاندارم خلیج" (خلیج فارس کے محافظ) کے لقب سے نوازا۔ ظاہر ہے کہ یہ "جزیرۂ ثبات" جس کا سکون اور ٹھہراؤ ایرانی عوام کے نقطہ نظر سے ایک ایسا سکون اور ٹھہراؤ تھا، جس کا ہونا "طوفان" سے پہلے ناگزیر تھا ایسا طوفان جو ایران کے مسلمان عوام کی آزادی و استقلال کی فریاد و فغاں سے بلند ہوا اور شاہ "ژاندارم" اور اس کے آقاؤں کو خلیج فارس میں متزلزل کر کے رکھدیا۔

---

[۱] چین سے پہلوی حکومت کے تعلقات محض امریکی پالیسی کی بنیاد پر تھے۔ امریکہ کے صدر نکسن کے دورۂ چین سے قبل چین کے ساتھ ایران کی بھی وہی پالیسی تھی جو امریکہ کی تھی۔ مگر جب نکسن نے چین کا دورہ کیا تو چین کے ساتھ ایران کے تعلقات بھی معمول پر آ گئے، یہاں تک کہ پہلوی حکومت نے امریکہ کی تقلید میں تائیوان کے سلسلہ میں بھی چین کے مفاد کے پیش نظر اپنے موقف میں تبدیلی کر دی۔ [۲] سامراجیوں اور تیل کے عالمی لٹیروں کے لئے خلیج فارس بڑی اہمیت کا حامل ہے سامراجیوں کے مفاد کے پیش نظر خائن شاہ نے اس علاقے کے تحفظ کے لئے اہم کردار ادا کیا ہے۔

آزادی کا فقدان اور گھٹن کا ماحول

یہ ایک فطری بات ہے کہ شاہ کی حکومت کے ان تمام جرائم اور خیانتوں پر ایران کے مسلمان عوام خاموش نہیں رہ سکتے تھے اور نہ ہی وہ اسلامی ثقافت کو مسخ ہوتے دیکھ سکتے تھے۔ وہ یہ قطعی برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ ان کا ملک ثقافتی، سیاسی، اقتصادی اور فوجی حیثیت سے دوسروں کا دست نگر بنا رہے اور وہ شاہ کی پٹھو حکومت پر کوئی اعتراض نہ کریں۔

پہلوی حکومت کے خلاف جدوجہد اور مبارزہ کا آغاز رضاخاں (پہلے پہلوی طاغوت) کے زمانہ میں ہوا تھا۔ خود امام خمینی نے بھی رضاخان کے استبدادی دور ہی میں اپنی جدو جہد شروع کی تھی اور انھوں نے رضاخان کے خلاف اپنی مشہور کتاب "کشف الاسرار" اسی دور میں لکھی تھی اور شائع کی تھی، گو امام خمینی، جیسا کہ انھوں نے اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے۔ رضاخان کو سلطنت کے لائق نہیں سمجھتے تھے اور شروع سے ہی اس کی سلطنت کی بساط الٹ دئیے جانے کے حق میں تھے لیکن اصولی طور پر ۱۵ ارخرداد ۱۳۴۲ھ ش کے قیام تک شہنشاہی پہلوی حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے میدان ہموار نہیں ہو پایا تھا۔ امام خمینی کی تحریک شروع ہونے سے پہلے تک شاہ کے خلاف جو بھی جدوجہد ہوئی وہ قانون اساسی کے دائرے تک ہی محدود رہی اور اس کا مقصد حکومت کو سرنگوں کرنا نہیں تھا بلکہ حکومت کو ملک میں رائج قوانین کا پابند کرنا تھا حتیٰ کہ یہ طرز فکر پہلوی حکومت کے زوال اور اسلامی انقلاب کی کامیابی کے لمحات تک بہت سے حریت پسندوں پر حاوی تھا۔ آج جبکہ اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد اس سیاست اور طرز فکر کی حقیقت تمام لوگوں پر روشن ہو چکی ہے تب بھی سابق بعض سیاستدان جو ایک زمانہ تک شاہی حکومت کے خلاف جد وجہد بھی کر چکے ہیں، اپنے دلی طرز فکر اور اعتقاد پر باقی ہیں، منجملہ انکی "نہضت آزادی ایران" کے ذمہ دار افراد جو انقلاب کی کامیابی کے بعد امام خمینی کے حکم سے ۹ مہینے تک

ملک پر حکومت بھی کر چکے ہیں اب بھی اپنے اعتقاد، طرز فکر اور اس سیاست سے دست بردار نہیں ہوئے ہیں کہ شاہ کو حکومت سے سلطنت کی طرف پلٹانا ہی جد و جہد کا مقصد تھا جیسا کہ انقلاب اسلامی سے پہلے بھی "نہضت آزادی" کے لیڈروں کا یہی عقیدہ تھا کہ جد و جہد آزاد انتخابات کے لئے ہونی چاہیئے اور شاہ کو "حکومت" کے لیے نہیں "سلطنت" کے لئے برقرار رکھنا چاہیئے۔ اس گروہ کے لیڈر مہدی بازرگان ۱۱ دسمبر ۱۹۷۹ء یعنی شاہی حکومت کے زوال کے تقریباً ایک سال بعد حامد الگار کو انٹرویو دیتے ہوئے کہتے ہیں:

"نہضت آزادی اور ہم سب لوگوں کا عقیدہ یہ تھا کہ انتخابات ایک الٰہی دستر خوان کے مانند ہیں۔ ہمارا خیال یہ تھا، شاہ کی حکومت اس وقت جب اس مرحلہ کو پہنچ چکی ہے کہ انتخابات میں آزادی دینے کے لئے کہتی ہے تو پھر اس سے بہتر کیا ہے؟ پہلا کام ہم یہ کریں گے کہ حکومت سے کہیں گے کہ اگر یہ کہنا صحیح ہے کہ انتخابات آزاد ہیں تو ہمیں سیاسی مرکز رکھنے کی اجازت ملنی چاہیئے۔ دو ہی صورت ہے اجازت ملے گی یا نہیں ملے گی۔ اگر اجازت ملتی ہے تو یہ سیاسی مرکز ایک ایسا ذریعہ ہوگا کہ ہم ایک جگہ جمع ہو سکیں۔ اور اگر ہمیں سیاسی مرکز رکھنے کی اجازت نہیں ملتی تو ہم حکومت کا دامن پکڑیں گے اور کہیں گے کہ تیرا کہنا غلط اور جھوٹ ہے۔ اور اگر سیاسی مرکز رکھنے کی اجازت مل جاتی ہے تو ہم کہیں گے بہت خوب یہ "آزادی انتخاب" ہے ہمیں کنڈیڈیٹ دینے کی بھی اجازت ہو جب ہم اپنے امیدوار کھڑے کریں گے، یقینی طور پر لوگ ملی پارٹی سے وابستہ امیدواروں کو ووٹ دیں گے۔ (ملی پارٹی سے مراد وہی مخالفین)۔ تب ہم امیدواروں کی اچھی طرح سے خبر لے سکتے ہیں۔ یا تو انتخابات

ہوئے اور مخالفین خواہ روحانی، ملی، نہضت آزادی اور خواہ فلاں و فلاں پارٹی کے ہوں ۔۔۔۔۔ دس بیس لوگ پارلیمنٹ میں جائیں گے یا نہیں، اگر نہیں گئے تو انھیں یہیں پر ذلیل و خوار کریں گے اور کہیں گے جناب کارٹر صاحب، جناب امریکہ آپ کا حقوق بشر جھوٹ ہے، ان سے کہیں گے آپ لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ انہیں ایک بہانہ مل گیا تھا، بہانہ یہ تھا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ ہم نے عوام کو آزادی دیدی ہے۔ اب اگر عوام کچھ نہیں کہتے تو ضرور وہ دنیا سے کہے گا کہ دیکھئے ہمارے عوام راضی ہیں انھیں آزادی حاصل ہے تبھی کچھ نہیں کہتے، لہذا ہیں محبوبیت رکھتا ہوں۔ اس وقت ہم اس کو رد کر سکتے تھے۔ اچھا موقع ہے مطبوعات میں اسی قدر آزادی کے ذریعہ انسان ہر طرح کی محاذ آرائی کرسکتا ہے۔ پھر یہ کہ مطبوعات، قضاوت اور عدالت کے معاملے میں آزادی دی بھی جاچکی تھی۔"

گذشتہ سطور میں آپ نے مہدی بازرگان کا انٹرویو ملاحظہ کیا یہی بات وہ ۱۹۷۸ء کے ابتدائی دنوں میں بھی پیرس میں امام خمینی سے کہہ چکے تھے یعنی جس وقت اسلامی انقلاب عروج پر تھا اور شہنشاہی حکومت کی سانس اکھڑ چکی تھی اور وہ ختم ہونے کے قریب تھی اور سبھی لوگوں پر یہ بات مسلم ہو چکی تھی کہ امام خمینی کا "طرز مبارزہ" اور جد وجہد شہنشاہی حکومت کو اکھاڑ پھینکنے پر مبنی بالکل صحیح اور درست ہے، شاہی حکومت قطعی طور پر زوال پذیر ہو کر رہے گی۔ پھر مہدی بازرگان اور ان کے دوسرے ہم خیال ساتھی

لے بحوالہ خصوصی شمارہ نشریہ انجمن اسلامی دانشجویان، امریکہ و کنیڈا، مورخہ ۱۲ بہمن ۱۳۵۶ھ شمسی

صرف ایک آزاد سیاسی مرکز اور پارلیمنٹ میں زیادہ سے زیادہ ۲۰ نمائندوں کی شمولیت پر قانع تھے۔ ان کا اعتقاد یہ تھا کہ اتنے ہی امتیازات و اختیارات مل جانے سے وہ نشریات و مطبوعات نیز عدالتی آزادی بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ اس گروہ کے مبارزہ اور جدوجہد کا یہی آخری ہدف اور نشانہ تھا اور حقیقت یہ ہے ۱۵ خرداد سنہ ۱۳۴۲ ھ ش (۵ جون سنہ ۱۹۶۳ء) کے قیام سے پہلے شاہ کی حکومت کے خلاف جدوجہد کرنے والوں کا یہی اصلی موقف تھا۔ ۱۵ خرداد کے قیام کے بعد بھی بائیں بازو کی اکثریت اس نظریئے اور موقف پر باقی رہی۔

۱۵ خرداد کے قیام کے بعد جیسا کہ ہم دوسری فصل میں بیان کریں گے، مذہبی طاقتوں نے اپنے مبارزہ اور جدوجہد کی بنیاد شہنشاہی حکومت کے خاتمہ پر رکھی اور امام خمینی جن کا موقف ہمیشہ شہنشاہی حکومت کا خاتمہ اور زوال تھا اپنی جلاوطنی کے طویل عرصے اور ۱۵ خرداد سنہ ۱۳۴۲ سے ۲۲ بہمن سنہ ۱۳۵۷ (۱۱ فروری سنہ ۱۹۷۹ء) تک کے زمانوں میں کھلم کھلا اپنی تقاریر و بیانات میں شہنشاہی حکومت اور پہلوی خاندان کے مٹنے کا مطالبہ کرتے رہے۔ یہاں پر جو اہم بات ہم بیان کرنا چاہتے ہیں وہ یہ کہ شاہ کی خفیہ پولیس "ساواک" کے افسران نہ صرف ان افراد کو جو شاہی حکومت کا تختہ الٹ دیئے جانے کے خواہاں تھے، سختی کے ساتھ کچل دیا کرتے تھے اور قیدخانوں میں شکنجہ دے کر ہلاک کر دیا کرتے تھے بلکہ "نہضت آزادی" اور دوسری قومی تحریکوں اور پارٹیوں کو بھی جو شاہی حکومت کے مجوزہ قوانین کے دائرے میں رہ کر ہی جدوجہد کرتی تھیں ان کے ساتھ بھی بڑی خشونت اور سختی سے پیش آتے تھے۔

شاہ معدوم کی حکومت کے زمانے میں خصوصاً ۲۸ مرداد سنہ ۱۳۳۲ (۱۹ اگست سنہ ۱۹۵۳ء) کی فوجی بغاوت کے بعد سنسر، تشدد اور گھٹن اتنی زیادہ بڑھ گئی کہ کسی قسم کی سیاسی فعالیت کا قطعی کوئی امکان نہ تھا چاہے شاہ کے مجوزہ قوانین کے دائرے میں ہی رہ کر کیوں نہ ہو۔ حکومت کے خلاف آواز اٹھانے والوں کو بری طرح کچل دیا جاتا تھا۔ امام خمینی کی کتاب رسالہ عملیہ

تصویر، کوئی تحریر یا تقریر کا کیسٹ رکھنا سختی سے ممنوع قرار دیدیا گیا تھا۔ اگر کسی شخص کے پاس اس قسم کی کوئی چیز مل جاتی تو اسے پھانسی دیدی جاتی یا لمبی مدت کے لئے قید با مشقت میں ڈال دیا جاتا تھا۔ سنہ ۱۹۶۳ء سے سنہ ۱۹۷۸ء تک کے عرصہ میں مختلف طبقے کے ہزاروں افراد کو تقریر کرنے، کتاب لکھنے، حریت پسند گروہ بنانے یا امام خمینی کے بیانات اور تقاریر، رسالۂ عملیہ یا کتاب یا تصویر ہمراہ رکھنے یا بانٹنے یا شاہی حکومت کی خیانتوں کے خلاف دوسرے اقدامات کے جرم میں ساواک کے ذریعہ قیدخانوں میں شکنجہ دیکر بڑی بیدردی سے شہید کرڈالا گیا۔ شاہی ایجنٹوں نے بہت سے مجاہدین و مبارزین کو نذر آتش کردیا۔ بہتوں کو آروں سے چیر ڈالا۔ بہت سے اسلامی مفکرین نے اپنی عمر کا زیادہ حصہ جیلوں میں گذارا، یونیورسٹی اور حوزہ کے بہت سے طلباء، تاجر پیشہ افراد، مزدوروں اور کاریگروں نے شاہ کی جیلوں میں جان دیدی یا ناقص العضو ہوگئے۔ ساواک کے افسران انقلابیوں سے اعتراف کرانے اور راز معلوم کرنے کے لئے انھیں مختلف قسم کی سخت جسمانی اذیتیں پہنچانے کے ساتھ ساتھ روحانی اذیتیں پہنچاتے تھے منجملہ ان کی روحانی ایذارسانی کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ انقلابی قیدی کی بیوی، بیٹی یا بہن کو پکڑ کر جیل میں لاتے تھے اور اس قیدی کو ڈراتے دھمکاتے تھے کہ اگر اس نے اپنے راز کو نہیں بتایا تو اس کی آنکھوں کے سامنے ہی اخلاق سوز عمل انجام دیا جائیگا۔ ساواک ہر جگہ رخنہ انداز تھی اور گھسی ہوئی تھی ہزاروں کی تعداد میں اس کے ملازمین تھے جنھیں عوام کی گاڑھی کمائی سے بڑی بڑی تنخواہیں دی جاتی تھیں، ان کے لئے تمام عیش عشرت کے سامان فراہم تھے تاکہ وہ شاہ خائن کی پورے دل وجان سے خدمت کرسکیں۔ یہ لوگ یونیورسٹیوں، کارخانوں، سرکاری محکموں، مسجدوں، عام مقامات، مدارس، سڑکوں حتیٰ کہ علماء اور خانوادوں میں اس طرح پھیلے ہوئے تھے کہ لوگ ایک دوسرے پر اعتماد کرتے ہوئے اور اپنی بات کہتے ہوئے ڈرتے تھے۔

ایسے پر آشوب اور پیچیدہ حالات میں ایران کی بہادر اور مسلمان قوم نے امام خمینی مدظلہ العالی کی قیادت میں قیام کیا اور اپنے تن من دھن کی بازی لگا کر بے پناہ ایثار و فداکاری کے ساتھ ساٹھ ہزار سے زائد شہداء اور کم و بیش ایک لاکھ مجروحین کی قربانی دیکر شاہ کی فاشسٹ حکومت کا تختہ پلٹ دیا اور سامراجیوں کی "سیا" (CIA) اور "موساد" جیسی جاسوسی تنظیموں کی سازشوں کو ناکام بنا کر ظلم و ستم کی بنیاد پر قائم ڈھائی ہزار سالہ شہنشاہی سلسلہ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور "جمہوری اسلامی" کا مقدس نظام قائم کر دیا جو بات ایران کی دیرینہ آرزو تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس اسلامی انقلاب کا عوامی محرک فقط حکومت اسلامی کا قیام تھا تاکہ قوم ثقافتی، سیاسی، فوجی، اقتصادی اور سماجی آزادی و استقلال کو ایسی حکومت کے زیر سایہ حاصل کر سکے جو اسلامی تعلیمات کی بنیاد پر قائم ہو۔

انقلاب کی کامیابی

- رفتار و کردار میں انقلاب۔
- انقلابی طاقتیں۔
- دو تحریکیں۔
- انقلاب ساز تحریک۔
- ایک ناکام سازش۔
- انقلابی طاقتوں کا مجموعہ۔
- انقلاب کی قیادت۔
- لحظہ موعود۔

رفتار و کردار میں انقلاب

آج کی دنیا میں ہر کام کے لئے کچھ طور طریقے پائے جاتے ہیں یہ طور طریقے یا تو تجربے سے حاصل کئے گئے ہیں یا علمی بنیاد پر بنائے گئے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر کام کا نتیجہ اگر ان اصولوں اور طریقوں سے مطابقت رکھتا ہوگا تو وہ زیادہ کامیاب ہوگا اور بہت ہی کم مدت میں اس کی ضرورت کا احساس ہونے لگے گا۔ یہ عام قانون "انقلاب" پر بھی لاگو ہوتا ہے اور کوئی بھی انقلاب اس قانون سے مستثنیٰ نہیں ہے بلکہ عموماً ہر انقلاب اپنے ہمراہ کچھ ایسے نئے معیاروں کو بھی لاتا ہے جو موجودہ طور طریقے کو کامل تر بنانے میں مدد کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ایران کا "اسلامی انقلاب" جس نے روش و رفتار اور عادات و اطوار میں بھی انقلاب برپا کیا ہے۔ انبیاء کرامؑ مثلاً حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت پیغمبر اسلامؐ کے لائے ہوئے انقلاب کو چھوڑ کر دنیا میں جتنے بھی انقلاب آئے ہیں۔ ان کا مقابلہ ایران کے اسلامی انقلاب سے نہیں کیا جا سکتا۔

دنیا کا ہر انقلاب یا تو اسلحوں اور ہتھیاروں کے بل بوتے پر آیا ہے یا دنیا کی بڑی طاقتوں کے سہارے پر۔ خصوصاً پچھلی صدیوں میں آنے والا کوئی انقلاب بھی مذکورہ دونوں صورتوں سے خالی نہیں ہے۔ چھوٹے ممالک جب دنیا کی کسی بڑی طاقت کے خلاف انقلاب برپا کرنا چاہتے ہیں تو وہ عموماً کسی ایسی بڑی طاقت کا سہارا لیتے ہیں جو اس طاقت کی دشمن ہوتی ہے۔ بڑے ممالک یعنی سپر طاقتوں نے ہتھیاروں کے زور پر انقلاب برپا کیا ہے ان کے پاس فوجی اور جنگی ساز و سامان فراوانی کے ساتھ موجود تھے۔ اکتوبر

۱۹۱۷ء کا روسی انقلاب ہتھیاروں ہی کے بل بوتے پر کامیاب ہوا اور اس کے بعد تمام سوشلسٹ ممالک روس ہی کی مدد سے اپنے اپنے انقلاب میں کامیاب ہوئے اور روسی سوشلزم سے وابستہ ہو گئے اگر کسی ملک نے روسی سوشلزم سے نجات حاصل کر کے امپریلزم کے ساتھ وابستہ ہونا چاہا تو اسے دنیا کی دوسری بڑی طاقت یعنی سرمایہ دار طاقت کا سہارا لینا پڑا اور وہ ایک گڑھے سے نکل کر دوسرے گڑھے میں گر پڑا یہی وجہ ہے کہ دنیا میں اس طرح کے جتنے بھی انقلابات آئے ہیں۔ ان سے صرف طرز حکومت اور اقتصادی سسٹم بدلا ہے مگر عوام میں کوئی تغیر اور تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔ یہاں مثال کے طور پر الجزائر کو پیش کرنا مناسب ہوگا۔ انقلاب لانے والے ممالک کے درمیان الجزائر بڑی حد تک آزادی و استقلال کا حامل ہے۔ فرانسیسی تسلط اور اقتدار سے آزادی حاصل کرنے کے بعد الجزائر میں صرف طرز حکومت اور اقتصادی سسٹم ہی میں تبدیلی پیدا ہوئی، ایسی تبدیلی جس میں سوشلزم کی بھرپور جھلک پائی جاتی ہے اور جس نے الجزائر کو مشرقی بلاک سے قریب تر کر دیا مگر انقلاب کے بعد وہاں کے عوام میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی وہاں کے عوام جو "اسلام" سے عشق کی حد تک محبت رکھتے ہیں فرانس کو دسوں سال پہلے اپنے ملک سے بھگانے کے بعد بھی آج وہ اپنے دین یعنی "اسلام" کی ابتدائی معلومات اور اپنی اسلامی تہذیب سے محروم ہیں آج بھی وہاں کی قانونی، سرکاری اور تعلیمی زبان فرانسیسی ہے اور وہاں کے عوام پر فرانسیسی تہذیب و تمدن کی پورے طور پر حکمرانی ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ صرف اس لئے کہ "الجزائر" کا انقلاب بھی دنیا کے دوسرے انقلابات کی طرح محض ایک بڑی طاقت کے خلاف انقلاب تھا جو دوسری بڑی طاقت کے سہارے پر لایا گیا اور جس کا اصلی محرک صرف اس وقت کے اقتصادی سسٹم اور سامراج کے تسلط و اقتدار سے رہائی حاصل کرنا تھا اس کی تہذیب و ثقافت سے نہیں۔

ایران کے "اسلامی انقلاب" کو جو چیز دنیا کے تمام انقلابات سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اس نے تمام طور طریقے، اصول اور عادات و اخلاق بدل ڈالے جس کی مثال صرف الہی پیغمبروں کے ہی انقلاب میں مل سکتی ہے۔ انبیاء کرامؑ نے ہمیشہ انسانی ضمیر و ذہن میں تبدیلی اور انقلاب پیدا کرنے کے لئے قیام کیا ہے ان کے قیام کا مقصد حکومتی اور اقتصادی سسٹموں کو بدلنا نہیں تھا جب عوام کے ذہن و افکار میں تبدیلی آتی ہے تو یہ چیزیں خود بخود بدل جاتی ہیں۔ جس طرح حضرت پیغمبر اسلامؐ نے اپنے "انقلاب" کو کامیاب بنانے کے لئے نہ تو روم کی بڑی طاقت پر اعتماد کیا اور نہ ہی ایران کی۔ اسی طرح آج ایران کے "اسلامی انقلاب" نے بھی ملک سے امپریل ازم کو نکالنے کے لئے سوشل ازم کی چوکھٹ پر جبہ سائی نہیں کی۔

دنیا کے عوام خصوصاً مشرقی اور مغربی بلاکوں سے تعلق رکھنے والوں کی قسمتوں کے ٹھیکدار افراد جو حالات اور ماحول شناسی اور جاسوسی کے اداروں کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انھیں یہ بالکل گمان نہیں تھا کہ دنیا کے ایک گوشے کے عوام کسی بڑی طاقت کا سہارا لئے بغیر ایک بڑی طاقت سے نجات حاصل کر سکیں گے وہ بھی ایسے محروم افراد جن کے ہاتھ ہتھیار اور ساز و سامان سے خالی تھے۔ جس وقت بڑی طاقتوں کو یہ یقین ہو گیا کہ ایران کی ملت اپنے قائد امام خمینی کی کسی سازش کی شکار نہ ہونے والی "قیادت" میں ایک عظیم اسلامی تحریک پر آمادہ ہو چکی ہے اور اس کی یہ تحریک اس وقت تک جاری رہیگی جب تک شاہی تختہ نہ الٹ جائے تو اس قیادت سے عوام کو برگشتہ کرنے کے لئے پے در پے کوششیں شروع کر دیں تاکہ وہ امام کو ملت سے جدا کر دیں یا امام اور ملت کو اس بات پر راضی کر لیں کہ "امام" اور امت اپنے دشمنوں کی سرکوبی کے لئے بڑی طاقتوں کا سہارا لیں۔ مگر ان کو ہمیشہ نفی میں جواب ملا کیونکہ ان کے پیش نظر قرآن کا حکم ہے ولاترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار وما لکم من دون اللہ من اولیاء

ثم لا تنصرون (ہود آیت ۱۱۳) یعنی اے مسلمانو! جن لوگوں نے (ہماری نافرمانی کرکے)
اپنے اوپر ظلم کیا ہے ان کی طرف مائل نہ ہونا اور نہ ان پر بھروسہ کرنا ورنہ دوزخ کی آگ آ
لپیٹے گی اور خدا کے علاوہ دوسرے لوگ تمہارے سرپرست نہیں ہیں۔ اسلامی نقطۂ نظر سے
چاہے مغرب کی بڑی طاقت ہو یا مشرق کی یا وہ طاقتیں جنھیں ان دونوں بڑی طاقتوں کی مدد
حاصل ہے ان کا کام صرف ساری دنیا کے عوام کی دولت کو لوٹنا اور انسانی تہذیب و ثقافت کو
نیست و نابود کرنا ہے۔ "اسلام" اور الٰہی قدروں کے وہ اس لئے دشمن ہیں تاکہ وہ اپنے
مقاصد کو حاصل کرسکیں۔ بنا بریں دنیا کے سبھی خونخوار طاقتیں چاہے وہ مغربی طاقت کے
روپ میں ہو یا شرقی طاقت کے اسلام کی نظر میں ظالم ہیں اور مسلمان کسی قیمت پر ان کی طرف
دوستی کا ہاتھ نہیں بڑھا سکتے اور نہ ہی ان سے کسی قسم کی کمک لینا گوارا کرسکتے ہیں۔ حضرت
امام خمینی مدظلہ جس وقت نجف اشرف اور نجف کے بعد پیرس میں تھے تو آپ سے تال میل کے لئے
بڑی طاقتوں نے بہت زور لگایا تاکہ اس طرح وہ آپ کو راضی کرلیں اور ان کی مدد سے
آپ تحریک کو آگے بڑھائیں۔ مگر قائد انقلاب نے ہمیشہ برملا ان کی مخالفت کرکے ان کی
امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ جلا وطنی سے پہلے جس وقت امام خمینی ایران میں تھے تو
شاہ اور اس کے پٹھو بھی ہمیشہ یہی کوشش کرتے رہے کہ وہ آپ کو اور آپ کے ساتھیوں
کو عوام سے جدا کرکے پہلوی حکومت سے سازش پر راضی کرلیں مگر حضرت امام خمینی نے
انھیں یہ جواب دیا کہ "جب اصولاً ہمارا مقصد صرف اسلامی تعلیمات کے سائے میں عوام کی خدمت
کرنا ہے تو پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ ہم منصب اور جاہ و مال کی لالچ میں عوام کا ساتھ چھوڑ کر
تمہاری سازش کا شکار ہوجائیں"۔ خدا کے پیغمبروں کی طرف سے بھی ہمیشہ یہی جواب ان
دولتمندوں اور طاقتوروں کو ملا ہے جو کہا کرتے تھے کہ فقیر اور محتاج عوام کا ساتھ
چھوڑ دیں تاکہ ہم آپ کی حمایت کرسکیں مگر اللہ کے پیغمبروں کی طرف سے یہی جواب ملتا رہا کہ

ہم خدا کے بندوں اور مومنوں کو صرف اس لئے نہیں چھوڑ سکتے کہ وہ فقیر و محتاج ہیں اور دنیا میں کوئی منصب اور مقام نہیں رکھتے ہم تو انھیں کو لیکر تم سے مبارزہ کریں گے۔[1]

امام خمینی کا یہی وہ کردار تھا جس نے ایرانی عوام کو ایسی فطرت کی طرف بازگشت عطا کردی جبکہ انسانیت کے دشمنوں نے انھیں اس فطرت سے موڑ کر اسلامی تہذیب و ثقافت سے بیگانہ بنانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا مگر روحانیت اور حضرت امام خمینی کی خداجو اور مستحکم قیادت پر ایرانی عوام کے بھرپور اعتماد نے انھیں اس قابل بنا دیا کہ وہ ایمان کے سایہ میں خالی ہاتھ مقابلہ کے لئے میدان میں اتر پڑے اور ایک ایسی حکومت کو شکست دے کر بے دم کیا جو ہر طرح سے مسلح تھی اور جسے امریکہ جیسی بڑی طاقت کی بھرپور کمک حاصل تھی یہی اس تحریک اور انقلاب کی خصوصیت ہے جو اسے دنیا کے تمام دوسرے انقلابات سے ممتاز کرتی ہے۔

ایران کا اسلامی انقلاب ایک خاص شیوہ رکھتا ہے یعنی لاکھوں افراد پر مشتمل پرعوامی تحریک ایک ایسے بلند پایہ مذہبی اور علمی قائد کی قیادت میں شروع ہوئی جس کا ایمان و تقویٰ، بے پناہ اثر و رسوخ کا حامل ہے۔ عوام نے اپنے مذہبی اعتقاد اور دینی رہنماؤں خصوصاً حضرت امام خمینی کی قیادت پر اعتماد کے نتیجے میں تمام انقلابی کاروائیوں کو ایک مذہبی اور دینی فریضے کی حیثیت سے انجام دیا اور اس راہ میں ان کے لئے کوئی چیز

---

[1] قالوا انؤمن لك واتبعك الارذلون (۱۱۱) قال وما علمي بما كانوا يعملون (۱۱۲) ان حسابهم الا على ربي لو تشعرون (۱۱۳) وما انا بطارد المؤمنين (۱۱۴) سورہ شعراء

ترجمہ: ان لوگوں نے کہا کہ ہم آپ پر ایمان لائیں جبکہ آپ کی پیروی ادنی لوگوں نے کی ہے حضرت نوح نے کہا کہ یہ لوگ جو ایمانی کام کر رہے ہیں مجھے ان کے اسباب کا کوئی علم نہیں ہے۔ ان کے اعمال کا محاسبہ میرے پروردگار کے علاوہ کسی کے ذمہ نہیں ہے، کاش تم اسے سمجھ لیتے اور میں ہرگز ایمان لانے والوں کو اپنے پاس سے دور کرنے والا نہیں ہوں۔

حائل نہ بن سکی۔ امت اور امامت کی یہی وہ خاص صفت ہے جو اسلام کی اجتماعی سیاست کی بنیاد ہے اور اسی کے سایہ میں تمام اسلامی تحریکیں کامیاب ہوئی ہیں اور آئندہ بھی کامیاب ہوں گی۔ یہ امامت ہی کی خداداد روحانی طاقت ہے اور یہ امامت ہی کا بے نظیر کارنامہ ہے کہ اس نے ایسے عوام کو سب کچھ وقف کرنے اور سب سے بڑھ کر جان کی بازی لگاکر انقلاب کو آگے بڑھانے پر آمادہ کر دیا جنھیں سامراجیوں نے پچاس سال سے مادیات کا خوگر بنا رکھا تھا اور سامراجی پروپیگنڈے جن کے انسانی ارادہ وافکار کو چھین لینے کے درپے تھے۔ انقلاب کے دوران بلکہ انقلاب کی کامیابی کے بعد بھی ایران کے عوام ہمیشہ اپنے ذاتی اور شخصی مفادات سے دور رہے۔ ان کی بھرپور کوشش یہی رہی کہ قیادت کے احکام کا نفاذ و اجرا ہو سکے یہی وہ جذبہ ہے جسے قرآن کی اصطلاح میں ایثار کہا گیا ہے۔ اس مادیت اور ماڈرن جاہلیت کے زمانہ میں جس کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ انسان اس دور میں معنویت و روحانیت اور ایثار سے دور ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ایران کے عوام میں یہ ایثار عملی طور پر ظہور پذیر ہوا اور ایران کی مسلمان اور انقلابی ملت نے صدر اسلام کے ان شجاعانہ کارناموں کو ایک بار پھر دہرا دیا جو انسانیت کی تاریخ میں اعلیٰ نمونے شمار کئے جاتے ہیں اگر صدر اسلام کے مسلمان کفر و شرک کے خلاف میدان جنگ میں اترے اور بدر و حنین و کربلا میں شمشیر بکف ہو کر خنجر و سنان و شمشیر کا استقبال کیا تو ایران کے مسلمانوں نے خالی ہاتھ "اللہ اکبر" کے نعروں کے ساتھ بندوقوں، توپوں اور آتشیں بموں کا استقبال کیا اور ۱۵ خرداد ۱۳۴۲ھ ش (مطابق ۵ جون ۱۹۶۳ء) کو پندرہ ہزار افراد نے اور ۱۷ شہریور ۱۳۵۷ھ (مطابق ۸ ستمبر ۱۹۷۸ء) کو چار ہزار افراد نے اپنی عزیز جانوں کو قربان کر کے یہ ثابت کر دیا کہ شمشیر پر خون کی پر شجاعت فتحمندی زندہ و پائندہ ہے۔

ایران کے مسلمانوں نے متحد ہو کر یہ تحریک ایسے حالات میں شروع کی جبکہ کسی ایسی تنظیم کا

وجود نہیں تھا جو سو فیصد اسلامی ہو اور تحریک کو منظم طریقہ پر آگے بڑھانے کی ذمہ دار ہو حتی کہ انقلابیوں کے دائرہ اختیار میں کوئی ریڈیو یا اخبار بھی نہیں تھا جو قائد کی آواز کو عوام تک پہنچا سکتا ہو۔ قائد اور عوام کے درمیان رابطہ کا ذریعہ صرف کیسٹس اور قائد کے پیغامات و بیانات تھے جنھیں ابتدائی وسائل سے کثیر تعداد میں تیار کر کے اسلامی گروہوں کی باقی ماندہ ان نیم منظم انقلابی طاقتوں کے ذریعہ عوام تک پہنچایا جاتا تھا جو قائد اور عوام کے درمیان ارتباطی حلقہ کو قائم کئے ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مشرق و مغرب کے سیاسی ادارے ہر روز نت نئے اندازے لگاتے اور پیش گوئیاں کرتے رہے۔ اگرچہ فطری طور پر اس تحریک کے بہت سے مادی امکانات و محرکات بھی موجود تھے مگر چونکہ وہ اپنے جائزوں میں اس تحریک کے اصلی محرک اور عامل یعنی قائد کے مافوق العادہ روحانی و معنوی اثر اور قیادت پر عوام کے گہرے مذہبی اعتقاد کو نظر انداز کرتے رہے اس لئے ہمیشہ ان کے جائزے اور پیشین گوئیاں نقش بر آب ثابت ہوتی رہیں۔

دشمن اور سامراجی ریڈیو مثلاً بی بی سی لندن، وائس آف امریکہ اور اسرائیلی ریڈیو ہمیشہ انھیں مادی جائزوں کی بنیاد پر تحریک کی ناکامی کی راگ الاپتے رہے اور مستقبل کے لئے غلط جائزے اور منفی اندازے پیشین گوئیاں کرتے رہے حد تو یہ ہے کہ ماسکو ریڈیو نے بھی اپنے کسی جائزے یا تبصرے میں اس حقیقت کی طرف اشارہ تک نہیں کیا جو کھل کر سامنے آگئی حالانکہ ایران میں انقلاب آجانے سے تو روس خوش ہونا چاہئے تھا کیونکہ اس انقلاب سے بہرحال علاقہ میں امریکہ کے اثرات ختم ہونے والے تھے اور اس انقلاب سے اس کے رقیب کو ایک ایسے ہمسایہ ملک سے باہر نکلنا تھا جہاں وہ عظیم ترین جاسوسی اور فوجی وسائل و امکانات رکھتا تھا۔ اہم بات تو یہ ہے کہ ماسکو ریڈیو نے ۱۵ خرداد کے اس خونین قیام کو رجعت پسند تحریک کا نام دیا جسمیں پندرہ ہزار ایرانی مسلمان شاہی حکومت کی بربریت اور سفاکی کے شکار ہو کر خاک و خون میں مل گئے۔ یہ درست ہے کہ یہ تحلیل و تجزیہ اور ایسی تفسیریں عالمی طاقتوں کے ضد انسانی موقف کو واضح کرتی ہیں مگر

اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تحریک و انقلاب کی ایسی تفسیریں اس بات کی بھی نشاندہی کر رہی ہیں کہ عالمی طاقتیں اسلامی انقلاب کی حقیقت و ماہیت کے سمجھنے سے عاجز تھیں۔ یہ مسلم ہے کہ وہ ملتیں جو ظلم وستم اور استعمار کے نیچے دبی ہوئی ہیں خصوصاً وہ مسلمان جنھیں بہرحال ایک روز دنیا کے خونخواروں کے چنگل سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے انھیں اپنے اس مقصد میں صرف اسی وقت کامیابی نصیب ہوگی جب وہ دنیا کے انقلابات میں رائج طریقۂ کار کو پس پشت ڈال دیں، اور ایک بڑی طاقت سے منہ موڑ کر دوسری بڑی طاقت کے سامنے سجدہ ریز نہ ہوں۔ نیز ایران کے اسلامی انقلاب کے اس طرز عمل کا غور سے مطالعہ کریں جس سے انقلاب کامیابی کی منزل تک پہنچا ہے اور وہی شیوہ اختیار کریں جو انقلاب اسلامی ایران کی نمایاں ترین خصوصیت ہے یعنی تمام عالمی طاقتوں کو ٹھکرا کر صرف خدا پر ایمان و اعتماد اور ملت کا محکم ارادہ ہی تھا جس نے انقلاب کو کامیابی سے ہمکنار کیا ہے اور بلاشبہ صرف یہی ایک ایسا شیوہ وہ طریقہ ہے جس سے قوموں کی کامیابی کی ضمانت لی جا سکتی ہے اور محروم ملتوں کو تمام دنیا کے خونخواروں سے چاہے مغربی ہوں یا مشرقی ناجائز اور غیر انسانی تسلط و اقتدار سے چھٹکارا دلایا جا سکتا ہے۔

انقلابی طاقتیں

اہم ترین مسائل میں ایک مسئلہ، جس کا امکان دنیا کے ہر انقلاب میں پایا جاتا ہے اور ایران کے اسلامی انقلاب کے لئے جس کی بنیادی حیثیت رہی ہے اور آج بھی ہے تنظیم کا مسئلہ ہے۔ تنظیم بذات خود اچھی یا بری نہیں ہوتی اس کی مثال ایک تیز چاقو کے مانند ہے جس سے ایک ڈاکٹر بدن کے فاسد عضو کو کاٹ کر مریض کا علاج کرتا ہے اور ایک جرائم پیشہ کسی صحیح و سالم انسان کے پیٹ میں بھونک کر اس کا کام تمام کر دیتا ہے۔ تنظیم کی اہمیت اور قدر و قیمت کا اندازہ اس نیت و ارادہ سے ہوتا ہے جس کے تحت وہ وجود پذیر ہوتی ہے۔ اسلام کی تاریخ گواہ ہے کہ مسلمان ایک ایسی تنظیم بنانے میں اب تک کامیاب نہیں ہو سکے جو سو فیصد اسلامی ہو۔ مسلمانوں کی یہ تمنا بھی انھیں

تمناؤں میں سے ہے جو باوجود کوششوں کے مکمل طور پر پوری نہیں ہوسکی ہیں۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ہمیشہ مسلمانوں کا اسلامی تحریکات میں ناکام ہونیکا ایک سبب کسی ایسی "تنظیم" کا نہ ہونا بھی ہے۔ اگر ہم غور کریں تو معلوم ہوگا کہ کربلا میں حسینؑ اور اصحابِ حسینؑ کی شہادت کے بعد ظلم و فساد کی جڑ خشک ہو جانی چاہئے تھی مگر نہیں شہادت حسینؑ کے بعد بھی سینکڑوں سال تک بنی امیہ اور بنی عباس کی ظالمانہ حکومت باقی رہی۔ علویوں کی تحریک، نیز ایران میں مشروطیت کی تحریک اور پہلوی دور حکومت میں پچاس سالہ روحانیت اور علماء کی تحریک اس کے علاوہ دوسری اسلامی تحریکیں ہمیشہ کامیاب ہوتے ہوتے شکست سے دوچار ہوگئیں اور اگر کامیاب ہو بھی گئیں تو کامیابی کے بعد کی حالت اور ابتر ہوگئی۔ کیوں؟ اس لئے کہ تحریک سے حاصل ہونے والے نتائج اور اس تحریک کو جاری رکھنے اور آگے بڑھانے کے لئے کوئی مضبوط اور مستحکم ذریعہ نہیں تھا یعنی کسی ایسی باقاعدہ "تنظیم" کا وجود نہیں تھا جو سو فیصد اسلامی ہو۔ ہمیشہ یہی ہوا ہے کہ ان تحریکوں میں بے گناہوں کا خون بہایا گیا اور اس قربانی سے فائدہ ان لوگوں نے اٹھایا جن کا خون دینے والوں کے مقاصد سے دور کا بھی لگاؤ نہیں تھا اور اس راہ پر چلے جو خون دینے والوں کی راہ نہ تھی۔ علماء جنھیں اچھی طرح یہ "تلخ تجربہ" تھا۔ ان پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہوچکی تھی کہ کوئی بھی انقلاب اسی وقت پائدار ہوسکتا ہے جب وہ ایک خالص اسلامی "تنظیم" کے ذریعہ لایا جائے یہی وجہ ہے کہ ابتدائی تحریک ہی سے جو انقلاب اسلامی کی صورت میں کامیاب ہوئی اس طرح کی ایک "تنظیم" کا وجود ایران کے تمام انقلابی ذہنوں کو اپنی طرف متوجہ کرچکا تھا۔ آخری انقلابی تحریک سے بہت پہلے "فدائیان اسلام" نامی "تنظیم" کا پایا جانا مبارز علماء کے اس طرز فکر کے وجود پر روشن دلیل ہے کہ وہ ایک "تنظیم" کی طرف متوجہ ہوچکے تھے۔ فدائیان اسلام کے لیڈروں نے اس "تنظیم" کو تشکیل دینے کے سلسلہ میں "تحریک جنگل" کے تجربات سے استفادہ کیا تھا۔ یہ تحریک بھی "میرزا کوچک جنگلی" نامی ایک عالم دین کے زیر قیادت

شروع ہوئی تھی مگر بہت سے اسباب کی بناء پر یہ تحریک ناکام ہوگئی جنمیں ایک سبب یہ بھی تھا کہ اس تحریک کو چلانے کے لئے کوئی باقاعدہ تنظیم نہیں تھی۔ بہرحال تحریک فدائیان اسلام اور "نہضت ملی" کے نام سے مشہور تحریک کی شکست سے یہ حقیقت پایہ ثبوت کو پہنچ چکی تھی کہ اسلامی طاقتوں کی کوئی ایسی تنظیم ہونی چاہیئے جو سو فیصد اسلامی ہو تاکہ وہ اپنے مقصد یعنی اسلامی حکومت قائم کرنے اور اسے دوام و استحکام بخشنے میں کامیاب ہو سکے۔ ظاہر ہے کہ کسی ایسی تنظیم کا وجود میں لانا شاہی حکومت کے پر اضطراب ماحول میں کوئی آسان کام نہیں بلکہ ممکن ہی نہیں تھا یہی وجہ ہے کہ اس وقت اسلامی طاقتوں کی صرف یہی کوشش رہی کہ وہ مخفی طور سے آپس میں رابطہ برقرار رکھ سکیں اور اسی نامکمل اور نیم تشکیل شدہ تنظیم کے سایہ میں شاہی حکومت کے خلاف اپنے مبارزہ کو جاری رکھ سکیں۔

دو تحریکیں :-

پہلی تحریک ــــ خالص اسلامی طاقتوں کے پاس اس وقت کامل طور پر باقاعدہ کوئی تنظیم موجود نہیں تھی جبکہ غیر اسلامی طاقتیں نصف صدی سے تنظیم رکھتی تھیں۔ اسی طرح ان طاقتوں کے پاس بھی تنظیم موجود تھی جو کہنے کو تو مسلمان تھیں مگر ان کا مقصد اسلامی حکومت قائم کرنا نہیں تھا بلکہ ان کی جدوجہد کی نوعیت صرف قومی تھی اور ان کا مقصد ظلم و استبداد کے خلاف احتجاج کرنا تھا، اگر انھیں انتخابات میں آزادی دیدی جاتی اور ان کے کچھ نمائندوں کو پارلیمنٹ میں لے لیا جاتا تو پہلوی حکومت کے خلاف وہ تحریک سے بھی دستبردار ہونے کو تیار تھیں۔ ایران کی تودہ پارٹی جو نہ یہ کہ صرف غیر اسلامی تھی بلکہ اسلام مخالف بھی تھی اور ایران میں پچاس سال سے خیانت کیا کرتی چلی آرہی تھی اگرچہ اس کو ان پارٹیوں اور تنظیموں میں شامل کرنا درست نہیں ہے جن کی جدوجہد کا مقصد اسلامی حکومت قائم کرنا نہیں تھا، مگر مشرق یا مغرب کی طرف ان پارٹیوں، گروہوں اور تنظیموں کا فکری اور سیاسی رجحان نیز فکری و سیاسی استقلال نہ ہونے کی

وجہ سے ان کا تودہ پارٹی سے اشتراک یہ وہ چیزیں تھیں جن کا مجموعہ ایک ایسی تحریک کی صورت میں ظاہر ہوا جو پچاس سال سے ایران میں منظم طور پر کام کر رہی تھیں۔ جن پارٹیوں اور گروہوں سے یہ مجموعہ تیار ہوا تھا اور جیسا کہ یہ کہا جا چکا ہے کہ ان میں مختلف جہتوں سے آپس میں بہت نمایاں فرق بھی موجود تھا مگر چونکہ ان کی جدوجہد کے مقصد میں ایک وجہ مشترک موجود تھی اس لئے ان سب کو ایک ہی "تحریک" میں شمار کیا جا سکتا ہے ان کے درمیان وجہ مشترک یہ ہے کہ "تودہ پارٹی" سے لیکر "جبہہ ملی" تک ان تمام پارٹیوں اور گروہوں کا مقصد ایک ڈیموکریسی حکومت کو قائم کرنا تھا۔ ممکن ہے کہ اس مجموعہ کے بعض عناصر کی نظر میں مشرقی اندازِ فکر کی بنیاد پر ڈیموکریسی حکومت قائم کرنا رہا ہو اور بعض کے خیال میں مغربی انداز فکر کی بنیاد پر۔ مگر بہر حال ڈیموکریسی ایک ایسی حکومت ہے جو اسلامی حکومت سے فرق رکھتی ہے اور اسلامی آئیڈیالوجی کی رو سے بالکل غلط ہے۔ اس کے علاوہ "جبہہ ملی" سے پیدا ہونے والے بہت سے گروہ اور تنظیمیں مارکسی آئیڈیالوجی پر اعتقاد رکھتی تھیں، یعنی وہی آئیڈیالوجی جس پر تودہ پارٹی اعتقاد رکھتی ہے۔ کچھ ایسی بھی پارٹیاں ہیں جو ماڈازم کی معتقد ہیں۔ مذکورہ بالا مجموعہ جو ایک بڑے گروہ پر مشتمل تھا، اور جو ڈیموکریسی حکومت قائم کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا، ان میں کثیر تعداد ایسے افراد کی تھی جو مشرقی ڈیموکریسی کی طرفدار تھی۔

"جبہہ ملی" اور تودہ پارٹی یہ دو سیاسی تنظیمیں تھیں جو ابتداء میں باہم رقیب کی صورت میں پہلوی حکومت کے ساتھ نبرد آزما ہوئیں اور دونوں ہی غیر اسلامی آئیڈیالوجی لیکر میدان عمل میں آئیں۔ "جبہہ ملی" مغربی آیدار کی حامل تھی اور "تودہ پارٹی" مارکسی آئیڈیالوجی پر یقین رکھتی تھی۔ ان دونوں سیاسی رقیبوں نے، جن میں سے ایک کا مقصد ایران کو مغرب سے وابستہ کرنا تھا اور دوسرے کا مشرق سے ملت ایران کے ساتھ کھلی ہوئی خیانت کی۔ تودہ پارٹی نے ۲۸ مرداد ۱۳۳۲ھ (۱۸ اگست ۱۹۵۳ء) کی بغاوت کے لئے زمین ہموار کی اور "جبہہ ملی"

نے اس وقت ملت ایران کے ساتھ خیانت کی جب تخت ساز اسلامی انقلاب کی معراج کا زمانہ تھا یعنی ۱۳۵۷ھ ش (۱۹۷۸ء) میں ناہنجار شاپور بختیار کے ذریعہ شاہی حکومت کی کمک کیلئے آگے بڑھی اور انقلاب اسلامی کی کامیابی کے بعد بھی اس انقلابی اور عوامی حکومت کے مقابلہ میں کھڑی ہوئی اور اس سے اپنی دشمنی کا اظہار کیا جسے عوام نے اپنے انقلاب سے قائم کیا تھا۔

"جبہہ ملی" اپنی کاروائیوں کے دوران ہی آپسی اختلاف سے دچار ہوگئی اور ان کی کئی شاخیں ہوگئیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ "جبہہ ملی" کے پاس کوئی ٹھوس اور معین آئیڈیالوجی نہیں تھی اس لئے اگر "جبہہ ملی" کو ایک بے آئیڈیالوجی محاذ کا نام دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ "جبہہ ملی" کی ایک شاخ جس سے خود کئی دوسری شاخیں پھوٹیں "نہضت آزادی ایران" تھی ۱۳۴۱ھ ش (۱۹۶۲ء) میں یہ تنظیم ان افراد نے بنائی تھی جو اسلامی رجحان رکھنے کی بنا پر "جبہہ ملی" سے علیحدہ ہوئے تھے۔ "نہضت آزادی" کے پاس جو آئڈیالوجی تھی وہ ملی گرائی اور اسلامی رجحانات سے مرکب تھی۔ مگر چونکہ اس تنظیم کے لیڈروں میں اکثر وہ لوگ تھے جن کی تعلیم مغرب میں ہوئی تھی اور ان کا اسلام بھی مغربی اقدار سے ملا جلا تھا اس لئے وہ لوگ مکمل طور پر ایک خالص اسلامی تنظیم کی صورت سے کام نہیں کر سکے خاص طور پر اس لئے بھی کہ نہضت آزادی" کو نیشنلزم کے شدید رجحانات "جبہہ ملی" سے ورثہ میں ملے تھے جو اس تنظیم کے افکار میں اسلام انٹرنیشنل ازم کے رجحانات پیدا ہونے سے مانع ہو رہے تھے۔ اس تنظیم کے لیڈروں میں سے کوئی اسلامی علوم میں مجتہد نہیں تھا۔ ان نقائص کے ساتھ ساتھ ملی گرائی اور غرب زدگی کے مہلک مرض نے اس تنظیم کو بھی نہیں چھوڑا اور یہ تنظیم جو اسلامی جذبات و رجحانات کے دعوے کے ساتھ "جبہہ ملی" سے جدا ہو کر معرض وجود میں آئی تھی خالص اسلامی افکار و نظریات پر کاربند نہ رہ سکی۔

"نہضت آزادی" میں مغربی اقدار کے پیدا ہو جانیکا سبب یہ ہوا کہ ۱۹۶۵ء یعنی ۱۵ خرداد

کے خونین قیام کے دو سال بعد اس تنظیم سے جدا ہو کر ایک نئی تنظیم "مجاہدین خلق" کے نام سے وجود میں آئی جس کے زیر اثر انقلابی کام کرنے والے نوجوان مسلحانہ جدوجہد پر اعتقاد رکھتے تھے۔

اس تنظیم کے پاس کوئی آئیڈیالوجی نہیں تھی، چنانچہ اس نے اس آئیڈیالوجک فقر و افلاس کو دور کرنے کے لئے مارکسی اور ماؤ کی کتابوں کا سہارا لیا اور اپنے کو اسلامی کہنے کے باوجود مارکسی دام فریب کا شکار ہو گئی۔ چند سال تک تو یہ چیز مخفی رہی، مگر ۱۳۵۴ھ (۱۹۷۵ء) میں یہ راز فاش ہو ہی گیا۔ ایک طرف تو یہ راز فاش ہو گیا۔ دوسری طرف اس تنظیم کے بہت سے ممبروں کو مارکسی آئیڈیالوجی قبول نہ کرنے کی بنا پر انھیں تنظیم کے ذمہ داروں نے موت کے گھاٹ اتار دیا نتیجہ یہ ہوا کہ اس تنظیم سے ایک گروہ اور الگ ہو گیا اور اس نے ایک دوسری تنظیم بنائی اور بعد میں خود اس تنظیم کی بھی مختلف شاخیں ہو گئیں اور چونکہ یہ شاخیں "سازمان مجاہدین خلق" مارکسی ہو جانے کی وجہ سے پیدا ہوئی تھیں لہذا اس تنظیم نے اپنی پالیسی بدلی اور پہلے کی طرح پھر اپنا تعارف ایک اسلامی تنظیم کی حیثیت سے کرانا شروع کر دیا تاکہ مسلمان جوانوں کو دام فریب میں لاکر اور ان کا برین واش (BRAIN WASH) کر کے مارکسی تنظیم کی مختلف شاخوں کا ممبر بنایا جا سکے۔

جس زمانہ میں "مجاہد خلق" اور دوسری تنظیمیں وجود میں آئیں اسی زمانہ میں ایک اور مارکسی تنظیم بھی "سازمان چریکہائے فدائی خلق" کے نام سے ظہور پذیر ہوئی۔ اس تنظیم کی آئیڈیالوجی بھی وہی تھی جو تودہ پارٹی کی تھی یعنی یہ تنظیم بھی مارکسی آئیڈیالوجی کی حامل تھی۔ بعد میں یہ تنظیم بھی کئی شاخوں میں بٹ گئی مگر ان سب نے مل جل کر ایسا خطرناک راستہ اختیار کیا کہ تودہ پارٹی اپنی خیانتوں کے باوجود اس خطرناک راستے کو اختیار نہ کر سکی۔ اس وقت "سازمان چریکہائے فدائی خلق" کی دو شاخیں ہیں۔ ایک اکثریت کی حامل ہے اور دوسری اقلیت میں ہے اور دونوں ہی اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے

ہیں۔ پہلی شاخ تو تودہ پارٹی کے موقف کی تائید کرتی ہے اور اس کے ساتھ تعاون کرتی ہے مگر دوسری شاخ ظاہراً تودہ پارٹی کے موقف کو قبول نہیں کرتی اور جمہوری اسلامی حکومت کے ساتھ مسلح مقابلہ کرنے کے خیال میں ہے۔ مگر معلوم ہونا چاہئے کہ اس چریکی اقلیت سے اس کی اکثریت اور "تودہ پارٹی" کا وہی ربط ہے جو "مجاہدین خلق" اور اس کی دوسری مارکسی شاخوں کے درمیان پایا جاتا ہے۔

"جبہہ ملی" بھی اپنی ملی گرائی اور مغربی رجحانات کی بناء پر کئی شاخوں میں تقسیم ہو گئی اور کئی ایک چھوٹی چھوٹی پارٹیاں وجود میں آگئیں ان میں بعض پارٹیاں تو ایسی بھی تھیں جو صرف دس ہی افراد پر مشتمل تھیں اور شدید مغربی رجحانات کی حامل تھیں حتیٰ کہ وہ شاہی حکومت، امریکہ اور انگلینڈ سے وابستہ تھیں۔

دیکھئے "جبہہ ملی" نے ایک طرف تو ایسی پارٹیوں کو جنم دیا جو مغرب سے وابستہ تھیں اور دوسری طرف ایسی مارکسی اور ماڈرنی "تنظیموں اور جماعتوں کو پیدا کیا جو مشرق سے وابستہ ہوئیں اس پہلو سے "جبہہ ملی" تودہ پارٹی سے کوئی فرق نہیں رکھتی۔ یہ صحیح ہے کہ "نہضت آزادی" جبہہ ملی کی ایک شاخ ہونے کی حیثیت سے نہ تو مارکسی ہے اور نہ مغرب سے وابستہ ہے مگر چونکہ وہ شدت کے ساتھ مغرب کی طرف رجحان رکھتی ہے اور دوسری طرف وہ "جبہہ ملی" کی اولاد ہے اور "مجاہدین خلق" نیز دوسری مارکسی تنظیموں کو جنم دینے والی ہے لہذا قدرتی طور پر یہ تنظیم بھی اسی مجموعہ میں شامل ہے جس سے پہلی (یعنی غیر اسلامی) تحریک وجود میں آئی۔ یہ تمام پارٹیاں اور جماعتیں، اسلامی حکومت کے بجائے ایک ڈیموکریسی حکومت قائم کرنا چاہتی تھیں۔ اس کی کھلی ہوئی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آج یہ تمام پارٹیاں ایک متحد محاذ بنا کر جمہوری اسلامی کے ساتھ برسر پیکار ہیں۔ ایک قابل ذکر نکتہ یہ ہے کہ حکومت جمہوری اسلامی کے ساتھ تودہ پارٹی کا صلح آمیز موقف درحقیقت ایک منافقانہ روش تھی۔ تودہ پارٹی جمہوری اسلامی

کی مخالف تمام جماعتوں کے ساتھ مرتبط ہے حتی کہ مغربی لبرل لوگوں سے بھی اس کے تعلقات ہیں۔ ان شواہد کے ہوتے ہوئے اسمیں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ یہ پارٹی مذکورہ غیر اسلامی تحریک کا ایک موثر جزء ہے۔

دوسری تحریک ۔ انقلاب ساز تحریک :۔

جیسا کہ اس کتاب کی فصل اول کے آغاز میں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ ایک صدی پہلے علما اور ان طاقتوں کی طرف سے جو اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتی تھیں ایران کی شاہی حکومت اور دوسرے ممالک کی ظلم پیشہ حکومتوں (مثلاً عراق) کے خلاف جد و جہد اور مبارزات کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ یہ مبارزہ قاجاری حکومت کے آخری زمانہ میں "نہضت جنگل" کی شکل میں میرزا کوچک خان کی قیادت میں شروع ہوا۔ میرزا کوچک خان جنگلی گیلان کے رہنے والے تھے اور قم کے حوزہ علمیہ میں تعلیم پائی تھی اور سید جمال الدین، میرزای شیرازی اور دوسرے علماء کے مبارزات کو ایک نئے مرحلہ میں منتقل کرنا چاہتے تھے۔ "نہضت مشروطیت" جو روحانیت (علماء) کی قیادت میں حکومت اسلامی قائم کرنے کی غرض سے شروع ہوئی تھی وہ بھی اسی تحریک کا ایک جز تھی اگرچہ سامراجی ایجنٹوں نے "نہضت مشروطیت" کو اس کے مقصد سے منحرف کر دیا نیز اس تحریک کے پیشوا الشیخ فضل اللہ نوری کو جو قانون اساسی (آئین مملکت) اور پارلیمنٹ کو اسلامی بنانا چاہتے تھے دار پر چڑھا دیا اور ابتداء میں نہضت مشروطیت کا جو مقصد تھا وہ فوت ہو گیا۔

"نہضت مشروطیت" کے تلخ تجربہ کے بعد علماء اور ان طاقتوں کو ایک اسلامی تنظیم کی فکر ہوئی جو اسلامی حکومت پر یقین و اعتقاد رکھتی تھیں اور حوزۂ علمیہ قم کے ایک طالب علم سید مجتبیٰ نواب صفوی کی قیادت میں "گروہ فدائیان اسلام" کے نام سے ایک اسلامی تنظیم وجود پذیر ہوئی اور تقریباً "نہضت مشروطیت" کے نصف صدی بعد کسی حد تک یہ آرزو پوری ہوئی محمد رضا

پہلوی کی حکومت کے خلاف "فدائیان اسلام" اور آیت اللہ کاشانی کی جدوجہد میں شکست، یہ دوسرا تلخ تجربہ تھا اور دوبارہ ان مبارز علماء اور ان طاقتوں کو جو اسلامی حکومت پر یقین رکھتی تھیں، ایک ایسی تنظیم کی ضرورت محسوس ہوئی جو سو فیصد اسلامی ہو چنانچہ ۱۳۴۰ھ ش (۱۹۶۱ء) میں حزب ملل اسلامی کی تشکیل ہوئی نیز اس کے ساتھ دوسری چھوٹی چھوٹی جماعتوں اور تنظیموں کی تشکیل اسی فکر کا نتیجہ تھیں جنھوں نے اسلامی انقلاب کے دوران عوام کو شاہی حکومت کے خلاف بے پناہ جدوجہد کے لیے آمادہ و تیار کیا تھا۔ ۱۵ خرداد کے خونین قیام کے بعد نسبتاً پہلے سے زیادہ یہ جماعتیں آپس میں متحد ہو کر اپنی جدوجہد میں مصروف ہو گئیں جس کی بہت پہلے سے سخت ضرورت تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں تحریکوں میں سے کوئی ایک تحریک بھی انقلابی عوام کو پوری طرح کامیابی سے ہمکنار نہیں کر سکتی تھی۔ پہلی تحریک نے ثابت کر دیا کہ وہ گذشتہ پچاس سال کے طولانی عرصہ میں عوامی اعتماد حاصل کرنے اور عوام کو حرکت میں لانے سے پورے طور پر ناکام رہی تھی۔ ۲۸ مرداد کی بغاوت کے بعد تودہ پارٹی ایرانی عوام کی نظروں میں دشمن ثابت ہو گئی۔ ۲۸ مرداد کی بغاوت اسی پارٹی کے تعاون سے وجود میں آئی تھی۔ اس پارٹی کے اہم ممبران ۲۸ مرداد سنہ ۱۳۳۲ھ ش (سنہ ۱۹۵۳ء) سے انقلاب اسلامی کی کامیابی کے زمانہ تک ایران سے باہر چکر لگاتے رہے یہ لوگ اس لئے ایران سے نہیں نکلے تھے کہ ان پر پہلوی حکومت کا عتاب نازل ہوا تھا بلکہ اس لئے انھیں ایران چھوڑنا پڑا تھا کہ ایرانی عوام کو ان سے شدید نفرت پیدا ہو گئی تھی۔ تودہ پارٹی کے سرغنوں پر شاہی عتاب نازل نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ شاہی حکومت کے زمانہ میں ان میں سے بہت سے لوگ اہم سرکاری عہدوں پر تھے اور محمد رضا شاہ کی حکومت کے آخری زمانہ میں بھی ان لوگوں نے شاہ کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔ حتیٰ کہ شاہ کی "رستاخیز" پارٹی اور ریڈیو اور ٹیلویژن کے محکمہ کی مدیریت بھی "تودہ پارٹی" کے ہی بعض افراد کے ہاتھ

تھی اور انقلاب اسلامی کی عدالت نے انھیں اسی جرم میں پھانسی دی ہے۔ "جبہہ ملی" کے لیڈروں نے بھی ایرانی قوم کے ساتھ کھلی ہوئی غداریاں کیں اور پہلوی حکومت کے ساتھ تعاون کرتے رہے جس کی وجہ سے عوام میں ان کا بھی کوئی اثر نہیں تھا اور بختیار نے شاہ کا جس طرح سے ساتھ دیا اس سے تو اس پارٹی اور اس سے وابستہ گروہوں کا رہا سہا بھرم بھی جاتا رہا اور قوم کے سامنے اس کی اصل حقیقت کھل کر سامنے آگئی غرض "جبہہ ملی" نے بھی انقلاب میں حکومت کے خلاف عوام کو منظم کرنے میں عملاً کوئی کردار ادا نہیں کیا۔

"نہضت آزادی" "مجاہدین خلق" اور وہ تمام تنظیمیں جن کا تعلق پہلی تحریک سے ہے وہ بھی روحانیت (علماء کی جدوجہد پر اس وقت اعتراض کر رہی تھی جب ۱۳۵۶ھ (۱۹۷۷ء) میں انقلاب اسلامی کی لہر تیز ہو چکی تھی تو اس وقت بھی ان کا یہی خیال تھا کہ اصولاً صرف یہ طریقہ انقلاب کو کامیاب نہیں بنا سکتا بلکہ اس طرح تو رہی سہی طاقتیں بھی ختم ہو جائیں گی۔ نہضت آزادی کے لیڈروں کے متعلق ایران میں مشہور ہے کہ ان کا یہ نعرہ تھا "شاہ باید سلطنت کند نہ حکومت" یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کا اعتراف "نہضت آزادی" کے لیڈر نے بھی اپنے اس انٹرویو میں جو انقلاب اسلامی کی کامیابی کے ایک سال بعد حامد الگار کو دیا ہے، کیا ہے۔ یہ قدرتی بات ہے کہ ایران کے عوام ہرگز اس پر تیار نہیں تھے کہ وہ "آزادی" اور جمہوری اسلامی کے استقلال کے نعروں سے باز آجائیں جس کے لئے انھوں نے جان کی بازی لگادی تھی اور اس کی جگہ "نہضت آزادی" کا دیا ہوا نعرہ لگانے لگیں جو شاہی حکومت کو برقرار رکھنا چاہتی تھی اور شاہ کو صرف قانونی دائرے میں محدود کرنے کی خواہاں تھی۔ مجاہدین خلق کے لیڈر بھی ۱۹۷۷ء اور ۱۹۷۸ء میں، یعنی جو انقلاب اسلامی کے عروج کا زمانہ تھا بارہا اعلان کر چکے تھے کہ شاہ کی حکومت کے خلاف روحانیت (علماء) کی جدوجہد کے موجودہ طریقے کو ہم قبول نہیں کرتے بلکہ اس کی جگہ مسلح جدوجہد ہونی چاہیئے۔ روحانیت (علماء) نے حضرت امام خمینی کی قیادت

میں مبارزہ اور جدوجہد کا طریقہ اختیار کیا تھا وہ عوامی مظاہرے اور احتجاجی جلوس پر مبنی تھا۔ یہ طریقہ نہ تو "نہضت آزادی" والوں کو پسند تھا اور نہ ہی مجاہدین خلق والوں کو بلکہ پہلی تحریک میں چھوٹی بڑی جتنی تنظیمیں بھی شامل تھیں کسی کو بھی پسند نہیں تھا۔ حالانکہ جدوجہد کا یہی وہ طریقہ تھا جس نے انقلاب کو کامیاب بنایا اور پہلی تحریک میں شامل جتنی طاقتیں تھیں نہ فقط یہ کہ انقلاب کو بارآور اور کامیاب بنانے کے لئے عوام کو منظم اور آمادہ کرنے کے سلسلے میں کوئی کردار ادا نہیں کیا بلکہ ہمیشہ ان کی کوشش یہی رہی کہ عوام کو انقلاب سے جدا کردیں اور وہ کبھی بھی یہ نہیں چاہتی تھیں انقلاب جس طریقے سے آگے بڑھ رہا ہے، آگے بڑھے۔ یہ تو بڑی سادہ لوحی کی بات ہوگی کہ ہم یہ مان لیں کہ اس انقلاب کے ساتھ پہلی تحریک کے ناسازگار ہونے کی وجہ وہ جائزے تھے جو اس تحریک نے اپنے جدوجہد اور مبارزے کے طریقے سے حاصل کئے تھے حقیقت یہ ہے کہ یہ تحریک ہرگز آمادہ نہیں تھی کہ یہ انقلاب روحانیت و علماء کی قیادت میں کامیاب ہو اور یہی وجہ ہے کہ اس تحریک میں جو طاقتیں شامل تھی ان کی بھرپور کوشش یہ تھی جلد از جلد مختلف بہانوں سے انقلابی لہر کو اپنے قابو میں کرلیں اور انقلابی تحریک میں جمود پیدا کردیں تاکہ موقع آنے پر پھر وہ اپنے جائزے اور منصوبے کے مطابق انقلاب کی قیادت اپنے ہاتھوں میں لے سکیں۔

بہرحال اسلام سے عشق کی حد تک محبت رکھنے والے ایرانی عوام نے انقلاب کو گلی کوچوں اور ایران کے چپہ چپہ میں پھیلا دیا اور جان و مال کی قربانی دیکر اسے کامیاب بنایا۔ اور ان لوگوں کو دوسری تحریک یعنی روحانیت اور روحانی رہبریت پر کامل اعتقاد رکھنے والی طاقتوں نے منظم اور آمادہ کردیا۔ انہوں نے ہی عوام کو گلی کوچوں اور سڑکوں پر نکالا اور ان کی انقلابی تحریک کو ایک شکل عطا کی اور قائد سے ان کے ربط و تعلق کو برقرار رکھا۔ اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ اسلامی انقلاب کی اصلی طاقت عوام ہی تھے اور ہیں۔ اور اس عوامی طاقت

میں تنظیم پیدا کرنے والے مجاہد علماء اور وہ انقلابی عناصر تھے جنھوں نے امام خمینی کے نقش قدم پر چل کر شاہی حکومت کا بھرپور مقابلہ کیا اور آج بھی اس انقلاب کو باقی رکھنے والے دراصل عوام ہی ہیں جو اسلام اور امام خمینی کی راہ پر گامزن ہیں۔ پہلی تحریک کے گندے عناصر جو انقلاب کی کامیابی سے پہلے ہی اس خالص اسلامی تحریک کو نیست و نابود کردینے کے درپے تھے انقلاب کی کامیابی کے بعد اس کو مسخ کرنے یا ختم کرنے کے لئے پہلے سے بھی زیادہ درپے ہیں۔

ایک ناکام سازش

سنہ ۱۹۷۸ء کے اوائل میں جب سامراجیوں کو یہ یقین ہوگیا کہ پہلوی خاندان اور شاہی حکومت کا زوال آچکا ہے اور اب انقلاب کامیاب ہوجائیگا تو انھوں نے اپنے پروپیگنڈوں کا رخ موڑ دیا اور شاہ کے بجائے پہلی تحریک خصوصاً "جبہہ ملی" کے لوگوں کا پروپیگنڈہ کرنا شروع کردیا۔ ایران میں ان دنوں بہت سے لوگوں نے سنا کہ بی بی سی لندن، وائس آف امریکہ اور اسرائیلی ریڈیو اپنی اپنی فارسی خبروں کے ذریعہ "جبہہ ملی" کے لیڈروں، "لیبرل" اور دوسرے غرب زدہ کو قائدین انقلاب کی حیثیت سے نمایاں کرنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں اور جن لوگوں نے اس انقلاب میں بڑا گھناؤنا کردار ادا کیا تھا انہی کو یہ سامراجی انقلاب کے اصلی ہیرو کی حیثیت سے پیش کر رہے ہیں۔ بی بی سی لندن ہو کہ وائس آف امریکہ یا اسرائیلی ریڈیو، اس وقت ایران سے متعلق کوئی خبر بھی نشر کرتے تھے تو ان میں سے ہر ایک کی یہی کوشش ہوتی تھی کسی نہ کسی طرح یہ خبریں ان سامراجی ایجنٹوں سے مربوط ہوجائیں اور کسی بھی ترکیب سے خبروں میں ان کا نام آجائے تاکہ یہ ثابت ہوسکے کہ یہی لوگ انقلاب کے اصلی محرک ہیں۔ یہ سب ایسے ماحول میں کہا جارہا تھا جب عوام ان مجاہد علماء کے زیر سایہ اپنی انقلابی تحریک چلا رہے تھے جو سابق میں بھی ایک مدت تک شاہ کی حکومت کے خلاف جد و جہد کرچکے تھے مگر ان سامراجی ریڈیو نے اپنی خبروں میں ان کا کبھی نام تک بھی نہیں لیا۔

ظاہر ہے ان سامراجی ریڈیو کا مقصد اس طرح ایک طرف تو ان مغرب زدہ لوگوں کی پوزیشن مضبوط کرنا تھی جو اسلام یا کم از کم اسلامی حکومت کے مخالف تھے اور دوسری طرف مجاہد علماء کو کمزور دکھانا اور امام خمینی کی قیادت کو دنیا کے عوام کے سامنے بے اثر بنا کر پیش کرنا تھا سامراجی اپنے جائزوں کے ذریعہ یہ نتیجہ نکال رہے تھے کہ اگر مغرب زدہ لوگوں کے مفاد کے پیش نظر پہلے ہی سے پروپیگنڈے ہوتے رہیں گے تو شاہ کے فرار اور انقلاب کی کامیابی کے بعد قیادت یا تو صرف مغربی رجحان رکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہوگی یا کم از کم ان کے اور علماء کے درمیان تقسیم ہو جائے گی اور اس طرح انقلاب کی اسلامی ماہیت کو ظاہر ہونے اور انقلاب کو اسلامی راہ پر چلنے سے بآسانی روکا جا سکے گا۔

سامراجیوں کا یہ جائزہ اگرچہ اپنی جگہ بڑا ہی خطرناک تھا مگر ایرانی عوام میں علماء کے گہرے اثر و رسوخ اور امام خمینی کی قیادت کی غیر معمولی طاقت نیز امام خمینی اور علماء پر ایرانی عوام کے بھرپور اعتماد کی بناء پر یہ جائزہ کامل جائزہ نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سامراجی ریڈیو غرب زدہ شخصیتوں کو ابھارنے کے لئے جو پروپیگنڈے کر رہے تھے وہ سب بے اثر ثابت ہوئے صرف یہی نہیں بلکہ ان پروپیگنڈوں نے مغرب زدہ افراد کی شخصیت کو مزید مشکوک بنا دیا۔ اس انقلاب میں کسی بھی چیز کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانے کے لئے ایرانی عوام سامراجی پروپیگنڈوں کو معیار قرار دینے کے بجائے اسے امام خمینی کے معیار پر تولتے ہیں۔ امام خمینی کے موقف سے کسی چیز یا کسی شخص کے عمل کی دوری یا نزدیکی ایرانی عوام کے لئے ایک نپا تلا معیار ہے جس سے وہ اس چیز یا اس شخص کے عمل کی اچھائی یا برائی معلوم کر لیتے ہیں اور یہ اس لئے ہے کہ امام خمینی کی ذات ایرانی عوام کے لیے طہارت و صداقت اور فداکاری کا مجسمہ اور اسلامی و انسانی اقدار کی تجلی گاہ ہے۔ اگرچہ مغرب زدہ لوگوں نے اپنے کو امام خمینی مدظلہ کا وفادار ظاہر کرنے کی انتھک کوشش کی مگر ایرانی عوام ان مغرب زدہ لوگوں سے اور ان کے قبضہ گاہ

یعنی "مغرب" سے اس قدر نفرت رکھتے ہیں کہ نہ تو ان کے قریب ہیں اس وقت آئے اور نہ ہی آئندہ آ سکتے ہیں۔ اگر کوئی ایسی بات سامنے آ بھی جائے گی تو چند روز گذرنے کے بعد ایرانی عوام حقیقت کو سمجھ لیں گے اور فریبی لوگوں کو اپنے سے دور کر دیں گے جیسا کہ جمہوری اسلامی کے اولین انتخابات کے سلسلہ میں ہوا اور عوام نے حقیقت کے انکشاف کے بعد مناسب ردعمل کا اظہار کیا اور صدر جمہوریہ (بنی صدر) کو معزول کر دیا۔

بہرحال سامراجیوں کی تمام کوششیں بیکار ثابت ہو کر رہ گئیں اور انقلاب کی قیادت بلا کسی خدشے کے امام خمینی کے ہاتھوں میں رہی اور انقلاب اپنی پوری اسلامی اصلیت و ماہیت کے ساتھ آگے بڑھتا رہا۔ یہاں یہ بھی بیان کر دینا مناسب ہوگا کہ اگرچہ حضرت امام خمینی کی قیادت کو مجروح کرنے کے سلسلہ میں جبہہ ملی کے نمایاں افراد اور دوسرے مغرب زدہ لوگوں کے حق میں سامراجی خونخواروں کے پروپیگنڈے مکمل طور پر ناکامیاب ہو گئے مگر ان سامراجی پروپیگنڈوں کا نتیجہ یہ ضرور ہوا کہ انقلاب کی کامیابی کے ابتدائی زمانہ میں ایسے افراد جنھوں نے انقلاب کو بار آور کرنے میں ذرا بھی حصہ نہیں لیا تھا وہ ملک کے اہم منصوبوں پر فائز ہوئے۔ حد یہ ہے کہ وزارت خارجہ جیسے حساس عہدے پر فائز ہو گئے اور انقلاب کو شدید نقصانات پہنچائے۔ انقلاب اسلامی کو کامیاب ہوئے دو سال کا عرصہ گذر گیا مگر ابھی جمہوری اسلامی ایران کی ملک سے باہر صحیح طور پر نمائندگی نہیں ہو سکی اور جن کے کاندھوں پر ملک چلانے کا سنگین بار ہے وہ مختلف شعبوں میں اختلافات کے شکار اور بہت سے مشکلات سے دوچار ہیں تو یہ صرف اس لئے ہے کہ مغرب زدہ افراد اور وہ عناصر جن کا تعلق پہلی تحریک سے ہے اور جو اسلامی حکومت نہیں چاہتے تھے اور جو انقلاب کی کامیابی کے ابتدائی زمانے ہی میں اپنے مکر و فریب عوام کے ٹھیکدار بن بیٹھے تھے ان میں سے کچھ کچھ افراد اب بھی حکومت میں گھسے ہوئے ہیں اور انقلاب کے خلاف انکی

ریشہ دوانی جاری ہے۔ انقلاب کی کامیابی کے بعد انھوں نے بارہا یہ کوشش کی کہ وہ ملک کے باہر وسیع پیمانہ پر پروپیگنڈہ کر کے یہ ظاہر کر سکیں کہ انقلاب کو پہلی تحریک ہی نے شروع کیا تھا اور اسی نے انقلاب کو کامیابی کی منزل تک پہنچایا ہے۔ ان کی مسلسل یہ کوشش رہی کہ دوسری تحریک میدان سے ہٹ جائے اور انقلاب کے سلسلہ میں اس کا کہیں نام و نشان بھی باقی نہ رہے۔ اسی لئے حضرت امام خمینی نے بار بار اعلان کیا کہ یہ انقلاب عوام کا لایا ہوا ہے کسی ایک جبہہ (محاذ) یا گروہ یا پارٹی کا نہیں۔ امام خمینی نے اس حقیقت کا اعتراف ۲۷ مئی ۱۹۸۱ء کو بھی مجلس شوریٰ اسلامی کے نمائندوں کے سامنے بھی کیا جس وقت مجلس کے نمائندے مجلس کی تشکیل کی پہلی سالگرہ کے موقع پر امام سے ملاقات کے لئے گئے تھے یہی وہ زمانہ تھا جب غرب زدہ، لیبرل اور دوسرے مخالفین حکومت کو مورد عتاب قرار دیا کرتے تھے امام نے اس وقت فرمایا:

> یہ (علماء) ہی تھے جنھوں نے عوام کو کوچہ و بازار میں نکالا اور یہ اسلام ہی تھا جس نے عوام کو مرنے کے لئے پیش کیا (انھیں شہادت کا استقبال کرنے پر آمادہ کیا) ورنہ کوئی جبہہ کوئی محاذ کوئی پارٹی اور کوئی گروہ عوام کو اس طرح میدان میں نہیں لا سکتا تھا کہ وہ رضا کارانہ طور پر موت کے پیچھے چل کھڑے ہوں اور رضا کارانہ طور پر شہادت کے طلبگار بن جائیں۔

یہ بالکل واضح ہے کہ امام خمینی، جبہہ ملی، تحریک آزادی، مجاہدین خلق اور دوسری تمام ان پارٹیوں اور تنظیموں کے غلط دعووں کا جواب دینا چاہتے ہیں، جن کا تعلق پہلی تحریک سے ہے۔ دوران انقلاب پہلی تحریک کی کارکردگی کے بارے میں ہم نے جو توضیحات بیان کی ہیں ان کے پیش نظر امام خمینی کا جواب بالکل درست ہے۔ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ کوئی محاذ، کوئی پارٹی کوئی تنظیم یا کوئی گروہ یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس نے انقلاب کو کامیاب بنایا

ہے۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں "جبہہ ملی" اور دوسری تنظیموں اور پارٹیوں نے انقلاب کو جلد از جلد کمزور بنانے کے علاوہ کوئی دوسرا کام نہیں کیا، چہ جائیکہ انقلاب کی کامیابی میں ان کا کوئی حصہ ہو۔ دوسری طرف دوسری تحریک سے تعلق رکھنے والی طاقتیں جو حقیقتاً عوامی تحریک کو منظم کرنے والی تھیں اور عوام اور قائد کے درمیان رابطہ کو برقرار رکھے ہوئے تھیں، انہوں نے ہمیشہ اپنے کو عوام کا ایک حصہ خیال کیا اور ان میں سے کسی طاقت نے کبھی بھی انقلاب کی گردن پر اپنا کوئی احسان نہیں رکھا بلکہ انقلاب کے بارگراں کو اپنے ہی کاندھوں پر اٹھائے ہوئے ہیں۔ یہ طاقتیں جو انقلاب کی کامیابی تک کسی حد تک آپس میں مربوط اور منظم تھیں اور عوام کو تیار اور آمادہ کرنے کے سلسلہ میں قائد کے لئے قوت بازو کی حیثیت رکھتی تھیں، جن میں علماء اور دوسرے انقلابی افراد شامل تھے، انقلاب کی کامیابی کے بعد "حزب جمہوری اسلامی" کے نام سے ایک فعال اسلامی تنظیم کی شکل میں اپنی انقلابی سرگرمیوں کو جاری رکھے ہوئے ہے آج بھی یہ تنظیم انقلاب کے بہی خواہ افراد اور سچے انقلابی گروہوں کے لیے قابل اعتماد ہے۔ اس تنظیم نے ہمیشہ عوام ہی کو انقلاب کا اصلی ہیرو سمجھا ہے اور باوجودیکہ اسی تنظیم کے افراد درحقیقت انقلاب برپا کرنے والے ہیں مگر وہ انقلاب کی کامیابی میں اپنا کوئی حصہ خیال نہیں کرتے۔ ان میں سے اگر کسی کو کوئی منصب دیا جاتا ہے تو وہ صرف انقلاب کیلئے عہدہ قبول کرتا ہے اور اپنے فرائض کو اخلاص اور صدق نیت سے انجام دیتا ہے۔

انقلاب کے بیرونی اور اندرونی مخالفین کے زبردست پروپیگنڈوں کے برخلاف انہوں نے انقلاب اور جمہوری اسلامی پر یقین و ایمان رکھنے والے اور خلوص دل سے حکومت اسلامی کی خدمت کرنے والے قابل اور لائق افراد کی صلاحیتوں اور استعدادوں کو ابھرنے کا بھرپور موقع دیا۔ یہ ایسے مخلص افراد ہیں جو اس بات پر ہمیشہ تیار رہتے ہیں کہ اپنے عہدوں کو ایسے لوگوں کے سپرد کر دیں جو صحیح طور پر اپنے فرائض کو

انجام دے سکیں اور خود فکری اور تہذیبی کاموں میں مشغول ہو جائیں ۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ ایک انقلابی حکومت کی باگ ڈور ایسے افراد کے ہاتھوں میں نہیں دی جا سکتی جو انقلاب کے مخالف ہوں اور وہ بھی ایران جیسے ملک کی انقلابی حکومت کی جو نصف صدی سے سامراجی تہذیب و تمدن کے زیر اثر رہی ہو اور آج بھی اس کے بہت سے سرکاری شعبوں میں بچی کھچی سامراجی تہذیب کا اثر موجود ہو ۔ بیرون ملک ضد انقلاب طاقتوں کی ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے اور آج بھی ان کی کوشش جاری ہے کہ انقلاب لانے والی حقیقی طاقتوں کو ہٹا کر کلیدی عہدے ان کے ہاتھوں میں دیدیں تاکہ ایک ہی پارٹی کے ہاتھوں میں اقتدار محدود نہ رہے ہر شخص جانتا ہے کہ یہ اقدام انقلاب کے لئے کتنا بڑا خطرہ ثابت ہوگا ظاہر ہے کہ انقلابی طاقتوں کا اپنے ہاتھوں میں اقتدار لینا اور از روئے احتیاط انقلاب مخالف طاقتوں کے ہاتھوں میں کلیدی عہدے نہ دینا محدودیت اقتدار کی وجہ سے نہیں بلکہ انقلاب کی ہمدردی اور دل سوزی کی بنا پر ہے ۔

انقلابی طاقتوں کا مجموعہ :

انقلاب مخالف طاقتوں اور سامراجی پروپیگنڈوں نے دنیا کے عوام کو یہ باور کرانے کی انتھک کوشش کی ہے کہ ایران کے اسلامی انقلاب کو علماء کے ایک ایسے گروہ نے وجود بخشا ہے جو نرا جاہل ہے جسے دنیا کی کچھ معلومات نہیں ، معاشرہ کے دوسرے لوگ خصوصاً روشن خیال طبقہ اس انقلاب کا حامی نہیں ہے یہ پروپیگنڈے اتنے وسیع پیمانہ پر کئے کہ ان کا اثر ایران کے باہر ان افراد پر بھی پڑا جو انقلاب اسلامی کے دوست اور ہمدرد تھے اکثر ایسا ہوا ہے کہ ان لوگوں نے اس سلسلہ میں استفسار کیا ہے ۔ ظاہر ہے کہ ایسے پروپیگنڈوں کا تعلق بھی انھیں اقدامات سے ہے جو مخالفین انقلاب، انقلاب کو ناکام بنانے کے لئے ایران اور بیرون ایران کرتے رہے ہیں ۔

مخالفین انقلاب ایسے پروپیگنڈوں سے دنیا کے عوام کے ذہنوں میں یہ بٹھانا چاہتے ہیں کہ ایران کا اسلامی انقلاب صرف ایک خاص گروہ اور طبقے میں محدود رہے وہ نہیں چاہتے کہ اس انقلاب کا اثر دوسری قوموں پر بھی پڑے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایران کا اسلامی انقلاب معاشرے کے ایک یا دو طبقے میں محدود نہیں ہے بلکہ اس انقلاب میں عوام کے سبھی طبقے شریک و سہیم ہیں۔ یونیورسٹی کے طلباء ہوں یا کاریگر، مزدور طبقے سے تعلق رکھنے والے افراد ہوں یا تاجر، علماء ہوں یا یونیورسٹیوں کے اساتذہ ــــ فوجی طاقتیں ہوں یا انتظامی غرض ہر قسم اور ہر طبقے کے لوگوں نے اس انقلاب میں حصہ لیا ہے۔ انقلابیوں کے بڑے بڑے نہتھے جتھے صرف احتجاجی جلوس اور بے مثال تاریخی مظاہروں کے ذریعہ ایک ایسی حکومت کا تختہ الٹنے میں کامیاب ہوئے ہیں جو از سرتا پا ہتھیاروں سے لیس تھی یہ ایک دو طبقے کے افراد کے بس کی بات نہ تھی۔ جس طرح دو کروڑ سے زائد افراد نے حکومت جمہوری اسلامی کے حق میں ووٹ دیا تو یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ ایک یا دو طبقے کے افراد ہوں اور اسی طرح انقلاب اسلامی کی کامیابی کے دو سال چار ماہ بعد ۱۵ خرداد کے خونین قیام کی جو سترھویں سالگرہ منائی گئی تو راہ پیمائی اور جلوس میں جتنے لوگوں نے شرکت کی یہ راہ پیمائی اس راہ پیمائی سے شان وشوکت میں کہیں زیادہ تھی جو انقلاب کی کامیابی کے پہلے سال منائی گئی تھی تو یہ نہیں ہو سکتا۔ اسمیں شریک ہونے اور حصہ لینے والے افراد صرف ایک یا دو طبقے سے تعلق رکھتے ہوں، جسطرح انقلاب کے مخالفین بھی کسی ایک خاص طبقے میں محدود نہیں ہیں اسی طرح ہر طبقے کی بھاری اکثریت انقلاب کے ساتھ ہے اور اسی بھاری اکثریت نے انقلاب برپا کیا ہے۔ اقلیتی طبقے میں بھی بہت سے ایسے لوگ موجود ہیں جن کے مفادات کو انقلاب سے نقصان پہنچا ہے اور اس لئے وہ انقلاب کے مخالف ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ طبقۂ علماء میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جن کے مفادات

شاہی حکومت یا سرمایہ داروں سے روابط رکھنے میں وابستہ تھے بنابریں وہ بھی انقلاب کے مخالف ہیں۔ مخالف ہی نہیں بلکہ وہ انقلاب سے نبرد آزمائی بھی کر رہے ہیں۔ تاجروں میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو پہلوی حکومت کے دور میں آزادی کے ساتھ عوام کو لوٹ رہے تھے اور جمہوری اسلامی نے ان کی اس لوٹ کھسوٹ کی آزادی کو سلب کر لیا ہے تو فطرتاً اب انھیں انقلاب کا مخالف ہونا ہی چاہئے۔ ملازم پیشہ افراد اور یونیورسٹی سے متعلق لوگوں میں بھی ایسے افراد دیکھے جا سکتے ہیں جن کی رشوت خوری، فریب دہی اور جنسی بے راہ روی، غرض تمام غیر شرعی آزادیاں اس حکومت میں سلب کر لی گئیں ہیں جو انھیں شاہی حکومت میں حاصل تھیں۔ ظاہر ہے کہ قدرتی طور پر یہ لوگ انقلاب کے مخالف ہی رہیں گے۔ فطری بات ہے انقلاب اسلامی کا ایک ماحصل اور نتیجہ یہ بھی ہوگا کہ وہ غیر شرعی مفادات، غارت گری، رشوت خوری، فریب دہی اور جنسی بے راہ روی پر پابندی عائد کرے۔ دوسری طرف اسی طبقے سے تعلق رکھنے والے وہ افراد بھی ہیں جو مشرق یا مغرب سے فکری اور سیاسی وابستگی رکھنے کی وجہ سے انقلاب کے مخالف ہیں۔ یہ بھی ایک قدرتی اور فطری بات ہے کہ انقلاب اسلامی اپنے موقف "نہ شرقی نہ غربی" سے کچھ لوگوں کی خوشنودی کے لئے دست بردار نہیں ہو سکتا۔ ایسی صورت میں پھر یہ انقلاب "اسلامی انقلاب" نہیں رہ سکتا بلکہ اسے انقلاب ہی نہیں کہا جا سکتا وہ ایک "ریفارم" ہوگا۔

ان تمام مخالفین کے باوجود خوشحال طبقہ اور کروڑوں کی تعداد پر مشتمل ایرانی عوام بالاتفاق ایثار و فداکاری کی حد تک اسلامی انقلاب کا حامی ہے اور اس کی اسلامی شکل و صورت کی حفاظت کا خواہاں ہے دراصل یہی وہ طاقتیں ہیں جنھوں نے انقلاب کو کامیابی کی منزل تک پہنچایا ہے۔

اس کے باوجود انقلاب کے ذمہ دار افراد نے معاشرہ کے ان طبقات کے اصلاح کی ہمیشہ کوشش کی۔ ان لوگوں نے انقلاب کو کامیاب بنانے میں ذرا بھی حصہ نہیں لیا تھا، مگر پھر بھی

انقلاب کے ذمہ دار افراد ان کے علم و دانش، تجربے اور مہارت سے فائدہ اٹھا کر ملک کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ آنک ایسے بہت سے افراد انقلاب میں جذب ہو کر ملک کی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ ان میں بہت سے افراد ایسے بھی ہیں جو مغربی یا مشرقی اقتدار سے اپنا رشتہ توڑنا پسند نہیں کرتے اور اپنے کو انقلاب اور انقلابی تقاضوں کے مطابق نہیں ڈھالنا چاہتے قدرتی بات ہے کہ ایسے لوگوں کو خود انقلاب کے تقاضوں کے مطابق ہونا چاہئے نہ یہ کہ انقلاب ان کے تقاضوں کے مطابق اپنی انقلابی پالیسی تبدیل کرے۔

بہرحال ایران کا اسلامی انقلاب ایک یا چند طبقے کی محنتوں کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ تمام طبقوں نے بھاری اکثریت سے اس انقلاب میں حصہ لیا ہے آج بھی طلبہ اور یونیورسٹی کے اساتذہ، ڈاکٹر انجینئر اور یونیورسٹیوں کے فارغ التحصیل افراد غرض پورے ملک میں اکثریت کے ساتھ خلوص و محبت اور پوری لگن سے انقلاب کی خدمت و حمایت کر رہے ہیں اور ملک کی تعمیر و ترقی میں حصہ لے رہے ہیں۔ مسرت کی بات تو یہ ہے کہ یونیورسٹیوں کے بہت سے فارغ التحصیل افراد اور طلبہ پاسداروں اور فوجیوں کے ساتھ رضا کارانہ طور پر محاذ جنگ پر جا رہے ہیں اور فدا کارانہ طور پر دشمنوں سے جنگ کر رہے ہیں جنہیں سے بہت سے رضا کار اپنی عزیز جانوں کو انقلاب اسلامی کی بقا کے لئے قربان کر چکے ہیں۔

انقلاب کی قیادت

کسی بھی انقلاب میں یہ نہیں دیکھا گیا ہے کہ عوامی طاقتیں بغیر قیادت کے انقلاب لا سکی ہوں اور اسی طرح عوام سے علاحدہ رہ کر محض قائد نہ تو انقلاب برپا کر سکتا ہے اور نہ ہی انقلاب

کو کامیاب بنا سکتا ہے۔ ایران کے اسلامی انقلاب میں بھی یہ دونوں چیزیں یعنی قیادت اور عوامی طاقتیں درحقیقت ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ امام خمینی کی ذات اس انقلاب کے قائد کی حیثیت سے "آئینہ تمام نمائے مردم" ہے۔ اور عوام، امام خمینی کے حق جو ارادوں کی تجلیگاہ ــــ ایرانی عوام امام خمینی کے وجود میں ایک سراپا عزیمت ذات کو پاتے ہیں جس کی پکار صرف خدا کے لئے ہے اور جو خدمت خلق خدا کے علاوہ حرکت نہیں کرتی۔ ایرانی عوام امام خمینی کی اس حیثیت سے مدح وستائش کرتے ہیں کہ امام خمینی ملت ایران کو عالمی استکبار کے چنگل سے نجات دلانے والے ہیں اور موجودہ نسل کو الٰہی اور انسانی فطرت کی طرف پلٹانے والے ہیں۔ حضرت امام خمینی اپنے ایمان، تقویٰ اور دنیا کے محروموں اور مستضعفوں کو نجات دینے والے پیغام کی وجہ سے عوامی گروہ میں اتنا گہرا اثر ورسوخ رکھتے ہیں کہ عام (غیر معصوم) انسانوں کے لئے تاریخ میں جس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

عوام میں امام خمینی کا یہی وہ مافوق الفطرت اثر ونفوذ ہے جس نے قیادتِ انقلاب کی تعمیم کے سلسلہ میں بڑی طاقتوں کی تمام سازشوں کو ناکام بنا دیا اور بغیر ہتھیاروں کے مشرق یا مغرب پر ذرہ برابر بھی تکیہ نہ کرتے ہوئے اس انقلاب کو پوری عظمت وتوانائی کے ساتھ کامیاب بنا دیا۔ یہ ایک ایسا انقلاب تھا کہ صرف یہ نہیں کہ اسے بڑی طاقتوں کی حمایت حاصل نہیں تھی بلکہ ہر وقت اسے بڑی طاقتوں کی سازشوں کا سامنا بھی تھا اور اصولاً اس انقلاب کے وجود کا فلسفہ ہی بڑی طاقتوں کے ہر قسم کے اقتدار وتسلط کو نابود کرنا ہے۔

امام خمینی صرف ایک ہمت نہ ہارنے والے اور نہ تھکنے والے سپاہی اور مجاہد ہی نہیں ہیں بلکہ آپ ایک مجاہد ومبارز ہونے سے پہلے ایک فقیہ ہیں، ایک اصولی ہیں

ایک عارف ہیں، ایک زاہد ہیں، ایک بڑے فلسفی ہیں، ایک مفسر ہیں، ایک معلم اخلاق ہیں، ایک مردم شناس اور ایک عظیم سیاست دان ہیں۔ یہ سارے صفات ایک ایسے انسان میں جمع نظر آتی ہیں جو ۲۰ جمادی الثانی ۱۳۲۰ھ کو سرزمین خمین کے ایک علمی خاندان میں پیدا ہوئے اور جس نے بچپن ہی میں رضا خان پہلوی کے خلاف مبارزہ و مجاہدہ کی راہ میں اپنے پدر بزرگوار کو شہید ہوتے ہوئے دیکھا۔ اس واقعہ نے آپ کو ایک مجاہد عالم بنا دیا کہ آج دنیا کی تمام قومیں عالمی استکبار سے نجات حاصل کرنے کے لئے آپ ہی پر نظریں جمائے ہوئے ہیں۔ جہاد کا جذبہ آپ کو باپ سے ورثہ میں ملا، اسلامی علوم کو حوزۂ علمیہ قم میں حاصل کیا اور پہلوی حکومت کے خلاف اپنی جدوجہد اور مجاہدات کا آغاز اس وقت کیا جب رضا خان پہلوی نے سامراجیوں کے حکم سے ایران میں اسلام کی بیخ کنی کی داغ بیل ڈالی۔

۱۹۶۳ء میں آپ امریکہ اور شاہ پر براہ راست حملے کے الزام میں گرفتار کئے گئے اس وقت آپ ایک عظیم مرجع تقلید کی حیثیت سے افق شہرت پر نمودار ہو چکے تھے۔ اس وقت آپ کو ۸ ماہ قید میں رکھ کر آزاد کر دیا گیا۔ ۱۹۶۴ء میں آپ کو دوبارہ اسی الزام میں گرفتار کر کے ترکی اور پھر نجف اشرف جلاوطن کر دیا گیا۔ امریکہ اور شاہ پر اس دفعہ آپکا حملہ پہلے سے بہت زیادہ سخت تھا۔ ۱۴ سال کی جلاوطنی اور شاہ و امریکہ اور عالمی صہیونزم کے خلاف بے پناہ جدوجہد کے بعد آخر کار امام خمینی کو ۵ ستمبر ۱۹۷۸ء کو عراق کی بعثی حکومت نے بھی عراق سے نکال دیا آپ عراق سے پیرس چلے گئے سامراج کے خلاف وہاں بھی آپ کا جہاد جاری رہا یہاں تک کہ ۱۲ بہمن ۱۳۵۷ (یکم فروری ۱۹۷۸ء) کو ایک طویل جلاوطنی کے بعد ایران مراجعت فرمائی۔ مہرآباد کے ایرپورٹ پر لاکھوں عوام نے آپ کا پرجوش استقبال کیا۔ اسی سال ۲۲ بہمن (۱۱ فروری ۱۹۷۹ء) کو ایران کے اسلامی انقلاب نے فتح و ظفر کا سہرا پہنا۔

۱۵ خرداد ۱۳۴۲ھ (۵ جون ۱۹۶۳ء) سے ۲۲ بہمن ۱۳۵۷ھ (۱۱ فروری ۱۹۷۹ء) کی طولانی مدت میں ایرانی عوام اسلام اور حضرت امام خمینی کے لئے جان و مال کی قربانی دیتے رہے مگر ان کے پائے استقلال میں لغزش نہیں آئی۔ ۱۵ خرداد ۱۳۴۲ھ (۵ جون ۱۹۶۳ء) کو جس وقت عوام نے آپ کی نظر بندی کی خبر سنی تو عوام میں ایک بے چینی کی لہر دوڑ گئی اور یہ خبر سنتے ہی لوگ سڑکوں پر نکل پڑے اور پہلوی ایجنٹوں کی گولیوں کی بوچھار میں قربانی و فداکاری کی مثال قائم کر دی۔ اس خونین قیام میں ۱۵ ہزار افراد درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

۱۵ خرداد ۱۳۴۲ھ سے ۱۹ بہمن ۱۳۵۶ھ (۵ جون ۱۹۶۳ء سے ۸ فروری ۱۹۷۸ء) تک یعنی جس زمانے میں انقلاب کی لہر پورے عروج پر تھی۔ قائد کی طرف سے جو فرمان بھی صادر ہوتا تھا ایرانی عوام اس کی جان و دل سے اطاعت کرتے رہے ۱۹ دی ماہ ۱۳۵۶ھ (۹ جنوری ۱۹۷۷ء) کو حوزہ علمیہ قم کے طلباء اور شہر کے عوام نے ایک عظیم مظاہرے کے ذریعہ اخبار "اطلاعات" کے اس توہین آمیز مضمون پر اعتراض کیا جو امام خمینی کے متعلق چھاپا گیا تھا یہ اخبار بھی ان دنوں دوسرے اخباروں کی طرح پورے طور پر شاہ کی ساواک کے اختیار میں تھا۔ اس مظاہرہ میں شاہی ایجنٹوں سے مڈ بھیڑ میں قم کے بہت سے علماء طلبہ اور جوانوں نے شہادت پائی۔ ایران کے بہت سے علاقوں میں ان شہداء کے چہلم کے سلسلہ میں جلوس نکالے گئے اور مظاہرے کئے گئے اس موقع پر بھی تبریز میں عوام اور شاہی ایجنٹوں کے درمیان مڈ بھیڑ میں بہت سے لوگوں نے جام شہادت نوش کیا۔ ان حادثات کے بعد ہر شہر کے شہیدوں کے ہفتم و چہلم کے مراسم کا پیہم سلسلہ شروع ہوگیا اور روز بروز عوامی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا اور لوگ "درود بر خمینی، مرگ بر شاہ" کے نعروں کے ساتھ میدان میں اتر پڑے اور یہ سلسلہ ۸ ستمبر ۱۹۷۷ء تک پورے جوش و خروش کے ساتھ جاری رہا ان واقعات سے

یہ اندازہ لگانا بہت آسان ہے کہ عوام کو امام خمینی سے کتنا عشق تھا اور ہے۔ ایرانی عوام کے جہاد کی اس لمبی مدت میں جو چیز عوام کو پروانہ وار گولیوں کے استقبال کے لئے گھروں سے نکال کر سڑکوں پر کھڑا کر دیتی تھی۔ وہ صرف امام خمینی کے پیغامات تھے، بیانات تھے اور تقریروں کے کیسٹ تھے جو نجف اشرف اور بعد میں پیرس سے ایران آتے تھے جنھیں کثیر تعداد میں تیار کرکے انقلابیوں کے ذریعہ ہاتھوں ہاتھوں تقسیم کردیا جاتا تھا ، اس طرح عوام اپنے فرائض سے آگاہ ہو جاتے تھے کہ اب انھیں کیا کرنا ہے۔ مجاہد علماء، امام خمینی کے ان پیغامات اور تقریروں کو مساجد اور عوامی جلسوں میں وضاحت کے ساتھ بیان کرتے تھے اور عوام جذبہ کامل کے ساتھ اپنے قائد اور مرجع کے احکام کی تعمیل کرتے تھے۔ ۸ ستمبر ۱۹۷۸ء کو میدان شہداء تہران میں ایک اجتماع ہوا جس میں ہزاروں مسلمان مرد و زن نے شرکت کی اور ہر روز ادھر ادھر قتل و غارت کئے جانے پر شاہی حکومت کے خلاف سخت احتجاج کیا، شاہی ایجنٹوں نے ان بے گناہوں کو اپنی بے رحم گولیوں کا نشانہ بنا کر انھیں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ شہادت اور حماسہ آفرینی کی یہ میدان آرائیاں ۲۲ بہمن تک جاری رہیں۔ شاہی بربریت کا سیلاب ان مجاہدین آزادی کے ثبات قدمی میں ذرہ برابر بھی جنبش نہ پیدا کر سکا بلکہ روز بروز مزید جذبۂ فداکاری قربانی سے سرشار ہو کر میدان کارزار میں آتے رہے اور "مئے عشق خمینی" کا نشہ زیادہ ہی ہوتا گیا۔

یہاں ایک بڑا ہی تعجب خیز اور اعجاز آمیز نکتہ موجود ہے وہ یہ کہ امام خمینی اور عوام میں ہمیشہ دلی لگاؤ برقرار رہا۔ سربرآوردہ انقلابی علماء جو عوام اور امام کے درمیان جلاوطنی کے زمانہ میں واسطہ اور ذریعہ بنے ہوئے تھے۔ انھوں نے بارہا اس نکتے کو بیان کیا ہے کہ اکثر ایسا ہوا کہ قائد کی طرف عوام کے لئے جو ہدایات ہمیں وصول ہوتی تھیں کہ ہم ان کی بنیاد پر عوام کی رہنمائی کریں تو قبل اس کے کہ ہم عوام کو قائد کی ہدایات سے آگاہ

کریں ہم نے دیکھا کہ عوام نے وہی عمل انجام دیا جو قائد کی رائے کے مطابق تھا۔ قائد اور عوام کے درمیان یہ چیز دلی ربط و تعلق کی بہترین علامت تھی۔ انقلاب کی کامیابی کے بعد یہی اکثر دیکھنے میں آیا اور آج بھی قائد انقلاب کے بیانات اور فیصلوں میں عوام کے دلی رجحانات جلوہ گر نظر آتے ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ قائد اور امت کے درمیان یہ گہرا دلی تعلق اس وقت بھی باقی رہا جب قائد انقلاب جلاوطنی کے عالم میں اپنے عوام سے دور تھے یہ چیز بخوبی ایرانی عوام اور دنیا کے تمام کمزور لوگوں کے درمیان امام خمینی کے گہرے اثر و رسوخ کی رمز کشائی کرتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امام خمینی کبھی بھی عوامی گروہ اور معاشرے سے جدا نہیں رہے اور ہمیشہ عوام کے درد و غم اور مشکلات میں شریک رہے اور ان کی معنوی و مادی محرومیت سے باخبر رہے۔

قوموں اور حکومتوں کے درمیان جو چیز بے تعلقی اور بے اعتنائی کا سبب ہوتی ہے۔ وہ ایک دوسرے کے درمیان روحانی جدائی ہے۔ حکمراں ہمیشہ عوام کے درد و غم اور مشکلات سے دور الگ تھلگ محلوں میں زندگی گذارتے ہیں اور حکومت کو صرف اپنی ذاتی خواہشات کی تسکین کا ذریعہ سمجھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ نہ تو یہ لوگ عوام کو اپنے ساتھ لے کر چلتے ہیں اور نہ ہی عوام انھیں اپنے میں شمار کرتے ہیں حکومتوں کی راہ قوموں کی راہ سے جدا ہوتی ہے۔ اگر آج ہم یہ دیکھتے ہیں کہ انقلاب اسلامی کا راستہ ملتوں کا راستہ ہے تو صرف یہی وجہ ہے کہ اس انقلاب کا قائد عوام ہی کی ایک فرد ہے جو ان کے درد و غم سے آشنا ہے اور حکومت کو عوامی خدمت اور خدا کی خوشنودی کا وسیلہ سمجھتا ہے۔ انقلاب کے بعد اسی ایران میں ایسے ثروت مند افراد موجود تھے جن کا راستہ خدا اور قوم کا راستہ نہ تھا۔ قوم نے ایسے افراد کو بہت جلد دھتکار دیا اور وہ عوام کے دلوں میں کوئی جگہ پیدا نہیں کر سکے اور اگر ایسے لوگوں نے اپنے مکر و فریب سے کوئی مقام

حاصل بھی کر لیا ہے تو انھیں اپنے منصب سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔

شاہ معدوم بھی اسی مشکل سے دچار تھا جو تمام ثروت مندوں اور حکمرانوں کو در پیش ہوتی ہے یعنی ملّت سے بیگانہ اور خدا سے دور تھا۔ اس نے سالہا سال مکر و فریب اور طاقت و دولت کے سہارے عوام پر حکومت کرنا چاہی۔ مگر کیا ہوا؟ عوام کی بیداری اور انقلاب کے لئے زمین ہموار ہونے کے بعد پھر اسمیں مقابلہ کی طاقت نہ رہی اور وہ ہمیشہ عوام سے روحانی دوری کے ساتھ ساتھ اپنے جسم کو بھی عوام سے دور کرنے پر مجبور ہو گیا اور ۲۶، دی ماہ ۱۳۵۷ھ (۱۶ جنوری ۱۹۷۸ء) کو نالاں و گریاں ایران سے فرار کر گیا۔ شاہ نے ۱۵ سال سے کم عرصے میں جو انقلاب کے عروج کا زمانہ تھا یکے بعد دیگر چار وزیر اعظم تبدیل کئے اس سے بھی کام نہ چلا تو فوجی حکومت کا سہارا لیا۔ بختیار، جو بظاہر میانہ رو آدمی تھا مگر دراصل ان مہروں میں سے تھا، جنھیں امریکہ نے بہت پہلے تیار کیا تھا۔ شاہ اسے اپنا وزیر اعظم منتخب کرتا ہے مگر شاہ عوام کو کسی طرح بھی فریب دینے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ حد تو یہ ہے کہ ۱۷ شہریور کے حادثۂ خونین کے بعد شاہ نے ملت کی بارگاہ میں توبہ نامہ بھی پیش کیا اور یہ عہد کیا کہ جو کچھ وہ خیانت کاری کر چکا ہے اب اس کا دوبارہ مرتکب نہیں ہو گا مگر اس کی فریب کاریاں جتنی زیادہ ہوتی گئیں ملت اسے دور ہی بھگاتی گئی۔

شاہ نے افسانوی محلوں میں شراب، کباب اور ہوس رانی کی ایک عمر گذاری تھی وہ اپنے چاپلوس اور خیانتکار حواشی کے ذریعہ ایرانی عوام اور ایران کی ہر چیز کو تباہ و برباد کر رہا تھا پھر اسے عوام سے کیا دلی لگاؤ ہو سکتا تھا۔ عوام کی بیزاری کا عالم یہ تھا کہ جس وقت لوگوں نے شاہ کے فرار کی خبر ریڈیو سے سنی تو خوشی کے مارے سڑکوں پر نکل آئے اور پورے ایران میں موجودہ صدی کا بے مثال تاریخی جشن منایا۔ یہی وہ عوام تھے کہ

جب ایک مدت کی جلاوطنی کے بعد امام خمینی کی ایران آنے کی خبر سنتے ہیں تو آپ کے استقبال کے لئے پورے ملک سے لوگ امڈ پڑتے ہیں اور مہر آباد ایرپورٹ سے لیکر بہشت زہرا تک آدمیوں کا سمندر ٹھاٹیں مارتے نظر آتا ہے۔ دنیا نے یہ بھی دیکھا کہ جب امام خمینی کے مکان پر یورش کرنے کی غرض سے بختیار فوجی حکومت قائم کرکے ایک دن اور رات کے لئے مکمل کرفیو آرڈر نافذ کرتا ہے اور ہر طرح کی آمد و رفت کو مطلقاً ممنوع قرار دیتا ہے تو یہی عوام تھے جو کرفیو توڑ کر باہر سڑکوں پر نکل آئے اور امام خمینی کے مکان پر جمع ہو کر چاروں طرف انسانوں کی ایک دیوار کھڑی کردی اور سخت ترین کرفیو کے باوجود بھی اپنے قائد کی حفاظت کرتے رہے۔ عوام کی یہی عاشقانہ مقاومت تھی کہ آخر جس نے انقلاب کو کامیابی کی منزل تک پہنچا دیا۔

خدائی رہنماؤں کے علاوہ ایسے عشق و ایثار کا کسی نسل و قوم میں تاریخ سراغ لگانے سے قاصر ہے۔ آج تک کوئی شاعر اپنے عالم خیال اور شعر و شاعری کی دنیا میں بھی وہ جذب و عشق بیان نہ کر سکا جو آج ہماری موجودہ نسل اس رہبر و قائد اور اس کی ملّت کے درمیان عالم واقع میں دیکھ رہی ہے۔ کسی مصور کے قلم میں یہ طاقت نہیں کہ وہ ایرانی عوام کی حماسہ آفرین میدانوں میں اطاعت کی اس منظر کی تصویر کشی کر سکے۔ خدا پر ایمان انسانیت سے عشق عالمی کفر و الحاد و استکبار کے خلاف نبرد آزمائی اور اسلام کی حیات بخش تعلیمات کی روشنی میں اپنی الٰہی فطرت کی طرف انسان کی بازگشت یہ وہ مناظر ہیں جس کا نقشہ صرف قدرت ہی اپنے ہاتھوں سے کھینچ سکتی ہے اور یہ ہے قیادت کی خصوصیت کہ جس نے ”خمینی“ کو امام کا نام دیا اور یہ ہے انقلاب کی خصوصیت کہ وہ ”انقلاب اسلامی“ کے نام سے پہچانا گیا ــــ اور یہی تنہا وہ راستہ ہے جسے اختیار کئے بغیر قومیں ظلم و ستم اور استعمار و استکبار کے چنگل سے رہائی نہیں حاصل کر سکتیں۔

لمحۂ موعود :- ۱۷ سال کا زمانہ گذر گیا جب امام خمینی نے شاہی حکومت کی بساط الٹ کر حکومت اسلامی قائم کرنے کی بات کہی تھی۔
شاہی حکومت اس مدت میں ہر ممکن کوشش کرتی رہی کہ وہ گھڑی نہ آنے پائے۔ شاہ کا حفاظتی دستہ ہر بلند ہونے والی آواز کو بندوقوں کے شور و ہنگاموں میں دباتا رہا اور سامراجی پروپیگنڈوں کے اڈے شاہ کے ان تمام مظالم اور اس کی دوسری خیانتوں کو شفابخش دوا کہہ کر عوام کو پلاتے رہے اور سمجھتے رہے کہ معاشرے کی رگ حیات انھیں کے ہاتھوں میں ہے۔ اس تاریک اور انسانیت سوز زمانہ میں امام خمینی کی کتاب، تصویر، تحریر یا کوئی خط رکھنا حتی کہ آپ کا نام لینا بھی سخت ترین جرم تھا جس کی کم سے کم سزا یا تو پھانسی تھی یا عمر قید۔

امام خمینی ۱۴ سال تک ترکی اور عراق میں جلاوطن رہے۔ اس دور میں مجاہد علما اور دوسرے انقلابی مسلمانوں نے پوری احتیاط کے ساتھ مخفی طور پر قائد اور عوام کے درمیان رابطہ برقرار رکھا۔ قائد برابر امت کو صبر و استقامت اور مبارزہ و مجاہدہ اور جد و جہد کی تلقین کرتا رہا اور کامیابی کی امید دلاتا رہا۔ ایران میں انقلابی طاقتیں انقلابی افراد کی تربیت کرتی رہیں اور عوام کو پہلوی حکومت کی اصلیت و حقیقت سے باخبر کرتی رہیں۔ اس وقت بہت سے مجاہدین یا تو شہید کر دیئے گئے یا مدتوں جیلوں میں سختیاں جھیلتے رہے۔

اکتوبر ۱۹۷۷ء میں امام خمینی کے بڑے فرزند آیت اللہ سید مصطفیٰ خمینی جس کا شمار بزرگ علماء کی صف میں ہوتا تھا اور جو پہلوی حکومت کے خلاف جہاد کرنے کے جرم میں عراق جلاوطن کر دیئے گئے تھے۔ انھیں نجف اشرف ہی میں مخفی طور پر شہید کر ڈالا گیا۔ یہ کارٹر کی آزادی بخش سیاست کا زمانہ تھا اور عوام کے غم و غصہ کو کم کرنے کے لیے پہلوی

حکومت کی طرف سیاسی آزادی کا اعلان ہو چکا تھا۔ ایرانی عوام خصوصاً حوزہ ہائے علمیہ کے لوگوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور آیت اللہ شہید مصطفےٰ کے ایصال ثواب کی مجلسوں کو شاہ کے خلاف سیاسی جدوجہد کی میٹنگوں میں تبدیل کر دیا اور وسیع پیمانہ پر شاہی نظام کو آشکار کرنے کا کام شروع ہو گیا یہ سلسلہ ۱۹ ر دی ماہ ۱۳۵۶ھ (۹ ر جنوری ۱۹۷۷ء) تک جاری رہا یعنی جس دن حوزۂ علمیہ کے طلبہ نے امام خمینی سے متعلق اخبار "اطلاعات" میں ایک توہین آمیز مضمون شائع ہونے پر احتجاجی جلوس نکالا تھا جسمیں بہت سے لوگ شہید کر دئے گئے تھے۔ اس حادثہ کے بعد ۱۷ ر شہر یور ۱۳۵۷ھ (۸ ر ستمبر ۱۹۷۷ء) کا المناک حادثہ پیش آیا جس میں چار ہزار افراد شہید کئے گئے۔ شہید ہونے والوں میں مرد، عورتیں اور بچے بھی شامل تھے جیسا کہ گذشتہ صفحات میں آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔

۱۷ ر شہر یور (۸ ر ستمبر ۱۹۷۷ء) کے المناک حادثے نے ایک طرف تو شاہ کو سخت وحشت و پریشانی میں مبتلا کر دیا۔ دوسری طرف اس حادثے کے بعد عوام نے شاہی تختہ الٹنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ ۱۷ ر شہر یور (۸ ستمبر ۱۹۷۷ء) کی صبح سے تہران اور ایران کے دوسرے اہم شہروں میں فوجی حکومت نافذ کر دی گئی تھی اور اصفہان میں تو بہت پہلے ہی سے فوجی حکومت نافذ کر دی گئی تھی۔ شریف امامی کی حکومت ۱۷ ر شہر یور کے خونین واقعہ کے چند روز قبل جمشید آموزگار کی حکومت کے زوال کے بعد قائم ہوئی۔ شریف امامی نے جتنی تدبیریں استعمال کیں اور جتنے مکر و فریب اختیار کئے سب بیکار ثابت ہوئے آخر کار اس نے آبان ماہ ۱۳۵۷ھ (نومبر ۱۹۷۷ء) میں فوجی حکومت کا اعلان کر کے اپنی جگہ ازہاری کو مقرر کر دیا۔ ازہاری کی فوجی حکومت نے اس قدر ظلم ڈھائے کہ خدا کی پناہ۔ پہلی محرم کو تہران میں بیگناہ عوام پر جو امام حسین علیہ السلام کی عزاداری میں مصروف تھے مسلسل گولیوں کی بوچھار کر کے سینکڑوں افراد کو شہید کر ڈالا گیا۔ نیز دوسرے شہروں میں

ہر روز اسی قسم کے مظالم ہونے لگے۔ حکومت کے حملوں سے نہ تو عوام کی سیر و تفریح اور اجتماع کی جگہیں محفوظ تھیں جیسے سینما گھر وغیرہ اور نہ ہی مقدس مقامات مثلاً مساجد وغیرہ محفوظ تھیں۔ جمشید آموزگار کی حکومت کے آخری دنوں یعنی مرداد ۱۳۵۷ھ (اگست ۱۹۷۷ء) میں ساواکیوں نے آبادان میں ایک سینما ہال نذر آتش کر دیا جس میں سینکڑوں مرد، عورت اور بچے فلم دیکھنے میں مشغول تھے۔ یہ سب کے سب زندہ جلا دیئے گئے۔ اس بربریت سے ساواکیوں کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح وہ انقلابیوں کو بدنام کریں گے کہ شاہی حکومت کے مخالف انقلابی اپنے مذہبی جوش اور گندی فلموں کی مخالفت میں بے گناہ عوام کو اس بیدردی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار رہے ہیں مگر ایرانی عوام نے اس سازش کو بہت جلد ناکام بنا دیا اور شاہ اور اس کے ایجنٹوں کی حقیقت کو بے نقاب کر دیا۔ مسجد کرمان کی آتش زنی کا ایک دوسرا واقعہ بھی ساواکیوں کے ہاتھوں عمل میں آیا یہ واقعہ شریف امامی کی حکومت کے آخری دنوں میں ہوا۔ شاہی نوکروں نے مسجد کے علاوہ قرآن کو جلا ڈالا اور مسجد میں موجود بہت سے مردوں اور عورتوں کو شہید کر دیا نیز مسلمان عورتوں کی آبرو ریزی کی۔

شاہ کے ان وحشیانہ اور جنون آمیز اعمال خصوصاً اس کی فوجی حکومت نے ماہ محرم میں جن مظالم کا ارتکاب کیا تھا ان کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۹ اور ۱۰ محرم ۱۳۹۹ھ کو تہران اور ایران کے دوسرے شہروں میں ایرانی عوام نے مظاہرے کئے اور احتجاجی جلوس نکالے جن میں ہزاروں نفوس نے شرکت کی قرار دادیں پاس کیں اور حکومت سے شاہ کی برطرفی کا مطالبہ کیا۔ یوم عاشورا ۱۳۹۹ھ کو شاہ خائن نے ایک ہولناک ترین جرم کرنے کا ارادہ کیا، اس نے اپنی منتخب اور چیدہ فوج کو آمادہ کیا تھا کہ وہ میدان آزادی (تہران) میں اور اس کی آس پاس سڑکوں پر لاکھوں کی تعداد میں جو لوگ انقلابیوں کی تقریریں

سن رہے تھے، انہیں توپوں سے، مسلح ہیلی کاپٹروں کے ذریعہ نیست و نابود کردے۔ مگر تہران کی لویزان چھاونی میں جس وقت شاہ کے پٹھو فوجیوں نے حملہ کرنے کے لیے اپنے کو بالکل آمادہ اور تیار کر لیا تھا تو ٹھیک اسی وقت ان میں سے دو عہدیداروں جو ایمان سے سرشار اور انقلاب کے ہواخواہ تھے اور اس سازش سے پوری طرح باخبر تھے، ان فوجیوں پر حملہ کرکے بہتوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور بہت سے زخمی ہوئے اس طرح سے یہ سازش ناکام ہو گئی۔ اور احتجاجی جلوس میں شریک ہونے والے افراد شاہ کی برطرفی کے مطالبہ میں کامیاب ہو سکے۔

لویزان کی سازش ناکام ہونے سے عوام کا احتجاجی جلوس کامیاب ہو گیا اور امریکہ نیز اس سے وابستہ لوگوں کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ امریکہ نے فیصلہ کر لیا کہ اب اپنے اس بہرہ سے فائدہ اٹھانا چاہیئے جسے "جبہہ ملی" کے ذریعہ مدتوں پہلے تیار کیا گیا ہے۔ یہ بدبخت بختیار تھا جس نے وزارت عظمیٰ کا عہدہ قبول کیا۔ بختیار کے آتے ہی ۲۴ دی ماہ ۱۳۵۷ھ (۱۴ جنوری ۱۹۷۹ء) کو شاہ نے راہ فرار اختیار کی اور فرعون مصر انور سادات کی پناہ میں قاہرہ چلا گیا۔

بختیار نے ابتدا میں تو یہی کوشش کی کہ وہ حضرت امام خمینی اور اسلام کی طرفداری اور حمایت کا اظہار کرکے عوام کو اپنے دام فریب میں گرفتار کرے۔ مگر عوام اس کے دام مکر و فریب میں نہ آسکے اور سختی سے اس کی برطرفی کا مطالبہ کرتے رہے۔ بختیار ایک ہی مہینے تو برسر اقتدار رہا مگر اس مدت میں اس نے ظلم و ستم کی انتہا کر دی جس کی ایک کھلی ہوئی مثال میدان انقلاب اور تہران یونیورسٹی میں طلبہ کا وحشیانہ قتل عام ہے۔ اس کا ایک تاریخی جرم یہ بھی ہے، وہ حضرت امام خمینی کو ایران نہیں آنے دینا چاہتا تھا۔ امام خمینی چاہتے تھے پیرس سے ۶ بہمن (۲۶ جنوری ۱۹۷۹ء) کو تہران پہنچ جائیں مگر مہر آباد ائیرپورٹ بختیار کے حکم سے بند کر دیا گیا تھا۔ غرض امام خمینی ۱۲ بہمن (یکم فروری ۱۹۷۹ء) کو ایران

آ سکے۔ امام خمینی کے استقبال کے لیے ایران کے گوشے گوشے سے لوگ آ کر تہران میں جمع ہو گئے
تھے۔ عوام کے سخت دباؤ اور تہران یونیورسٹی کی مسجد میں علماء کے دھرنا لگانے کی وجہ سے
مجبور ہو کر بختیار کو یہ پابندی ختم کرنا پڑی اور امام خمینی نے ایک تاریخی پرجوش استقبال کے
درمیان مہر آباد ایرپورٹ پر نزول اجلال فرمایا اور سیدھے بہشت زہرا تشریف لے گئے اور
وہاں پہنچ کر آپ نے ایک تاریخی خطاب فرمایا اور ایک اہم اعلان کیا کہ "بختیار کی حکومت غیر قانونی
ہے، میں خود بہت جلد ایک حکومت قائم کروں گا۔"

ایران میں امام خمینی کے ورود مسعود کے بعد بختیار صرف دس روز برسر اقتدار
رہ سکا۔ اس مدت میں فوج اور دوسری انتظامی طاقتوں نے اس کی اطاعت سے انکار
کر دیا۔ امام خمینی کی حمایت کا اعلان فضائیہ کے بہت سے لوگوں نے بھی کیا۔ بختیار اس
فکر میں تھا کہ جہاں امام خمینی سکونت پذیر ہیں وہاں پر فضائی اور زمینی حملہ کر کے سب کو
نیست و نابود کر دے، مگر اس کی یہ سازش ناکام ہو گئی اور حسرت پوری نہ ہو سکی۔ بختیار نے
اس سازش کو عملی جامہ پہنانے کا قصد ۲۱ بہمن (۱۰ فروری ۱۹۷۹ء) کو کیا تھا۔ فوجی حکومت کا اعلان کر کے
۲۴ گھنٹے کا مکمل اور سخت کرفیو لگا دیا گیا کہ ایک شخص بھی گھر سے باہر نہیں نکل سکتا۔ مگر
امام خمینی کے حکم پر قوم نے متحد ہو کر کرفیو کا منہ توڑ جواب دیا اور تہران کے گلی کوچوں میں
شاہی ایجنٹوں سے ۲۴ گھنٹے برسر پیکار رہے۔ آخر کار وہ گھڑی آ پہنچی جس کا وعدہ کیا
گیا تھا اور ۲۲ بہمن (۱۱ فروری ۱۹۷۹ء) کو فوج کی تینوں طاقتوں نے ہتھیار ڈال دئے اور اسلامی انقلاب
کے فتح و ظفر کا پرچم بلند ہوا اور ظلم و ستم سے لبریز اور سامراج کی دلال شاہی حکومت
کا تختہ ہمیشہ کے لئے الٹ گیا۔

کامیابی کے بعد

- طولانی راستہ۔
- فطری جوش و خروش۔
- انقلابی ادارے۔

● انقلابی کمیٹیاں ● انقلابی عدالتیں ● سپاہ پاسداران ● امدادی کمیٹیاں ● جہاد سازندگی ● سازمان بسیج ● بنیاد مسکن ● بنیاد مستضعفان ● بنیاد شہید ● نہضت سواد آموزی۔

- جمہوری اسلامی کا نظام حکومت۔

● نظام جمہوری اسلامی کے بنیادی ستون ● عوامی رائے ● احکام اسلام ● نظام جمہوری اسلامی ایران کا ڈھانچہ ● شورائے نگہبان قانون اساسی ● شورائے عالی قضائی (سپریم کورٹ کونسل) ● قیادت یا ولایت فقیہ ● قیادت کے فرائض و اختیارات۔

- نظام جمہوری اسلامی کے نظریات

● اتحاد اسلامی ● مذہبی اقلیتیں ● قومیت اور قوم کے حقوق ● عورتوں کے حقوق ● آزادی ● خارجہ پالیسی ● اقتصادی پالیسی ● ثقافت تعلیم و تربیت اور آرٹ ● فوجی پالیسی۔

- خدمات

● شورائے انقلاب اسلامی ● خارجہ پالیسی کے میدان میں انقلاب کے خدمات ● اندرونی پالیسی کے سلسلہ میں انقلاب کے خدمات ● ثقافتی میدان میں انقلاب کے خدمات ● تہران میں امریکہ کا جاسوسی اڈہ ● اقتصادی و عمرانی میدان میں انقلاب کے خدمات ● انقلاب کے اقتصادی خدمات کی مختصر فہرست۔

○ سازشیں

● تقسیم کی سازش اور شیعہ سنی کا مسئلہ ● دہشت گری، شخصیتوں کا قتل ● قیادت کو تقسیم کرنے کی سازش ● طبس کی سازش ● ناکام "نوژہ" فوجی بغاوت ● ایران پر عراق کی مسلط کی ہوئی جنگ ● منافقانہ بغاوت اور ناکام بنی صدر ● ۲۹ ر جولائی کی ناکام بغاوت ● آئیڈیالوجی القاء کرنے کی ناکام سازش ● ۳۰ ر اگست کی ناکام بغاوت۔

○ صدور انقلاب

طولانی راستہ

کوئی بھی انقلاب جب کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے تو اسے ایک نئی راہ طے کرنا پڑتی ہے انقلاب کی کامیابی کا مطلب ہوتا ہے کہ انقلابی تحریک کو آگے بڑھنے سے روکنے والے موانع برطرف ہو جائیں اور تحریک اس نقطے تک پہنچ جائے جہاں سے انقلاب کے پیغام کا آغاز ہوتا ہے۔ ایسے لوگ جن کے نزدیک انقلاب کا یہ مطلب نہیں ہوتا وہ اس خیال میں رہتے ہیں کہ انقلاب کی کامیابی کے ساتھ ساتھ تمام چیزیں خود بخود بدل جاتی ہیں اور انقلاب کامیاب ہوتے ہی اپنی آخری منزل تک پہونچ جاتا ہے۔ یہ وہ باطل اور غلط خیال ہے جو انقلابی تحریک کے لئے تعمیر و ترقی کی راہ میں بڑی مشکلیں پیدا کر سکتا ہے۔ قدرتی بات ہے کہ جو انقلاب کی کامیابی کا یہ مفہوم سمجھتے ہیں کہ انقلاب آتے ہی ہر چیز خود بخود بدل جاتی ہے ان کی توقعات بالکل غیر منطقی اور واقعیت سے بلند و بالا ہوں گی اور اصولی طور پر جن طاقتوں کو پورے انہماک کے ساتھ انقلاب کا ساتھ دینا چاہئے تاکہ انقلاب ترقی کی راہ پر کامیابی کے ساتھ گامزن ہو سکے وہ بجائے انقلاب کا ساتھ دینے کے انقلاب سے ناجائز فائدے حاصل کرنے کی غرض سے خود کو انقلاب کا ایک جزو سمجھنے لگتے ہیں۔ ایسی صورت میں ایک ایسا انقلاب جو ابھی تازہ کامیابی سے ہمکنار ہوا ہو اور مشکلات کے ہجوم میں گرفتار ہو ایک نئی مصیبت میں الجھ جاتا ہے اور انہی غلط فہمیوں کا نتیجہ ہے کہ انقلاب اپنی ترقی کی قوت و توانائی کو ان غلط فہمیوں کی توضیح و تشریح میں صرف کرے۔

مشرق و مغرب سے وابستہ گروہوں ساواک کے باقی ماندہ افراد اور وہ لوگ جن کے مفادات کو انقلاب سے ٹھیس پہنچی تھی انہوں نے انقلاب کی کامیابی کے بعد انقلاب کے اسی

غلط مفہوم کی آڑ میں نمایاں طور پر بڑا ہی گھناؤنا کردار ادا کیا۔ اپنی جگہ یہ لوگ تو کچھ اور ہی اعتقاد رکھتے تھے مگر اسلام کے خلاف نبرد آزمائی اور حکومت جمہوری اسلامی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی غرض سے انقلاب کی کامیابی کی صبح ہی سے کارخانوں میں دوڑنے اور مزدوروں کو رفاہی امور کی طرف متوجہ کرنے لگے اور پہلوی حکومت کی پھیلائی ہوئی ویرانی اور تباہی و بربادی دور کرنے کے لئے لوگوں کو تشویق و ترغیب دلانے لگے۔ ان گروہوں نے ان مسائل کو اپنے نعروں کے ذریعہ ملک بھر میں بیان کرنا شروع کیا اور عوامی جلسوں میں ان مسائل کو رکھا۔ ان پارٹیوں کو اپنے خیال خام میں بڑی طاقتوں کی وابستگی کی وجہ یہ اعتماد ہو گیا تھا کہ وہ ان مسائل میں کامیاب ہو گئی ہیں چنانچہ ان کا ایک لیڈر جو بظاہر مارکسی تھا مگر فی الحقیقت امریکی ایجنٹ تھا ایک عوامی اجتماع میں یہ دعویٰ کر بیٹھا کہ اگر ملک کی اقتصادیات اس کے سپرد کر دی جائے تو وہ ملک کو اقتصادی حیثیت سے ایک ہی رات میں خود کفیل بنا دیگا۔

اس مسئلہ سے عوام کی توجہ موڑ کر ان کے ذہن میں یہ بٹھانا کوئی معمولی کام نہ تھا کہ انقلاب کی کامیابی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انقلاب کا کام اب تمام ہو چکا ہے۔ اب جبکہ انقلاب کامیاب ہوئے دو سال چند ماہ کا عرصہ گذر چکا ہے اور ملک چلانے والی انقلابی طاقتیں اپنی پوری توانائی کے ساتھ ملک کی تعمیر و ترقی میں مصروف تھیں۔ وہ انقلاب مخالف پارٹیوں اور جماعتوں کی اصلی حقیقت کو واضح نہ کر سکیں اور ان کی گوناگون شاخوں مثلاً ملی گرائی اور لبرل ازم کی اصلی حقیقت کو عوام کے سامنے آشکار کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔ اور عوام کے ذہنوں میں ابھی تک یہ نہیں بٹھایا جا سکا کہ انقلاب کے سامنے ایک طولانی راستہ ہے اور ہر شخص کو اپنے انقلاب کا دین دار سمجھنا چاہئے نہ یہ کہ وہ خود انقلاب کو ہی اپنا دیندار اور جواب دہ تصور کرے، نہ یہ کہ لوگ اس انقلاب سے ابتداء راہ میں ہی توقع کرنے لگیں۔ وہ بھی ایک ایسے ملک کے انقلاب سے جو ثقافتی، اقتصادی، سیاسی، فوجی غرض ہر حیثیت سے کامل طور پر

وابستہ رہا ہو، اور انقلاب کے دوران ملک کو بری طرح سے ویران و برباد کر دیا گیا ہو جسے بغیر بڑی عوامی طاقت اور ایک طولانی مدت کے آباد کرنا اور دوبارہ ترقی دینا ممکن نہیں ہے
بلاشبہ اگر لاکھوں عوام کا قائدِ انقلاب اور اصلی انقلابی طاقتوں پر کامل اعتماد نہ ہوتا، تو کیا تعجب تھا یہ انقلاب بھی مشرق و مغرب سے وابستہ پارٹیوں اور ان لوگوں کے غلط پروپیگنڈوں کا شکار ہو جاتا جن کے مفادات کو انقلاب سے خطرہ پیدا ہو گیا ہے اور جو ہر وقت بڑی طاقتوں اور ان کے ایجنٹوں کی سازشوں کو عملی جامہ پہنانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ ایرانی عوام کا اسلام سے بے پناہ عشق اور اسلامی حکومت کے قیام کے لئے ان کا بے مثال جذبہ داناد شمن اور نادان دوست کی ہر قسم کی سازش کو ناکام بنانے میں رکاوٹ بن گیا۔ جو لوگ انقلاب کو اصلی اسلامی راستے سے ہٹانا چاہتے تھے اور ایران کو دوبارہ پھر سامراج کی آغوش میں بٹھانے چاہتے تھے۔ ایران کے سچے انقلابی مسلمانوں کے اتھاہ اسلامی جذبے کی وجہ دشمنوں کی یہ مراد پوری نہ ہو سکی۔

ایران کے اسلامی انقلاب کی یہی تو خصوصیت ہے کہ وہ داخلی اور بیرونی دشمنوں کے علاوہ نادان دوستوں کے شدید حملوں کا ابتدائی زمانے سے شکار رہ کر بھی استحکام کے ساتھ آگے بڑھتا رہا۔ انقلاب کی تاریخ میں یہ نکتہ ہمیشہ یاد رہے گا کہ ایران اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد ۹ ماہ تک ایسے لوگوں کے ہاتھوں رہا جو انقلاب کی خالص اسلامی ماہیت سے بالکل موافقت نہیں رکھتے تھے اور اسے اصلی راستے سے منحرف کر دینے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے تھے مگر اسلامی انقلاب اپنی ماہیت و اصلیت کا تحفظ کرتے ہوئے اپنی ہی راہ پر گامزن رہا۔ مجلس خبرگان جس وقت جمہوری اسلامی ایران کے دستور اساسی کی تدوین میں مشغول تھی تو عارضی حکومت نے اٹھارہ وزیروں کے دستخط سے مجلس کو توڑ دینے کا اعلان کیا تھا۔

عارضی حکومت کے اس ناپاک اقدام کا سبب یہ تھا کہ مجلس خبرگان نے دستور اساسی کی تدوین کیلئے عارضی حکومت کے پیش کردہ افراد کو رد کر دیا تھا کیونکہ وہ لوگ دراصل مغربی افکار کے حامل تھے اور دستور اساسی میں بھی وہی مغربی رجحانات سمونا چاہتے تھے اور مجلس خبرگان دستور اساسی کو فقط اسلام کی بنیاد پر مرتب کرنے کے حق میں تھی اور "ولایت فقیہ" کو قانون اساسی کا ستون بنانا چاہتی تھی چونکہ عارضی حکومت اس نقطہ نظر سے متفق نہ تھی۔ اس لئے اس نے سوچا کہ ملت اور قائد کے مشورے سے پہلے ہی مجلس خبرگان کو توڑ دیا جائے۔[9]

اگر ہم یہ معلوم کرنا چاہیں کہ عارضی حکومت اور "نہضت آزادی" کا نو ماہ کے اندر انقلاب کے ساتھ کیا برتاؤ رہا ہے تو ہم اس سلسلے میں یہاں پر بطور نمونہ صرف دو واقعے کیطرف توجہ دلاتے ہیں ـــ پہلا نمونہ:

انقلاب اسلامی کی کامیابی سے صرف چند روز پہلے جب امام خمینی نے مہدی بازرگان کو وزیر اعظم مقرر کیا اور مہدی بازرگان نے ۱۰ فروری ۱۹۷۹ء یعنی انقلاب کی کامیابی کے صرف ایک دن پہلے اپنی کابینہ کے وزیروں کو تعین کرنے کا ارادہ کیا تو ایک شخص علی اصغر سید جوادی کو وزیر تعلیم مقرر کرنے کی تجویز شورائے انقلاب میں پیش کی۔ علی اصغر وہ شخص تھا جسے شاہ معدوم اپنے اطمینان کے لئے بطور سوپاپ (خودکار سوئچ) استعمال کرتا تھا۔ یہی وہ شخص تھا جو لوگوں کو یہ باور کرانا چاہتا تھا کہ شاہ کی حکومت میں بالکل سکون اور اطمینان ہے کسی قسم کا خلفشار نہیں ہے یہی وہ شخص تھا جس نے شاہ کو خطوط لکھے تھے اور ان میں فروعی مسائل کا ذکر کرتے ہوئے اس کے تمام جرائم اور تشدد کا شاہی حکومت کے عہدیداروں کو ذمہ دار قرار دیا تھا تاکہ خود شاہ ان جرائم سے بری ہو سکے۔ ساواک کی ایجنٹ اس کی حقیقت کو چھپانے کی غرض سے کبھی کبھار اس کے گھر میں تلاشی کے لئے بھی چلے جاتے تھے ایک مرتبہ تو اس کے گھر کے آس پاس بم بھی رکھ دیا تھا جس کے پھٹنے کی خبر کی اخبارات میں بڑے پیمانے پر تشہیر ہوئی۔ یہ سب

اس امید میں کیا جارہا تھا تاکہ عوام کو یہ باور کرایا جاسکے کہ علی اصغر کا شاہ سے کوئی تعلق نہیں۔
علی اصغر سید جوادی نے انقلاب کی کامیابی کے بعد "مجاہدین خلق" اور کچھ ایسی جماعتوں کو ساتھ لیکر، جو بڑی طاقتوں کی طرف رجحان رکھتی تھیں، جمہوری اسلامی پر سخت اعتراض کیا اور اس کے انقلابی اقدام کو ڈیموکریسی کے خلاف قرار دیا۔ اخبار "آیندگان" جس کا پورا خرچ اسرائیل کی طرف سے دیا جاتا تھا اور جو صیہونی اور امپریلیزم کے مفادات کا زبردست حامی تھا، علی اصغر سید جوادی کو اس اخبار کا بھرپور تعاون حاصل تھا۔ ایک مرتبہ خود اس نے ساواکیوں کو لکھا تھا اور اس کے لکھنے کے بموجب ساواکیوں نے اس کے گھر کی تلاشی لی اور کوئی چیز برآمد نہیں ہوئی، البتہ اس کی فرج میں شراب کی صرف چند بوتلیں ملیں۔
مہدی بازرگان نے ایسے شخص کے لئے وزیر تعلیم بنائے جانے کی تجویز پیش کی تھی مگر شورائے انقلاب کے ممبروں، خصوصاً آیت اللہ شہید بہشتی اور آیت اللہ شہید مطہری کی شدید مخالفت کی وجہ سے یہ تجویز پاس نہ ہوسکی۔ ان علماء کا استدلال یہ تھا کہ ایسے انسان کو بھلا کیسے قبول کیا جاسکتا ہے کہ جس کی وابستگی سے قطع نظر اس کے اسلام کا حال یہ ہے کہ اس کی فرج سے پانی کے بجائے شراب کی بوتلیں برآمد ہوتی ہیں۔ ایک ایسے انسان کو ایک ایسی حکومت کا کوئی عہدہ کیسے دیا جاسکتا ہے، جسے اسلامی حکومت بنانے کے لئے ساٹھ ہزار شہداء نے اپنا خون دیا ہو۔ وہ بھی وزارت تعلیم و ثقافت کا عہدہ، جس پر فائز ہونے والے شخص کو خود ثقافتی انقلاب کا حامل ہونا ضروری ہے اور معاشرہ میں اسلامی ثقافت کو رواج دینا اس کا فرض منصبی ہے۔
دوسرا نمونہ یہ ہے کہ انقلاب کی کامیابی کا ابھی بالکل ابتدائی زمانہ تھا اور شورائی انقلاب اور عارضی حکومت کی ایک مشترکہ میٹنگ تھی اس میٹنگ میں ایک رپورٹ یہ پیش کی گئی کہ کسی عام جلسے میں عوام نے "مرگ بر امریکہ" کا نعرہ لگایا ہے، یہ سنتے ہی

مہدی بازرگان صاحب چراغ پا ہو گئے اور کہنے لگے "ابھی تازہ بہ تازہ امریکہ ہمارے ملک سے باہر ہوا ہے، ہم امریکہ سے تعلقات رکھنے پر مجبور ہیں ہمیں اسے ناراض نہیں کرنا چاہیئے۔"

مہدی بازرگان صاحب کی ذرا گفتگو ملاحظہ فرمائیں یہ ایک ایسے ذمہ دار شخص کی گفتگو ہے جو ایک ایسے انقلابی ملک کا وزیر اعظم ہے جو امریکہ سے مقابلہ کرنے کی ٹھانے ہوئے ہے۔ مہدی بازرگان کی گفتگو سے ان کے اور ان کے ہم خیال لوگوں کے طرز فکر کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہ دو واقعے جو ہم نے بطور نمونے کے پیش کئے ہیں ان کے علاوہ بہت سے واقعات ہیں، مثلاً عارضی حکومت کے سپیکر عباس امیر انتظام کا امریکہ کے لئے جاسوسی کرنا۔ ان تمام واقعات سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ عارضی حکومت انقلاب کو اس کے اصلی اور اسلامی راستے سے ہٹانا چاہتی تھی۔ ان سارے واقعات سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ عارضی حکومت نے ۹ ماہ کے اندر صرف ایک ایسے ملک کے انقلاب پر وار کئے ہیں، جہاں کے لوگ اپنے ملک کی تباہی و بربادی کا ذمہ دار امریکہ کو سمجھتے ہیں اور انہوں نے اس لئے خون دیا ہے کہ ان پر مغربی و مشرقی افکار کی جگہ خالص اسلامی افکار کی حکمرانی ہو۔ ان تمام حالات میں اس انقلاب نے شدید ترین حملے برداشت کئے اور بڑی طاقتوں کی تمام سازشوں کو جھیلتے ہوئے اپنی راہ پر جما ہوا ہے حقیقت یہ ہے کہ ایران کے عوام کو ابھی بہت طول طویل سفر در پیش ہے اور وہ اپنے اس طولانی سفر کو جاری رکھنے کے لئے پوری توانائی کے ساتھ آمادہ ہیں۔

فطری جوش و خروش

گذشتہ صفحات میں اشارہ کیا جا چکا ہے کہ ایران کا اسلامی انقلاب ایک مستقل انقلاب ہے۔

اس انقلاب نے نہ ابتداء میں کسی بیرونی طاقت کا سہارا لیا اور نہ ہی کامیابی کے وقت، بلکہ کامیاب ہونے کے بعد بھی اس نے کسی بیرونی طاقت کی مدد حاصل نہیں کی بلکہ یہ انقلاب کامیاب

ہونے کے بعد برابر سازشوں سے دوچار ہوتا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایرانی عوام نے ملک کی سالمیت اور انقلاب کے ثمرات کے تحفظ کے لئے کسی بیرونی طاقت کی مدد کی توقع نہیں رکھی بلکہ خود ہی پرجوش طریقے پر میدان عمل میں اتر پڑے۔

انقلاب کی کامیابی کے بعد جب سرکاری اداروں، فوجی اور انتظامی مرکزوں کو از سر نو کھولنے کا وقت آیا تو اس وقت بڑا شدید خطرہ اس بات کا تھا کہ مخالفین انقلاب اور مفاد پرست افراد ملک کے اسناد و کاغذات، کرنسی (روپئے پیسے) اور دفتری و فوجی ساز و سامان غائب نہ کردیں۔ اس نازک مرحلے میں عوام کے اندر خود بخود جوش خروش پیدا ہوا اور ملک کے ہر حصے میں کمیٹیاں قائم ہوگئیں۔ ان کمیٹیوں نے انقلاب اور ملک کی سالمیت اور حفاظت کے لئے بے نظیر خدمات انجام دئے۔ انھیں کمیٹیوں نے یہ کارنامہ انجام دیا کہ شاہی حکام اور ایجنٹوں کو پکڑ پکڑ کر انقلابی عدالتوں کے حوالے کیا۔ ان کمیٹیوں نے ہی سرکاری اموال کو ضد انقلاب اور مفاد پرست افراد کے ہاتھوں تباہ ہونے سے بچایا۔ ان کمیٹیوں نے ہی انقلاب کی کامیابی کے ابتدائی مہینوں میں جبکہ حالات بڑے ہی نازک تھے۔ عوامی مال و دولت اور لوگوں کی ناموس و عزت کی حفاظت کی اور ہر جگہ ہر قسم کی ضد انقلاب تحریکوں کو دبایا۔ اس کے باوجود انقلاب کی کامیابی کے ابتدائی دنوں میں جبکہ ابھی پوری طرح کنٹرول نہیں ہو سکا تھا بھاری تعداد میں اسلحے روپئے پیسے اور بہت سے دوسرے ساز و سامان وابستہ گروہوں مثلاً مجاہدین خلق اور سازمان چریکہائے فدائی خلق نیز دوسرے مفاد پرست افراد کے ذریعہ لوٹ کھسوٹ کر لئے گئے۔

انقلاب اسلامی کی کامیابی کے بعد یہ خود جوشی اور یہ گراں قدر جوش و خروش صرف انقلابی کمیٹیوں کے درمیان محدود نہیں رہا۔ مگر ہاں انقلابی کمیٹیاں سب سے

پہلے ظاہر اور نمودار ہوئیں جو عام لوگوں کے بیکراں جوش و جذبے سے پیدا ہوئیں جو اپنی اہمیت اور قدر و قیمت کی وجہ سے ہمارے انقلاب میں جوش پیدا کرنے کا ذریعہ سمجھی جانے لگیں، کیونکہ انقلاب کی کامیابی کا ابتدائی زمانہ خطرات سے پر اور بڑا ہی نازک تھا اس زمانہ میں انقلاب کا وجود و عدم انھیں انقلابی کمیٹیوں کے ہاتھوں میں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انقلاب کے کامیاب ہوتے ہی ملک کے اندر مخالفین انقلاب اور بیرون ملک ان کے آقاؤں کی طرف سے ان انقلابی کمیٹیوں کے خلاف زبردست پروپیگنڈے کیے گئے اور ان پر شدید ترین حملے ہوئے۔ جس وقت سامراجی ریڈیو ان کمیٹیوں کے خلاف زہر اگل رہے تھے ان کمیٹیوں کے پاسدار اپنی عزیز جانوں کو ہتھیلیوں پر رکھ کر تہران اور ایران کے دوسرے شہروں میں رات کی تاریکیوں میں انقلاب کے دشمنوں کی گولیوں کا نشانہ بن رہے تھے اور اسلامی انقلاب اور اپنے ملک و وطن کے لیے قربانیاں پیش کر رہے تھے۔ ان حالات میں بھی ان کمیٹیوں نے ہمیشہ سازشوں کا دلیرانہ مقابلہ کیا اور انقلاب کے دشمن عناصر کو شکست دیکر سامراجیوں اور اندرون ملک ان کے آگاہ و ناآگاہ ایجنٹوں کے تیار کردہ خیانت آمیز منصوبوں کو نقش برآب بنا کر انقلاب کو استحکام و دوام بخشا۔

ان کمیٹیوں کے علاوہ مختلف صنعتی، فوجی، زراعتی، طبی، ثقافتی اور فنی شعبوں میں انقلاب کی کامیابی کے بعد دو سال کے مختصر عرصے میں نئی امنگیں اور اپنا جوش پیدا ہو چکا ہے جسے انقلاب اسلامی کے بہترین ثمرات میں شمار کرنا چاہیئے۔

یہاں یہ بھی ذکر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پہلوی حکومت سامراجیوں کی بنائی ہوئی چیزوں اور ساز و سامان کو بیرونی ممالک سے فراہم کر کے ایرانی معاشرہ کو اسراف اور فضول خرچی کا عادی بنا کر صنعتی، زراعتی، فوجی، طبی، ثقافتی غرض زندگی کے تمام شعبوں میں ایرانیوں کی ہر قسم کی صلاحیت و استعداد کے ظاہر ہونے میں رکاوٹ

بنی ہوئی تھی ۔ پہلوی حکومت کی ہمیشہ صرف یہی کوشش نہیں رہی کہ وہ ایران کے اقتصادی سسٹم کو بدل کر ایک اسراف اور فضول خرچی کا سسٹم جاری کردے بلکہ ہمیشہ اس کی یہ بھی فکر اور کوشش رہی کہ وہ ایرانی عوام کے ذہنوں میں یہ بات جاگزیں کردے کہ ایرانی لوگ کسی شعبے میں خود کوئی ایجاد و اختراع کے لائق نہیں ہیں بلکہ انھیں ہمیشہ دوسروں کی ہی بنائی ہوئی چیزیں استعمال کرنی چاہیئے یہاں تک کہ فکر و نظر میں دوسروں کا پابند رہنا چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ایران جہاں کے لوگ ہمیشہ بڑی استعداد و صلاحیت کے مالک رہے ہیں اور تاریخ میں ایران کے فلاسفہ محققین اور ایجاد و انکشاف کرنے والوں کے نام نمایاں حیثیت کے حامل تھے، پہلوی دور حکومت میں ایک بھی ویسا نمایاں کام انجام نہ دے سکا اگر کسی نے ہمت کرکے ایسا اقدام کرنا بھی چاہا تو وہ فوراً ساواکیوں کی نظروں پر چڑھ گیا پھر اس کے لئے دو ہی صورتیں تھی یا تو وہ اپنے ارادے اور اقدام سے باز رہے اور یا موت کو گلے لگالے ۔ رضا پہلوی نے اپنی حکومت کے آخری زمانے میں ایسی متعدد خیانتوں کا ارتکاب کیا اور ایسے افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا جو ایجادات کے سلسلہ میں کچھ کام کرنے پر تلے ہوئے تھے ۔

فطری بات ہے کہ یہ سرکوب شدہ اور کچلی ہوئی صلاحیتیں انقلاب کے بعد ابھریں اور اپنی ایجادات و اختراعات کے ذریعہ ایران کو خود کفائی کی طرف لے جائیں اور اسے ایسی اقتصادی وابستگی سے نجات دلائیں جو سیاسی وابستگی کا وسیلہ ہے ۔ سنہ ۱۹۸۰ء میں تہران میں جو نمائش ہوئی تھی اسمیں ایرانیوں نے سو سے زیادہ اور سنہ ۱۹۸۱ء کی نمائش میں ڈھائی سو سے زائد صنعت و حرفت کے مختلف میدانوں میں اپنی ایجادات و مصنوعات پیش کیں ۔ ثقافتی اور فنی شعبے میں ایسی ترقی اور پیش رفت کی مثال موجود ہے اور مزید تیزی کے ساتھ ترقی ہو رہی ہے ۔

پہلوی دور حکومت میں ایران کے شعراء آرٹسٹ اور اہل قلم یا تو اپنے فن کو سرکاری کمیونزم کی خدمت کے لئے وقف کر دینے پر مجبور تھے تاکہ وہ شاہ کے ظلم و جور سے محفوظ رہیں یا پھر وہ اس ذلت و رسوائی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے گوشہ نشین ہو جائیں اور دونوں حال میں وہ اپنی صلاحیت کو صحیح طور پر بروئے کار نہیں لا سکتے تھے۔ آج انقلاب نے ان کے لئے میدان فراہم کر دیا ہے اور فن کے خالق گوناگون ثقافتی شعبوں میں اپنی اپنی صلاحیتوں کو آزما رہے ہیں اور بڑے قیمتی جواہر پاروں کی تخلیق کر رہے ہیں۔

انقلابی ادارے

انقلاب سے پہلے ایران کا فوجی، اداری اور انتظامی ڈھانچہ وابستگی رکھنے کے ساتھ ساتھ اس قدر بد اخلاقی اور فتنہ و فساد سے لبریز تھا کہ جو کسی طرح بھی انقلاب کی خدمت نہیں کر سکتا تھا یا کم از کم اتنی جلدی اپنے کو انقلاب کا ہم آہنگ نہیں بنا سکتا تھا اس لئے انقلاب کے بعد بنیادی طور پر اور فوری طور پر ایسے اداروں کی ضرورت تھی جو مختلف میدانوں میں عوامی ضروریات کو پورا کر سکیں۔ یہ ہے فلسفہ انقلابی اداروں کے وجود میں آنے کا انقلابی اداروں سے مراد ہے انقلابی کمیٹیاں، انقلابی عدالتیں، سپاہ پاسداران انقلاب اسلامی، امدادی کمیٹیاں، جہاد سازندگی، سازمان بسیج، بنیاد مسکن، بنیاد شہید، بنیاد مستضعفان اور نہضت سواد آموزی۔

ان اداروں میں سے کسی ایک کی بھی تاسیس کا مقصد یہ نہیں تھا کہ اس کے مشابہ کسی سرکاری تنظیم یا ادارے کو نابود کر دیا جائے بلکہ ان اداروں کے بنانے کا اصلی مقصد یہ ہے کہ یہ ادارے وزارتوں اور سرکاری اداروں کے پہلو بہ پہلو سماج کی خدمت کریں اور انقلاب کی ضرورتوں اور تقاضوں کو پورا کریں تاکہ سرکاری اداروں

کے اس نقص اور کمی کی تلافی ہو سکے جو ان کے ساخت و بافت کے تقاضے کی بنا پر پایا جاتا ہے۔ البتہ انقلاب کی کامیابی کے بعد ہی سے دشمنوں اور نادان دوستوں کی طرف ملک کے اندر اور باہر ان اداروں اور تنظیموں کے خلاف زبردست طریقے اور وسیع پیمانے پر پروپیگنڈے ہونے لگے۔ اس سازش میں جن لوگوں کا ساتھ تھا ان کا مقصد یہ تھا کہ ان اداروں اور تنظیموں کو سرکاری اداروں کا رقیب اور حریف بنا کر پیش کریں تاکہ وہ لوگ جو سرکاری اداروں میں مشغول کار ہیں۔ انہیں ان اداروں سے بدگمان کر سکیں اور سرکاری اداروں اور انقلابی اداروں میں ٹکراؤ اور مقابلہ کی صورت پیدا ہو سکے جس کے نتیجے میں دونوں ہی مفلوج اور بیکار ہو جائیں۔ ان سازشوں کے دوش بدوش دوسرے اقدامات بھی بڑے پیمانہ پر کئے گئے۔

ان انقلابی اداروں پر تہمت لگا کر انھیں داغدار بنانے کا منصوبہ بھی ان ایجنٹوں نے بنایا تاکہ ان اداروں کو عوام کے سامنے گھناؤنی صورت سے پیش کیا جا سکے۔ یقین جانئے کہ ان جھوٹے اور غلط پروپیگنڈوں نے ان انقلابی اداروں پر بہت زبردست وار کئے اور ان سے جہاں تک ہو سکا ان اداروں کی ترقی اور پیشرفت میں رکاوٹیں ڈالی ہیں۔ مگر یہ غلط اور جھوٹے پروپیگنڈہ کرنے والے افراد اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان انقلابی اداروں نے غلط پروپیگنڈوں اور عارضی حکومت جو سرکاری اداروں کو دفتر شاہی کے طور پر استعمال کرنا چاہتی تھی اس کی پیدا کردہ تمام رکاوٹوں کے باوجود کامیابی کے ساتھ کارہائے نمایاں انجام دئے اور ملک و انقلاب کی نازک ترین لمحات میں زبردست خدمات انجام دیں۔

یہاں ہم ان انقلابی اداروں کے وجود و قیام کے فلسفے اور ان کے خدمات کو اختصار کے ساتھ بیان کر رہے ہیں:

(۱) **انقلابی کمیٹیاں**: جیسا کہ گذشتہ صفحات میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ کمیٹیاں

عوامی جوش و جذبے کی وجہ سے معرض وجود میں آئی ہیں اور انقلاب اسلامی کی کامیابی کے ساتھ ساتھ ہی ان کی تشکیل ہوئی ہے۔ ان انقلابی کمیٹیوں کی سب سے بڑی ذمہ داری ملک میں امن وامان کو باقی رکھنا تھا نیز شاہی حکومت کے ایجنٹوں اور گرگوں سے بیت المال کو محفوظ رکھنا تھا تاکہ یہ لوگ انقلاب دشمن عناصر اور وابستہ گروہوں کے ذریعے سے لوٹ کھسوٹ کر تہس نہس نہ کرسکیں۔ یہ انقلابی کمیٹیاں بہت سی تعداد میں انقلاب کی کامیابی کے ایک ماہ قبل ہی بہت سے شہروں میں قائم ہو چکی تھی اور اسی وقت سے ان شہروں پر ان کا پورا پورا کنٹرول تھا اور شاہی حکومت کے ایجنٹوں پر ان کی بھرپور نگرانی تھی۔

ان انقلابی کمیٹیوں کے متعلق ہم گذشتہ صفحات میں اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے ضروری ضروری چیزیں بیان کرچکے ہیں۔ یہاں جس ضروری نکتے کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ ابتدا ہی میں جس وقت یہ کمیٹیاں تشکیل پا رہی تھیں، ضد انقلاب عناصر کی یہ کوشش تھی کہ وہ ان کمیٹیوں میں کچھ اپنے آدمی بھی داخل کردیں تاکہ ان گھس پیٹھیوں کے ذریعہ یکسوئی کے ساتھ رکاوٹیں پیدا کرسکیں اور موقع پاکر انقلاب کے ساتھ کرسکیں اور دوسری طرف اپنے غلط اعمال و کردار کے ذریعہ ان کمیٹیوں کو عوام میں بدنما طریقہ پر پیش کرسکیں نیز سامراجیوں کے پروپیگنڈا لاؤڈ سپیکروں کو منہ بولی مراد مل جائے اور وہ ان کمیٹیوں پر جی بھر کے الزام تراشی کرسکیں۔

فطری بات ہے کہ انقلاب کے ایسے حساس حالات میں وہ بھی عین کامیابی کے دنوں میں جس وقت کنٹرول کرنا بے حد مشکل کام ہوتا ہے چہ جائیکہ اس طرح کے عوارض اور مشکلات کا ایسے اداروں میں پیدا ہو جانا جو خود جوشی کی بنا پر معرض وجود میں آئے ہوں اور ان کے پنے تلے اور پہلے سے بنے بنائے پروگرام ابھی ظہور پذیر نہ ہوئے ہوں مگر خوش قسمتی سے یہ تمام مشکلات بہت جلد برطرف ہوگئیں اور یہ کمیٹیاں غلط اور برے

عناصر کی پاکسازی کرتے ہوئے اپنی دھن میں لگی ہیں اور آگے بڑھتی رہیں اور ملک و انقلاب کے لئے اہم خدمات انجام دیتی رہیں۔ فی الحال یہ کمیٹیاں سپاہ پاسداران، بسیج اور پلیس کے پہلو بہ پہلو انتظامی کاموں میں مشغول ہیں اور جب تک انتظامی طاقتیں کامل طور پر فعال نہ ہوجائیں گی یہ کمیٹیاں اپنے کاموں میں مشغول رہیں گی۔

۲ **انقلابی عدالتیں :** پہلوی دور حکومت میں ایران کا عدالتی محکمہ دراصل ایک بیکار اور بے مصرف محکمہ تھا جو صرف حکومت کے پٹھوں کی منشا کے مطابق کام کرتا تھا جسے عدالتی استقلال و آزادی بالکل ہی حاصل نہ تھی۔ معدودے چند ججوں اور وکیلوں کے نہ تو کسی جج میں جج ہونے کے شرائط موجود تھے اور نہ ہی کسی وکیل میں وکیل ہونے کے اور نہ ہی وہ حقوق و قانون سے واقف تھے۔ بہت سے ایسے افراد جو ایران کے محکمہ عدالت میں ستون کی حیثیت رکھتے تھے۔ وہ پہلوی حکومت کے آلۂ کار ہونے کے علاوہ سامراجیوں کے دلال بھی تھے اور وہ بڑی بڑی سامراجی کمپنیوں کے مفادات کے لئے کام کرتے تھے اور منصوبہ سازی کی آڑ میں ملک کی قدرتی دولت و ثروت لوٹ کھسوٹ کر یہ لوگ دنیا کے خونخواروں کے مفادات کی حمایت میں لگے ہوئے تھے۔ عدالت کے بہت سے کارکن FRANC - MACONNERIE سے تعلق رکھتے تھے۔ حقوق دانوں کا ایک گروہ ایسا بھی تھا جو "جمعیت حقوق بشر" کے ماتحت زیادہ تر شرق و غرب کے لٹیروں کی حمایت اور ان کے دفاع کیلئے کام کرتا تھا اسی ادارے کا ایک اہم رکن حسن نزیہ بھی تھا۔ یہ بدبخت "نہضت آزادی ایران" کی مرکزی کمیٹی کا بھی رکن تھا۔ عارضی حکومت میں یہ شخص "ایران آئیل کمپنی" کا ڈائریکٹر مقرر ہوگیا یہ خائن کمپنی میں کام کرنے والے ان امریکیوں کی تنخواہیں برابر بھیجتا رہا جو انقلاب کی کامیابی سے پہلے ہی امریکہ بھاگ گئے تھے۔ اس مثال سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ ایران کی عدلیہ امریکی نیز دوسری بڑی طاقتوں کے مفادات کے لئے کیونکر کام کررہی تھی۔ جب حسن نزیہ جو بظاہر

پہلوی حکومت کے مخالفین میں انقلاب اسلامی کی کامیابی کے بعد اور ایران سے امریکہ کو بھگا دیے جانے کے بعد امریکی مفادات کا اتنا زبردست حامی تھا تو ناظرین کرام اندازہ لگا سکتے ہیں کہ دوسرے نام نہاد حقوق دانوں کا کیا بد سے بدتر حال رہا ہوگا۔

یہ بالکل فطری بات تھی کہ یہ عدالتیں قطعی طور پر پہلوی حکومت کے بڑے بڑے خیانتکاروں کو کٹہرے میں کھڑا نہیں کر سکتی تھیں اور انقلابی حالت میں ملک کی عدالتی ضرورتوں کو ہرگز پورا نہیں کر سکتی تھیں۔ بلاشبہ اگر پہلوی دور حکومت ہی کی عدالتیں باقی رہ جاتیں اور انہیں کے سپرد ان شاہی پٹھوں کا معاملہ کر دیا جاتا تو ان جرائم پیشہ لوگوں میں سے بہتوں کو صاف بری کر دیا جاتا اگر کچھ لوگوں کو سزا دی بھی جاتی تو یا تو انھیں تھوڑے دنوں کے لئے جیل میں ڈال دیا جاتا یا پھر عدلیہ میں ان کے کام کرنے والوں کے ذریعہ انھیں ملک سے باہر بھگا دیا جاتا۔ اس کے علاوہ عدلیہ میں کام کرنے والے شاہی دور کے بہت سے ایسے افراد بھی تھے جن کو اصولی طور پر عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کرنا ضروری تھا اور انھیں سزا دینی لازمی تھی کیونکہ انھیں لوگوں کی خاموشی بلکہ انھیں کی مدد اور کمک سے ایسی جنایتوں کے لئے شاہی حکومت کے ہاتھ کھلے ہوئے تھے۔ یہاں یہ نکتہ بھی بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عارضی حکومت نے پیکر انقلاب اسلامی پر کاری ضرب لگائے تھے۔ ان میں ایک تو یہی ہے کہ اس حکومت کی جان توڑ کوشش یہی تھی کہ ایران کی عدالتیں اپنی سابقہ حالت پر باقی رہیں اور ان میں بالکل ہاتھ نہ لگایا جائے اور انقلابی عدالتیں قائم ہونے کے بعد بھی برابر ان کی یہی کوشش رہی کہ انقلابی عدالتوں میں ملک و قوم کے جنایتکاروں اور خیانت کاروں کی فائلیں دب جائیں اور وہ انقلابی عدالتوں کے ہاتھ نہ لگ سکیں۔ بنابریں انقلاب اسلامی کے لئے انقلابی عدالتوں کا وجود و قیام بہت اہم اور ضروری تھا چنانچہ انقلاب اسلامی کی کامیابی کے بعد ہی انقلابی کمیٹیوں کے ساتھ ساتھ ان انقلابی عدالتوں کا قیام بھی عمل میں آیا۔ ان عدالتوں نے اسلامی احکام کی بنیاد پر انقلابی طریقے سے پہلوی

حکومت کے فوجی افسروں کو عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کیا اور جو لوگ خیانت کے مرتکب ہوئے انہیں دار پر چڑھانے کے لئے اقدام کیا۔ امیر عباس ہویدا، جو شاہ کے تشدد آمیز دور میں ۱۳ سال تک وزیر اعظم رہا، ساواک کا ڈائریکٹر جنرل، جنرل نصیری اور دوسرے چند فوجی افسر، جن میں سے ہر ایک ہزاروں بے گناہ عوام کے قتلِ عام کا سبب تھا اور اسی طرح چند بڑے سرمایہ دار جو امریکہ سے ایران کی وابستگی کا باعث تھے، ایسے جرائم پیشہ لوگوں کو ختم کرنا انقلابی عدالتوں کا ہی کارنامہ ہے۔

یہاں یہ بھی بیان کر دینا بیحد ضروری ہے دنیا کے سامراجی خونخواروں کے پروپیگنڈہ اور نشریاتی اداروں نے ان انقلابی و اسلامی عدالتوں کے اقدامات کے سلسلے میں اس قدر غلط بیانی اور دروغ گوئی سے کام لیا ہے کہ دنیا کے بہت سے عوام حتی کہ انقلاب اسلامی سے ہمدردی رکھنے والے افراد بھی ان انقلابی عدالتوں کے متعلق اچھا خیال نہیں رکھتے۔ سامراجیوں کے انقلاب دشمن پروپیگنڈہ اداروں نے بالکل غلط اور جھوٹ یہ اعلان کیا کہ ایران میں خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے، انقلابی عدالتیں بغیر مقدمہ چلائے بے گناہ عوام کو موت کے گھاٹ اتارتی چلی جا رہی ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ بعض یورپی ممالک نے یہ خبر بھی شائع کر دی کہ ایران میں بے پردگی کے جرم میں عورتوں کے پستان کاٹ لئے جاتے ہیں ان پروپیگنڈوں نے دنیا کے بہت سے عوام پر اتنا غلط اثر ڈالا کہ بہت سے لوگوں کی نگاہوں میں خصوصاً یورپی ممالک میں اس اسلامی انقلاب کا چہرہ مکروہ نظر آنے لگا۔

میں نے مئی ۱۹۸۱ء میں عربی ممالک کا ایک سفر کیا اس سفر میں مجھ سے ہر جگہ یہی سوال کیا گیا کہ انقلابی عدالتیں کیوں اتنی سختی کر رہی ہیں۔ عجیب بات یہ تھی جس وقت اردن سے شام ایک بس کے ذریعہ جا رہا تھا تو بس میں ایک فلسطینی جوان جو بیت المقدس سے آیا تھا اور ظاہراً ایک انقلابی مبلغ اور بیت المقدس کی غاصب حکومت کے خلاف فلسطینیوں کی تحریک کے لیڈروں میں سے

معلوم ہو رہا تھا بالکل یہی شبہ اور بدگمانی اس کے دل میں بھی موجود تھی اس نے مجھ سے کہا کہ "اسلام جب دین رحمت و رافت" ہے تو پھر تمہاری انقلابی عدالتیں پہلوی حکومت سے وابستہ لوگوں کے ساتھ کیوں اس قدر سختی برت رہی ہیں۔ میں نے اس سے پوچھا کہ آپ کی نظر میں ہماری انقلابی عدالتوں نے ابتک ان لوگوں میں سے جنھوں نے ہمارے ستر ہزار سے زیادہ عوام کو قتل کر ڈالا ہے، کئی افراد کو پھانسی دی ہے، ان کے ساتھ بھی اسی اسلامی رحمت و مروّت کا برتاؤ ہونا چاہیئے جس کے آپ طلبگار ہیں؟ اس نے کہا ضروری تو یہ ہے کہ ان میں سے ابتک کئی ہزار افراد کو پھانسی دینی چاہیئے تھی۔ میں نے اس سے کہا کہ انقلاب کو کامیاب ہوئے ایک سال چار ماہ کا عرصہ گذر چکا ہے مگر انقلابی عدالتوں نے ابتک ایسے لوگوں میں سے جن کو پھانسی کا حکم دیا ہے ان کی تعداد تین سو تک بھی نہیں پہنچی ہے۔ یہ ایسے جرائم پیشہ افراد تھے جنھوں نے زمانۂ انقلاب میں ہمارے ستر ہزار افراد سے زیادہ لوگوں کو قتل کیا ہے اور ایک لاکھ سے زیادہ لوگوں کو مجروح اور زخمی کر کے بیکار کر دیا ہے۔ جس وقت میرے فلسطینی بھائی نے یہ بات سنی تو بڑے تعجب سے کہا کہ آپ لوگ ان حقائق سے عوام کو مطلع کیوں نہیں کرتے، انقلاب اسلامی کے خلاف کئے جانے والے ان کینہ توز اور معاندانہ پروپیگنڈوں کے مقابلے میں آپ لوگ خاموش کیوں بیٹھے ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ ایران کی انقلابی عدالتوں نے عارضی حکومت کی رخنہ اندازیوں کی

لہ انقلاب اسلامی کی کامیابی کی دوسری سالگرہ کے موقع پر انقلابی عدالتوں نے جو رپورٹ پیش کی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دو سال کے دوران عدالتوں نے جن لوگوں کو پھانسی کا حکم دیا ہے ان کی کل تعداد ۳۲۶ ہے جنمیں سے ۶۵ افراد کو بغاوت کے جرم میں اور ۱۹ افراد کو دہشت پسندی کے جرم میں پھانسی دی گئی ہے اور باقی افراد وہ ہیں جنکو شاہی حکومت کے ساتھ موثر اور گہرے تعاون نیز لوگوں کے قتل عام کے جرم میں سزائے موت دی گئی ہے۔

وجہ سے اسے جتنا کام کرنا چاہیئے تھا نہ کر سکی۔ ان تمام اڑچنوں اور رخنہ اندازیوں کے ہوتے ہوئے بھی ایرانی عوام نہ یہ کہ صرف ان انقلابی عدالتوں کی تائید کر رہی ہیں بلکہ یہ اعتقاد بھی رکھتے ہیں کہ ان عدالتوں نے ایک بڑی ہی قاطعیت اور حزم ویقین کا ثبوت دیا ہے۔ ایرانی عوام چاہتے ہیں کہ وہ لوگ جنھوں نے ہماری قوم کی گردن میں اسارت وغلامی کا جوا ڈال کر انھیں ذلیل وخوار کیا ہے، بے رحمی کے ساتھ عوام کے خون سے ہولی کھیلی ہے، اسلامی تہذیب وثقافت کو نیست ونابود کیا ہے، جنہوں نے سالہا سے فتنہ وفساد اور گٹھن کا ماحول پیدا کر رکھا تھا، نیز ملک کی ثروت ودولت کو بیدردی کے ساتھ تباہ وبرباد کر رہے تھے، بے چوں چرا ایسے لوگوں کو ان کے ظالمانہ اور خیانتکارانہ اعمال کی سزا ملنی چاہیئے اور انہیں اپنے کیفر کردار تک پہنچنا چاہیئے۔ ہمارے عوام کا کہنا ہے کہ جنہوں نے دین ومذہب اور عوام کے دینی اعتقادات ونظریات کے ساتھ کھیل کھیلا ہے۔ زمین پر فتنہ وفساد پھیلایا ہے اور حرث ونسل کو تباہ وبرباد کیا ہے، ان کے ساتھ کسی قسم کی مروت اور رحمت ورافت سے کام نہیں لینا چاہیئے۔ قرآن کہتا ہے: ولا تاخذکم بھما رافۃ فی دین اللہ ان کنتم تومنون باللہ والیوم الآخر ..... الخ (یعنی اگر تم خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو ان کے ساتھ تمہیں ذرا بھی نرمی کرنے کا خیال نہ آئے) یہ ارشاد قرآنی، برحق ہماری عوام کے ورد زبان ہے۔ مگر کیا کیا جا سکتا ہے کہ بیرونی دشمنوں کے علاوہ خود اندرون ملک ان دشمنوں کے ایجنٹوں نے جنمیں سے ایک صدر جمہوری کے عہدے پر بھی فائز ہو گیا تھا، اپنی پوری کوشش صرف کردی اور ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کہ انقلابی عدالتیں، قاطعیت اور حزم ویقین کے ساتھ کام نہ کر سکیں اور فتنہ وفساد کے بتوں کو نہ توڑ سکیں جبکہ یہ فاسد عناصر تمام بدن کو فاسد کر سکتے ہیں۔ انقلاب اسلامی کو پیش آنے والی سخت ترین مشکلات میں ایک بڑی مشکل یہ تھی کہ یہ انقلاب ابتدا میں ہی ایک غرب زدہ اور مغرب پرست گروہ سے دوچار ہوا

جس کے افراد نے حکومت کے کلیدی عہدوں حتیٰ کہ صدر جمہوریہ کے اختیارات اور جمہوری اسلامی کے نظام پر تہمتیں لگا کر بدنام کرتے ہوئے سامراجی پروپیگنڈا اداروں کے لئے کافی مواد فراہم کر دیا اور اپنے اس گھناؤنے کردار سے ایک ایسے انقلاب پر کاری ضرب لگائی جو دوسرے انقلابات کے لئے سمبل (نمونے) کی حیثیت رکھتا ہے اور جس نے لوگوں کو ایسی آزادی اور امن و سکون عطا کیا ہے جس کی مثال دنیا کے کسی انقلاب اور کسی ملک میں موجود نہیں ہے جس نے اپنے دشمنوں کے ساتھ بے نظیر مروت و مہربانی کا برتاؤ کیا ہے۔

یہاں اس نکتے کی طرف اشارہ کر دینا مناسب ہوگا کہ موجودہ صورت حال یہ ہے کہ ایران کی جیلوں میں قیدی حکومت کر رہے ہیں، جیل کے افسران نہیں۔ آج ایران میں قیدیوں کو سوائے راہ فرار اختیار کرنے کے ہر طرح کی آزادی حاصل ہے۔ قابل ذکر بات تو یہ ہے کہ بہت سے قیدی دن میں ایک مرتبہ اپنی شریک حیات سے ملاقات کر سکتے ہیں اور اپنی جنسی ضروریات پوری کر سکتے ہیں اور حکومت اس چیز کو بڑھاوا دینے کے سلسلہ میں اپنے امکان بھر مزید اقدامات کر رہی ہے تاکہ تمام قیدی مختلف اور گوناگون شعبوں میں کامل طور پر آسودگی حاصل کر سکیں۔ تہران کی جیلوں میں قیدیوں کے ساتھ جیلروں کا برتاؤ بہت اچھا ہے جبکہ بہت سے مواقع پر قیدیوں کی طرف سے جیلروں کے لئے دردسری اور مشکلیں پیش آجاتی ہیں۔ مگر چونکہ جیلروں کو سختی کرنے سے بالکل منع کر دیا گیا ہے۔ اس لئے وہ قیدیوں کی وجہ سے روحانی تکلیفیں برداشت کر لیتے ہیں مگر ان پر کوئی سختی نہیں کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح ایران کا اسلامی انقلاب ایک بے نظیر انقلاب ہے۔ اسی طرح ایرانی عدالتیں اور جیلیں بھی اپنی نظیر اور مثال نہیں رکھتیں۔

انقلاب کی کامیابی کے بعد قائد انقلاب حضرت امام خمینی کے حکم سے انقلابی عدالتیں وجود میں آئیں اور انقلابی کونسل کی منظوری کے بعد اپنے فرائض انجام دینے لگیں۔ بعد میں

اسلامی پارلیمنٹ نے ایک قانون کی حیثیت سے اس کی منظوری دیدی جس کی رو سے یہ (انقلابی عدالتیں) ملک کے عدالتی ادارے کے ایک شعبے کی حیثیت سے اپنے خاص اختیارات کے ساتھ قانونی طور پر انقلابی امور سے متعلق کام کرتی رہیں گی۔

③ **سپاہِ پاسدارنِ انقلاب اسلامی**: سپاہ پاسداران کے وجود و قیام کا فلسفہ بھی وہی ہے جو انقلابی کمیٹیوں کے وجود میں آنے کا ہے۔ مزید براں کہ قائد انقلاب حضرت امام خمینی اور ایرانی عوام فوج پر اعتماد و اطمینان رکھنے کے باوجود بھی یہ سوچنے پر حق بجانب تھے کہ فوج کے محکمے میں بہت سے ایسے افسر موجود تھے جن میں انقلابی جوش و ہمت مفقود تھی اور فوج میں بیروکریسی سسٹم نافذ و رائج تھا جب تک فوجی سسٹم اور فوجی افسر کے نظریات میں مکمل تبدیلی نہ آجائے یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ یہ فوج ایک انقلابی فوج کا رول ادا کر سکے گی اور انقلاب کے فوجی تقاضوں کو پورا کر سکے گی اس چیز کے پیش نظر مارچ ۱۹۷۹ء میں یعنی انقلاب کی کامیابی کے تھوڑے ہی دنوں بعد سپاہ پاسداران کی تشکیل ہوئی۔ ان پاسداروں نے فوجی جذبات اور انقلاب کے مخالفین کے ساتھ مقابلہ کرنے کے علاوہ انقلابی عدالتوں کے لئے قوت بازو کی حیثیت سے بھی کام کیا۔ ملک کی آزادی و استقلال اور بیرونی جارحیت پسندوں کے مقابلہ میں بھی فوج کی کمک کے لئے ثابت قدمی سے آگے بڑھے۔

انقلاب کی کامیابی کے بعد نازک ترین حالات میں سپاہ پاسداران انقلاب اسلامی اپنے ان جوانوں کے ساتھ انقلاب اور ملک کے لئے زندہ خدمات کے لئے دوڑ پڑی جو انقلابی متعہد قربانی و فداکاری میں بے مثال اور جذبۂ ایمانی سے سرشار رہیں۔ ابھی انقلاب کی کامیابی کو ایک مہینے کا بھی عرصہ نہیں گذرا تھا کہ انقلاب کے دشمنوں نے امریکہ کی شہ پر صوبۂ کردستان میں دہشت گری اور خونریزی شروع کردی۔ اس وقت یہی پرشور جوان اور

باایمان پاسدار تھے جو اپنے چند متعہد فوجی بھائیوں کو ساتھ لے کر کردستان پہنچے اور مخالفین انقلاب کی اس بڑی سازش کو ناکام بنایا۔ اس راہ میں انہوں نے گرانقدر شہداء بھی پیش کئے ملک کے اندر مخالفین کی پیدا کردہ دشواریوں اور رخنہ اندازیوں کا سدباب کرنے نیز امریکی پٹھو عراق کی ایران پر تھوپی ہوئی جنگ کے سلسلہ میں پاسداروں کی بے پناہ فداکاری وقربانی، ایثار وشجاعت وہمت کو بیان کرنے کے لئے زبان گنگ اور توسن قلم لنگ ہے۔

سپاہ پاسداران انقلاب اسلامی کی فعالیت اور سرگرمیاں اتنی اہمیت کی حامل ہیں کہ ان کے متعلق حضرت امام خمینی کا یہ مشہور ومعروف جملہ کہ "اگر سپاہ نبود کشور ہم نبود" بار بار دہرایا جانا بالکل درست اور واقعیت پر مبنی ہوگا کیوں کہ اس انقلابی تنظیم کے خدمات سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ انقلاب اسلامی کی کامیابی کے بعد واقعاً ملک کا وجود وعدم انھیں پاسداروں اور انقلابی کمیٹیوں کے وجود وعدم پر منحصر تھا۔ انقلاب اپنے کو باقی رکھنے کیلئے بطور حتمی اپنی فوجی پشت پناہی کے لئے سپاہ پاسداران اور ایک مکتبی فوج کی شدید ضرورت رکھتا ہے۔

ایران پر عراق کی مسلط کی ہوئی جنگ کے سلسلہ میں پاسداروں نے اسلام اور انقلاب اسلامی کے لئے بہت سے شہداء دئے ہیں۔ اس تحمیلی جنگ میں اس انقلابی تنظیم نے ایسا پائیدار نقش ثبت کیا ہے اور اس طرح مخصوص کردار ادا کیا ہے جس طرح انہوں نے ملک میں انقلاب کے دشمنوں کے مقابلہ میں بہترین کردار ادا کیا تھا اور آج کر رہے ہیں انقلاب اور اسلام کی راہ میں ایثار وفداکاری اور قربانی پیش کر رہے اور صدق وصفا پاکیزگی، اخلاص اور محبت بھرے دل رکھتے ہیں مگر اس کے باوجود ہمیشہ اندرونی وبیرونی دشمنوں کے الزام اور بہتان تراشیوں کا نشانہ بنے ہیں۔ پاسداروں کو یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ تہمتیں صرف اس لئے لگائی جارہی ہیں کہ وہ گھبرا کر انقلاب کی خدمت سے دستبردار ہوجائیں

اور حقیقتاً یہی وجہ ہے کہ جس قدر زیادہ ان پر تہمتیں لگائی جارہی ہیں اور جتنا زیادہ انھیں مورد الزام قرار دیا جارہا ہے اتنا ہی زیادہ وہ اپنے عزم وارادے میں پختہ ہوتے جارہے ہیں اور پہلے کے مقابلہ زیادہ عشق وایثار سے اسلام کے لئے جانبازی کررہے ہیں اور انقلاب اسلامی کی پاسداری اور حفاظت پر کمربستہ نظر آرہے ہیں۔

④ **امدادی کمیٹیاں :** پہلوی دور حکومت میں بہت سے عوام فقر و افلاس اور محرومیت کی زندگی گذار رہے تھے باوجودیکہ یہ سرزمین معادن اور قدرتی ذخائر سے مالامال ہے اور آج اس ابتر حالت پر کنٹرول کیا گیا ہے۔ لیکن اس کی اصلاح کے لئے ایک طویل مدت اور وسیع اقتصادی منصوبوں کی ضرورت ہے۔ دوسری طرف ملک کا بینکنگ سسٹم ایسا نہ تھا کہ ضرورتمند افراد اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے بلا سود قرض حاصل کرسکیں۔ ایسے خاندان جن کا کوئی سرپرست نہ تھا اور مجروح و معلول افراد چاہے وہ زمانۂ انقلاب میں ازکار رفتہ ہوگئے ہوں یا انقلاب سے پہلے ایسی محرومیت اور فقر و افلاس سے دوچار تھے۔ انقلابی اداروں کو خاص طور پر انھیں عوامی ضروریات پورا کرنے کیلئے بنایا گیا تھا۔ دراصل تہران میں ایک ادارہ بنام "کمیتۂ امداد امام خمینی" قائم ہوا تھا اور بتدریج اسی ادارے کی شاخ کے طور ان امدادی کمیٹیوں کا وجود سامنے آیا۔ امدادی کمیٹی نے عوام کے محروم ترین طبقے کو قرض دیکر صرف چار ماہ کی قلیل مدت میں جو گرانقدر خدمت انجام دی ہے اس سے اس کمیٹی کی اہمیت کا زبردست ثبوت ملتا ہے۔ اس مدت میں اس کمیٹی نے ۱۹۰۳۰ افراد کو ۴۴۱۴۱۸۴۰۰۰ ریال قرض بلا سود دیا ہے۔

⑤ **جہاد سازندگی :** استعمار زدہ ملکوں کی طرح ایران میں بھی دیہی علاقوں کے رہنے والے محرومیت اور فقر و افلاس کی زندگی بسر کررہے تھے۔ ان کے پاس زندگی گذارنے کے وسائل موجود نہ تھے حتیٰ کہ علاج و معالجہ کے لیے بھی کوئی انتظام نہ تھا

پہلوی دور حکومت میں یہ حالت بد سے بدتر ہوگئی تھی۔ پہلوی حکومت کی بھرپور کوشش فقط شہروں کو بارونق بنانے کی تھی خصوصاً ایسے شہر جہاں لوگ سیر و سیاحت کے لئے آتے تھے یا ایسی شاہراہوں پر آباد تھے جہاں سے سیاحوں کا گذر ہوتا تھا یہ محض اس پروپیگنڈے کیلئے تھا کہ دنیا کے عوام کے ذہنوں پر ان کی ترقی کا اچھا اثر پڑ سکے۔ یہ غریب عوام کی گاڑھی کمائی تھی جس سے شہروں کو پر رونق بنایا جاتا تھا اور رنگ و روغن سے آراستہ کیا جاتا تھا جبکہ شہروں ہی میں دور کے محلوں کی حالت بہت ابتر تھی خود تہران کے جنوبی علاقے میں رہنے والے بہت سے ایسے خاندان تھے جو بجلی، پانی اور زندگی کی دیگر ضروریات سے محروم تھے۔ اور بری حالت میں زندگی گذار رہے تھے۔ دیہاتوں کی آبادکاری اور تعمیر و ترقی نیز پس ماندہ علاقوں کی خدمت کے لئے امام خمینی مدظلہ العالی کے حکم سے "جہاد سازندگی" کے نام سے ایک جدید ادارہ قائم ہوا۔ اس ادارہ کا مرکزی دفتر تہران میں ہے اور اس کی شاخیں پورے ملک میں پھیلی ہوئی ہیں اور دیہاتوں میں زندگی گذارنے والے محروم عوام کی فلاح و بہبود کے لئے سرگرمی کیساتھ کام کر رہی ہیں۔ "جہاد سازندگی" انقلاب اسلامی کے بہترین خدمت گذار اداروں میں سے ایک اہم ادارہ ہے جس نے ایران کے زحمت کش اور سچے عوام کے لئے قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ اس ادارہ نے عوامی ہونے کے ساتھ ساتھ تعلیم یافتہ اور آسودہ حال طبقے کو بھی اپنے اندر جذب کرنے میں کامیاب رول ادا کیا ہے تعلیم یافتہ جوان اور فن تعمیر کے مختلف شعبوں کے ماہرین جو سڑک اور مکان کی تعمیرات میں خاص مہارت رکھتے ہیں یوں ہی طبی اور ثقافتی امور کے ماہرین اس ادارہ میں کم تنخواہوں پر بڑے ایثار کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ "جہاد سازندگی" کی جو ابتدائی دو سالہ رپورٹ آئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ادارہ بھی انقلاب اسلامی کا ایک قوی ترین بازو ہے۔ یہ ادارہ

دیہاتوں میں زندگی بسر کرنے والے ایرانیوں کو بہت جلد پریشانیوں سے نجات دلا دے گا جو اب تک عمرانی، زراعتی، طبی اور ثقافتی سہولیتوں سے محروم رہے ہیں۔

⑥ **سازمان بسیج :** ایک ایسا انقلابی ملک جو مشرق سے بھی برسرپیکار ہے اور مغرب سے بھی ایسے ملک کے لئے ہمیشہ ان بڑی طاقتوں یا علاقہ کی ان کی پٹھو حکومتوں کے حملوں کے نشانہ بننے کا خطرہ ہے یا اندرون ملک ان بڑی طاقتوں کے جو ایجنٹ کام کر رہے ہیں ان کی طرف سے بھی ہمیشہ یہ خدشہ ہے کہ وہ ملک میں بدامنی پھیلاتے رہیں گے جیسا کہ اب تک اسلامی انقلاب کو ان مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے اس لئے ایسے ملک کے عوام کو چاہئے کہ وہ ہمیشہ ہر قسم کے حملے ناجائز دباؤ اور بدامنی کے مقابلہ کے لئے آمادہ اور تیار رہیں۔ اسی چیز کے پیش نظر سازمان بسیج کی تشکیل ہوئی تاکہ ہر شہر اور ہر گاؤں کے لوگ نیز مختلف محکموں میں کام کرنے والے افراد کو فوجی ٹریننگ دی جا سکے اور ضرورت پڑنے پر ان کے ذریعہ منظم طور پر لازمی اقدامات کئے جا سکیں۔

ابتداء میں سازمان بسیج خود ایک مستقل ادارہ تھا مگر ۱۹۸۰ء کے اواخر میں پارلیمنٹ کی منظوری کے بعد یہ ادارہ سپاہ پاسداران سے ملحق کر دیا گیا۔ بسیج کی چھوٹی چھوٹی شاخیں ہر شہر کے تمام محلوں میں قائم ہو چکی ہیں عموماً ان کے دفاتر مساجد میں ہوتے ہیں یا کارخانوں میں۔ سازمان بسیج نے اب تک ہزاروں افراد کو رضاکارانہ طور پر عراق کی تحمیلی جنگ کے محاذوں پر بھیجا ہے اور باطل سے لڑنے والی طاقتوں کی بڑی موثر اور قابل قدر امداد کی ہے حساس اور نازک وقت میں اس ادارے کا وجود "انقلاب" کے لئے ایک پشت پناہ کی حیثیت سے بہت مفید اور موثر ہوگا۔

⑦ **بنیاد مسکن :** ایرانی عوام کو شاہی حکومت سے جو مشکلات میراث میں ملی تھیں ان میں ایک بڑی مشکل رہائشی مکان کی تھی پہلوی دور خصوصاً محمد رضا کی

حکومت کے آخری سالوں میں شاہی ایجنٹوں نے جن کا کام ملک کو بڑی طاقتوں سے وابستہ کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا مغرب کی تقلید میں اور وہ بھی بیرونی کمپنیوں کے ذریعہ (APPARTMENT) مکانات تعمیر کئے جو ہرگز جغرافیائی حالات اور تہذیبی اعتبار سے ایرانی عوام کے ضروریات کے مناسب نہیں تھا ایک طرف تو یہ تھا دوسری طرف دیہاتی عوام کو ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا تھا تاکہ وہ روز بروز محروم اور بے بس و مجبور ہوتے جائیں یہاں تک کہ وہ مکان سے بھی محروم ہو جائیں جو ہر انسان کی پہلی ضرورت ہے اگر ان کے پاس مکان ہو بھی تو ایسا کمزور اور بے بنیاد کہ چھوٹے موٹے قدرتی حادثوں کا بھی مقابلہ نہ کر سکے۔ مکانوں کے دلال اکثر وہ لوگ تھے جو شاہی دربار سے وابستہ تھے جو مکانوں کے معاملات اور کاروبار سے اپنی جیبیں بھرتے اور یورپ و امریکہ کے بینکوں میں جمع کر دیا کرتے تھے۔ متوسط اور غریب طبقہ بے گھر تھا اور روز بروز اس کے فقر و افلاس اور محرومیت میں اضافہ ہی ہوتا جاتا تھا یہ حالت تہران میں تھی۔ شاہ کے افسانوی محل سے تھوڑی ہی دور پر یہ منظر آنکھوں سے دیکھا جا سکتا تھا ایک ہی شہر میں ایک طرف تو درباری عورتیں اور حکومت سے وابستہ لوگ دودھ کی نہروں میں غسل کرتے تھے اور دوسری طرف ایسے محروم اور مجبور لوگ بھی تھے جو ایسے گھروندوں میں زندگی بسر کرتے تھے جن کی چھت آسمان اور فرش زمین تھی۔ ایسے ہی حالات میں اسلامی انقلاب کامیابی سے ہمکنار ہوا اور نئے ذمہ داران حکومت کو دیگر مشکلات کے ہجوم میں اس بڑی مشکل کا بھی سامنا ہوا۔ انقلاب کی کامیابی کے ابتدائی زمانے ہی میں امام خمینی نے ایک طرف تو مزدوروں اور غریبوں کے لیے پانی اور بجلی کے ٹیکس کو معاف کیا اور دوسری طرف عوام سے خواہش ظاہر کی کہ وہ غریبوں کے لیے مکان کی تعمیر کے لیے جو فنڈ قائم کیا گیا ہے اسمیں رقم جمع

کریں ان اقدامات کے ساتھ اسی زمانہ میں "بنیاد مسکن" کے نام سے ایک ادارہ امام خمینی کے حکم سے قائم ہوا۔ ایران کے انقلابی عوام نے اپنے عظیم قائد کی آواز پر لبیک کہی اور فرمان امام خمینی کا پرجوش استقبال کیا نیز اس مقصد کے لئے جو فنڈ قائم کیا گیا تھا اسمیں بڑی بڑی رقوم جمع کیں اور "بنیاد مسکن" کے لئے سرگرمی کے ساتھ کام کرنے کے لئے زمین ہموار کردیا "بنیاد مسکن" نے صرف دو سال کے اندر ہزاروں بے گھر غریب خاندانوں کے لئے مکانات فراہم کئے۔ اس ادارے نے عوامی مدد سے شہروں اور دیہاتوں کی ان زمینوں پر مکانات تعمیر کئے ہیں جو بیت المال سے تعلق رکھتی تھیں اور ان مکانوں کو ایسے لوگوں کو دیا ہے جو واقعی مستحق تھے۔ انقلاب اسلامی کی کامیابی کے بعد ایسے خاندانوں کا شمار جو بنیاد مسکن اور جمہوری اسلامی ایران کے دوسرے تمام اداروں کی مدد سے صاحب خانہ ہوئے ہیں انقلاب کی اقتصادی خدمات کا اہم پہلو ہے۔

(۸) بنیاد مستضعفان: شاہ معدوم اور اس کے لٹیرے ساتھیوں نے عوام کی گاڑی کمائی سے اپنے لئے محل بنالئے، بڑی بڑی کمپنیاں کھولیں اور کارخانے ایجاد کئے نیز سیر و تفریح، اور تجارت و زراعت کے مختلف مرکز قائم کئے جن سے ہونے والی آمدنی کا کچھ حصہ اپنی عیاشیوں میں صرف کرتے تھے اور زیادہ حصہ یورپ اور امریکہ کے بینکوں میں جمع کر دیتے تھے تاکہ برے وقت میں ان کے کام آسکے۔ انقلاب اسلامی کی کامیابی اور ان لٹیروں اور غاصبوں کے فرار ہو جانے کے بعد اصولی طور پر ان کی دولت بیت المال کے عنوان سے ملت کے اختیار میں آگئی یہ دولت اتنی زیادہ تھی کہ ان کی وصولیابی کے لئے ایک جداگانہ ادارے کی ضرورت محسوس ہوئی، اسی مقصد کے پیش نظر بنیاد مستضعفان کی تشکیل عمل میں آئی تاکہ اس دولت و ثروت کی سرپرستی کر سکے جو محل سے لیکر ہوٹل، سینما، باغ، کھیتی باڑی، کمپنی، کارخانہ اور

اخبار تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ بہت سے سرمایہ داروں کی دولت جو لوٹ کھسوٹ اور دھوکہ دہی سے حاصل کی گئی تھیں، ضبط کر کے بنیاد مستضعفان کے اختیار میں دیدی گئی۔

"بنیاد مستضعفان" ان املاک اور اداروں کے تحفظ کی ذمہ داری اور ان سے حاصل ہونے والی آمدنی کو سماج کے مستضعف اور محروم طبقہ کی فلاح و بہبود پر صرف کرتا ہے۔ اب تک اس ادارہ نے بہت سے ایسے مکانوں کو جن کے مالک ملک چھوڑ کر فرار کر گئے ہیں اور اسی طرح مصادر شدہ (ضبط شدہ) مکانوں کو ان لوگوں کو دیا ہے جو بے گھر تھے تاکہ وہ معمولی شرائط پر آسانی سے ان میں سکونت کر سکیں۔ بنیاد مستضعفان نے سامراجیوں کی املاک پر قبضہ کیا اور انھیں مستضعفین کے حوالے کیا اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی کو معاشرہ کے نچلے طبقے کے لوگوں کی ترقی اور فلاح و بہبود کے کام میں لا رہی ہے اس ادارہ کا شمار بھی انھیں اداروں میں ہوتا ہے جو معاشرہ کے لئے قیمتی خدمات انجام دے رہے ہیں اور مستضعفین کی مدد کر رہے ہیں۔

(۹) **بنیاد شہید** : شہدا اور مجروحین کے خاندانوں کی دیکھ بھال کے لئے، جنھوں نے اپنی عزیز جانوں کو اسلام اور اسلامی انقلاب کے لئے قربان کیا نیز ان کے پسماندگان کے ساتھ ثقافتی اور اقتصادی رابطہ برقرار رکھنے کے لئے امام خمینی کے حکم سے ایک ادارہ "بنیاد شہید" کے نام سے قائم کیا گیا ہے۔ اس ادارے نے شہدا اور مجروحین کے خاندانوں کو اپنی سرپرستی میں لے لیا ہے اور ان کے لئے قابل قدر اور قیمتی خدمات انجام دے رہا ہے یہ ادارہ ایک ماہانہ رسالہ "شاہد" کے نام سے شائع کرتا ہے جو شہدا اور مجروحین کے پسماندگان سے ثقافتی رابطہ کا بہترین ذریعہ ہے۔ ایسے شہدا کے گھرانے جنھیں زندگی گذارنے کے لئے مالی امداد کی ضرورت ہے انھیں "بنیاد شہید" سے مالی امداد بھی دی جاتی ہے۔

(۱۰) **نہضت سواد آموزی** : پہلوی حکومت کی ثقافتی اور تعلیماتی خدمات کے پروپیگنڈے کے برخلاف دنیا نے دیکھا کہ پہلوی حکومت کی جب موت آئی تو ایران کے اکثر عوام نعمت تعلیم حتی معمولی طور لکھنے پڑھنے سے بھی محروم تھے ۔ اتنی بڑی محرومیت ایسے دور اور ایسے حالات میں تھی کہ تمام درباریوں اور شاہی حکومت سے وابستہ لوگوں کے بچوں کے لئے ایران کے اسکول اور یونیورسٹیاں اس قابل نہ تھیں کہ وہ ان میں تعلیم حاصل کرتے ۔ وہ یورپی اور امریکی ممالک میں تحصیل علم کے لئے بھیجے جاتے تھے اور جو رقم اور بجٹ محروم عوام کی تعلیم و تربیت پر صرف ہونا چاہئے تھا وہ اس طرح بیکار ضائع و برباد ہو جاتا امرا اور درباریوں کے یہ لڑکے جب تعلیم ختم کر لیتے تھے اور ان کی رنگ و پے میں مغربی تہذیب اچھی طرح سرایت کر جاتی تھی تو بڑی طاقتوں کے جاسوسی کے اداروں میں کام کرنے کے لئے ایران واپس بھیج دئے جاتے تھے اور لطف کی بات یہ ہے کہ شاہی دربار کی طرف سے جو افراد عوام کو دھوکہ دینے کے لئے مامور تھے وہ لوگ ہر سال تعلیم حاصل کرنے والوں کی رپورٹوں کا پلندا پیش کر دیا کرتے تھے جو سراسر جھوٹی اور حقیقت کے خلاف ہوتی تھی ۔

اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد عوام کے ہر طبقے کے لئے تعلیم و تربیت کی مکمل ضرورت تھی ۔ ہمارے عوام جانتے ہیں کہ استعمار کے ہتھوڑوں سے انھیں جو نقصان پہنچا ہے وہ اسی بے سوادی اور فقدان علم کا نتیجہ ہے جو یا تو تہذیب و ثقافت سے بے مایہ بنا دیتی ہے یا اسے بے اثر کر دیتی ہے ۔ چنانچہ اسی ثقافت سوز بلا کو دور کرنے کے لئے ۲۸ دسمبر ۱۹۸۰ء کو امام خمینی کے حکم سے ایک ادارہ بنام "نہضت سواد آموزی" قائم کیا گیا جس نے بہت کم مدت میں تعلیم و تدریس کے میدان میں بڑی گرانقدر خدمات انجام دیں ۔

جمہوری اسلامی کا نظام حکومت

جمہوری اسلامی ایران کے نظام حکومت کی

ظاہری شکل وصورت اوراس کا ڈھانچہ اگرچہ دنیا کی دوسری جمہوری حکومتوں کے نظام سے کسی حدتک مشابہت رکھتا ہے کیونکہ یہاں پارلیمانی سسٹم ہے اور حکومت چلانے کیلئے ذمہ داریوں کو تین شعبوں مقننہ، مجریہ اور عدلیہ میں تقسیم کیا گیا ہے اوراس حیثیت سے یہ حکومت ایک عوامی حکومت ہے مگر چونکہ یہ حکومت اسلامی حکومت بھی ہے اسلئے وہ قوانینِ اسلام کے حدود سے خارج ہو کر عمل نہیں کر سکتی" جمہوری اسلامی" کا مطلب ہے عوام پر خدا کی حکومت اور عوام پر عوام کی حکومت جبکہ "جمہوری حکومت" کا مطلب ہوتا ہے عوام کی حکومت عوام پر۔ وہاں خدا کی حکومت کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا۔

"نظام جمہوری" اور "نظام جمہوری اسلامی" میں سب سے بڑا بنیادی فرق یہ ہے کہ غیراسلامی جمہوری حکومت کا نظام اوراس کا ڈھانچہ خود عوام بناتے ہیں اور اسلامی جمہوری حکومت کا نظام اور ڈھانچہ خدا کے احکام سے بنایا جاتا ہے اور عوام کا کام صرف حکومت کی تشکیل دینا اور عہدیداروں کا انتخاب کرنا ہوتا ہے۔ یہاں یہ ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ ایک ایسے نظام کو تسلیم کر لینا جو احکام خدا پر مبنی ہو عوام کے اختیار میں ہے یعنی عوام کو پورا پورا اختیار اور کامل آزادی ہے کہ وہ ایک ایسے نظام کو اپنے لئے منتخب کریں جو اسلامی تعلیمات اور خداوندی احکام کی بنیادوں پر قائم ہو چنانچہ ایران میں عوام نے ایک مرتبہ "نظام جمہوری اسلامی" کے لئے آزادانہ طور پر ووٹ دیا اور دوسری مرتبہ "دستور اساسی" کے لیے۔ اس لئے اگر ہم "نظام جمہوری اسلامی" کی تعریف یہ کریں تو یہ کہنا مناسب ہو گا کہ: ایک ایسا نظام حکومت ہے جسمیں احکام خداوندی کی بالادستی اور الٰہی حکومت کو عوام نے اپنی مرضی سے اختیار کیا ہے۔

جمہوری حکومت اور جمہوری اسلامی میں ایک اور فرق یہ بھی ہے جسے جمہوری اسلامی کے دستور اساسی میں "ولایت فقیہ" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ "ولایت فقیہ" سے مراد

وہ نظام ہے جو حکومت کی نگرانی اور اسے اسلامی قوانین کی خلاف ورزی سے روکتا ہے ولایت فقیہ کی مزید وضاحت آئندہ صفحات پر کیجائیگی ۔

یہاں یہ توجہ دلانا ضروری ہے بہت سے ممالک ہیں جن کی حکومت کو "اسلامی حکومت" اور اسلامی جمہوریہ کا نام دیا جاتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ایران کی جمہوری حکومت اور ان ملکوں کی جمہوری حکومت میں وہی فرق ہے جو اسلام اور مغربی جمہوریت میں ہے ۔ سعودی عرب ہو یا وہ دوسرے ممالک جہاں " جمہوری اسلامی" کا دم بھرا جا رہا ہے تو اس کا صرف یہ مقصد ہے کہ عوام کو اسلام کے نام پر دھوکہ دیکر سامراج اور سامراجی تہذیب کے جال میں انھیں زیادہ سے زیادہ پھنسایا جا سکے ۔ یہ حکومتیں صرف چاہتی ہیں کہ اسلام کے نام سے فائدہ اٹھا کر مغرب و مشرق کے ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرتی رہیں اور ان کے دامن پر کوئی دھبہ نہ آنے پائے ۔ جس طرح ایران میں پہلوی حکومت بھی اسلام کے نام پر ہی اپنی پوری قوت اسلام کے مٹانے پر صرف کر رہی تھی ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس وقت پوری دنیا میں اگر کوئی اسلامی حکومت ہے تو وہ صرف اور صرف "جمہوری اسلامی ایران" ہے ۔

نظام جمہوری اسلامی کے بنیادی ستون

جمہوری اسلامی کا نظام حکومت دو بنیادوں پر قائم کیا گیا ہے : عوامی رائے ۔ اور قانون خدا ۔ یہاں ہم دونوں کے حدود اور دائرۂ عمل کے متعلق گفتگو کرنا چاہتے ہیں ۔

۱۔ **عوامی رائے** : جمہوری اسلامی ایران کا نظام عوامی رائے سے قائم ہوا ہے ۔ یعنی عوام بالکل آزاد ہیں کہ وہ اس نظام کو تسلیم کریں یا کسی دوسرے نظام کو ۔

باوجودیکہ ایران میں انقلاب کے دوران ہمیشہ عوام کے نعروں سے یہ حقیقت ظاہر و باہر تھی وہ "جمہوری اسلامی" چاہتے ہیں۔ مگر پھر بھی ۳۰/۳۱ مارچ ۱۹۷۹ء کو یعنی انقلاب کی کامیابی کے ۴۸ دن بعد ووٹنگ ہوئی جسمیں ۲۰۱۶۵۴۸۰ ووٹروں میں سے ۹۸/۲ فیصد نے جمہوری اسلامی کے حق میں ووٹ دیا۔ اس کے بعد ۳۰ اگست ۱۹۷۹ء کو یعنی انقلاب کے ۲۰۰ دن بعد عوام نے جمہوری اسلامی کے دستور اساسی کی تدوین کے لئے ووٹ دے کر "مجلس خبرگان" مجلس قانون ساز کو منتخب کیا۔ قانون ساز اسمبلی کے بنائے ہوئے دستور اساسی کو جو معتبر عوامی نمائندوں نے مرتب کیا اس کے باوجود بھی استصواب رائے کے لئے پیش کیا گیا اور ۸/۹ دسمبر ۱۹۷۹ء کو عوام نے بھاری اکثریت کے ساتھ اسے تسلیم کرلیا حالانکہ بعض صوبوں میں کچھ شر پسند جماعتوں کی شورش کی وجہ سے بہت لوگ ووٹ نہ دے سکے پھر بھی ۱۵۶۱۲۱۳۸ ووٹروں نے قانون اساسی کے حق میں ووٹ دیا۔

اس کے علاوہ مجلس شوریٰ اسلامی کے نمایندے اور صدر جمہوریہ براہ راست عوام کی رائے سے منتخب ہوتے ہیں اور وزیراعظم نیز دوسرے وزراء صدر جمہوریہ اور وزیر اعظم کی پیش کش اور مجلس شوریٰ اسلامی (پارلیمنٹ) کی رائے اعتماد سے منتخب ہوتے ہیں۔ یعنی ان عہدیداروں کا انتخاب بھی بالواسطہ عوام کی رائے سے ہوتا ہے۔ صوبوں، شہروں، قصبوں اور دیہاتوں کی انتظامیہ نیز صنعتی محکموں کے عہدیدار بھی براہ راست عوام ہی کی رائے سے منتخب ہوتے ہیں۔ جمہوری اسلامی ایران کے دستور اساسی کے آرٹیکل ۱۰۰ میں ہے کہ اس بات کے پیش نظر کہ سماجی، اقتصادی ترقیاتی ثقافتی تعلیمی، صحت عامہ اور دیگر رفاہی منصوبوں کو تیز تر طریقوں سے پایۂ تکمیل تک پہنچایا جائے اور اس کے لئے مقامی انتظامی ضروریات کو مدنظر رکھ کر عوامی

تعاون و شرکت حاصل ہو ہر گاؤں، شہر، قصبے اور صوبے میں مشاورتی کونسلیں بنیں گی جن کے ارکان کو اسی علاقہ کے لوگ منتخب کریں گے۔

بنا بریں یہ کہا جا سکتا ہے کہ "نظام جمہوری اسلامی" کا پہلا ستون عوامی رائے ہے یہ عوام ہی ہیں جو اپنی آزادانہ رائے سے اصل نظام کا انتخاب کرتے ہیں قانون اساسی کو تسلیم کرتے ہوئے اپنے نمائندوں کو چنتے ہیں ملک کے تمام اہم اقتصادی، سیاسی، اجتماعی اور ثقافتی امور میں عوام کی رائے کا احترام کیا جاتا ہے۔ دستور اساسی کے آرٹیکل نمبر ۵۹ میں اس کی صاف الفاظ میں وضاحت کر دی گئی ہے۔

اس اسلامی جمہوری نظام میں قانوناً سب سے عالی ترین مرتبہ قائد یا شورائی رہبری کا ہے اور قائد، ولی فقیہ یا شورائے رہبری کا انتخاب بھی دستور اساسی کے بموجب ملت کی کثرت آرا سے ہوتا ہے۔ دستور اساسی کے آرٹیکل نمبر ۵ میں ہے۔ حضرت ولی عصر عجل اللہ تعالیٰ فرجہ کے زمانۂ غیبت میں ایران میں ولایت امر اور امامت امت کے عہدہ پر وہ فقیہ عادل فائز ہو گا جو متقی، زمانے سے آگاہ، شجاع، مدبر اور حکومت چلانے کی صلاحیت کا حامل ہو گا۔ اور جس کی قیادت کو عوام کی بھاری اکثریت قبول کرتی ہو گی۔ لیکن اگر کسی فقیہ کی قیادت کو عوام کی اکثریت تسلیم نہ کرتی ہو تو ایسی صورت میں قیادت یا شورائے رہبری ایسے فقہا پر مشتمل ہو گی جنہیں شرائط مذکورہ بالا پائے جاتے ہوں اور دستور اساسی کے آرٹیکل نمبر ۱۰۷ کے مطابق قیادت کا عہدہ ان کے ذمہ ہو گا۔

(۲) **احکام اسلام**: نظام جمہوری اسلامی ایران جسے عوام نے اپنی خوشی اور مرضی سے قبول کیا ہے اسے اسلامی اصول و قوانین کا پاس و لحاظ رکھنا ضروری ہے اس کا کوئی قانون بھی دین کے اصولوں کے خلاف نہ ہونا چاہیے۔ قوانین اسلام کی

پابندی اس نظام کا دوسرا ستون ہے۔ دستور اساسی کے آرٹیکل نمبر ۴ میں ہے۔
"تمام مدنی، جزائی، مالی، اقتصادی، اداری، ثقافتی، فوجی، سیاسی .... قوانین و مقررات اسلامی اصولوں کے مطابق ہوں گے" اس آرٹیکل کو قانون اساسی اور دوسرے تمام قوانین و مقررات پر بالادستی حاصل ہے اور یہ فیصلہ کرنا فقہا کی کونسل کے ذمہ ہے کہ کونسا قانون اسلامی اصول کے مطابق ہے اور کونسا نہیں۔

"جمہوری اسلامی" دو کلموں سے مرکب ہے۔ "جمہوری" اور "اسلامی"۔ اور عوامی رائے (جمہوری) اور احکام و قوانین اسلام (اسلامی) کا اصل اور ستون ہونا محتاج وضاحت نہیں ہے۔ دوسری جمہوریتوں میں سیاسی مکتب و مسلک اور اجتماعی میلانات کو اصل اور ستون قرار دیا جاتا ہے اور اس طرح جمہوری حکومت تشکیل پاتی ہے لیکن جمہوری اسلامی ایران ایک ایسے نظام پر مشتمل ہے جس میں الٰہی قوانین اسلامی تعلیمات کے علاوہ کسی دوسری چیز کی گنجائش نہیں ہے۔

اہم اور ناقابل انکار حقیقت یہ ہے کہ "نظام جمہوری اسلامی" دنیا کی تمام دیگر جمہوریتوں اور حکومتوں پر برتری اور فوقیت رکھتی ہے اور اس کی یہ برتری بہت ہی سادہ اور عقلی دلیل سے ثابت ہے زیادہ بحث و مباحثہ کی ضرورت نہیں اور وہ یہ ہے کہ بلاشبہ یقینی طور پر الٰہی احکام کو انسان کے بنائے ہوئے قوانین و اصول پر برتری حاصل ہے۔ ایک چیز جو بعض لوگوں کو کھٹکتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اللہ کا دین چودہ سو سال کا پرانا دین ہے تو پھر وہ آج اور کل کے معاشرے کے تقاضوں کو کیوں کر پورا کر سکتا ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اسلام کے احکام کی دو قسمیں ہیں ثابت اور مستحدث ثابت احکام سے مراد وہ احکام ہیں جو انسانی فطرت اور سرشت سے تعلق رکھتے ہیں اور چونکہ انسانی فطرت بدلتی نہیں ہے بلکہ

اپنی جگہ اٹل اور ثابت ہے۔ اس لئے یہ احکام بھی ہمیشہ غیر متبدل ثابت اور اٹل رہیں گے
مستحدث احکام سے مراد وہ احکام ہیں جو انسان کے عارضی تقاضوں اور مختلف مسائل
سے متعلق ہوتے ہیں اور فقہائے اسلام "فقہ" کے اصلی ادلہ یعنی قرآن، سنت، عقل
اور اجماع کے ذریعہ ان کا استنباط کر کے عوام کے حوالے کر دیتے ہیں۔

نظام جمہوری اسلامی ایران کا ڈھانچہ:

ابتدا میں یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ اس وقت ایران میں جو اسلامی جمہوری قائم ہے اور ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔
اپنی ظاہری شکل وصورت اور بناوٹ میں دنیا کی موجودہ دوسری حکومتوں سے بہت
کچھ مشابہ ہونے کے باوجود بھی کافی نمایاں اور بنیادی فرق رکھتی ہے اور وہ
فرق یہ ہے کہ اس "جمہوری اسلامی" نظام میں مقننہ، مجریہ اور عدلیہ کی بے
راہ روی پر کنٹرول کرنے کے لئے شورائے نگہبان قانون اساسی، شورائے
عالی قضائی اور قیادت یا ولایت فقیہ کو بھی بنیادی حیثیت دی گئی ہے جبکہ
دوسری جمہوری حکومتوں میں یہ خصوصیات موجود نہیں ہیں۔ سطور ذیل
میں ہم ان قوائے سہ گانہ کی قدرے تفصیل بیان کرتے ہیں۔

شورائے نگہبان قانون اساسی:۔ جمہوری اسلامی ایران کی پارلیمنٹ
کے پاس کردہ بل اور قانون کی نظارت اور یہ اطمینان حاصل کرنے کے لئے کہ پاس
شدہ بل، قانون، قانون اسلام اور دستور اساسی کے مطابق ہیں ایک کمیٹی
شورائے نگہبان کے نام سے بنائی گئی ہے جو چھ فقہا اور چھ قانون دانوں پر
مشتمل ہے۔ یہ شوریٰ درحقیقت نظام جمہوری اسلامی کے قوانین کے سلسلہ
میں فیصلہ کرنے کا عالی ترین مرجع اور مرکز ہے۔ اسلامی جمہوری کی دستور اساسی

کی دفعہ ۹۱ میں ہے۔

"احکام اسلام اور قانون اساسی کے تحفظ کے پیش نظر اور اسلامی پارلیمنٹ کی پاس کردہ قرار دادوں کو اسلام اور قانون اساسی کی مخالفت سے بچانے کے لئے ایک کمیٹی شورائے نگہبان کے نام سے تشکیل دی جائے گی جو مندرجہ ذیل افراد پر مشتمل ہوگی۔ (۱) چھ ایسے فقہائے عالی جو زمانے کے مسائل سے آگاہ ہوں ان کا انتخاب قائد یا شورائے رہبری کے ذریعہ عمل میں آئے گا (۲) چھ مسلمان قانون دان جو قانون کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھتے ہوں ان کا انتخاب مجلس شورائے اسلامی ان مسلمان قانون دانوں میں سے کرے گی جن کے نام سپریم کورٹ کونسل (شورائے عالی قضائی) نے پیش کئے ہوں مجلس شورائے اسلامی کے لئے ان کی تصدیق و توثیق کی جائے گی اور مجلس کے ایماء پر ان کا انتخاب ہوگا۔

اس کے علاوہ دستور اساسی کی تشریح اور صدر جمہوریہ کے انتخاب، مجلس شورای اسلامی کے انتخابات کی نگرانی اور صدارت کے امیدواروں کی استعداد و صلاحیت کے بارے میں توثیق و تشخیص بھی اسی شورائے نگہبان کے فرائض ہیں۔ یہاں یہ نکتہ بھی یاد دلانا ضروری ہے کہ مجلس شورائے اسلامی کی پاس کردہ قرارداد کے متعلق یہ تشخیص دینا کہ احکام اسلام کے خلاف نہیں ہے، شورائی نگہبان کے فقہاء کی اکثریت سے ہوگا اور قانون اساسی سے ان کا کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔ اس کا فیصلہ شورائی

نگہبان کے تمام ارکان کی اکثریت کرے گی۔"

شورائے عالی قضائی (سپریم کورٹ کونسل)

شاہ کے منحوس دور میں ایران کی عدالتوں میں لاقانونیت کا دور دورہ تھا اور عدل وانصاف کا نام ونشان نہ تھا اس لئے کہ یہاں کی عدالتوں میں وہی شاہی مہرے کام کر رہے تھے جو اسلامی ضوابط اور معیاروں سے بالکل بے خبر تھے اگرچہ کچھ ایسے افراد بھی تھے جو حق وانصاف اور اسلامی ضوابط پر عمل کرنا چاہتے تھے مگر انھیں کام کرنے کے لئے موقع فراہم نہ تھا اور حکومت ایسے لوگوں کو دھتکار دیتی تھی۔

انقلاب اسلامی کی کامیابی کے بعد اس وقت تک جب تک قانون اساسی کی تدوین اور "شورائے عالی قضائی" کی تشکیل نہیں ہوئی تھی، یہاں کی عدالتوں میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں کیا گیا بلکہ عدالتیں اپنے اصلی نقص یعنی روح اسلام کے فقدان کے ساتھ باقی رہیں اور کام کرتی رہیں لیکن دستور اساسی کی تدوین کے وقت ایک شوریٰ بنام شوریٰ عالی قضائی کی تجویز پاس ہوئی تاکہ ایران کی عدالتوں کا نظام اسلامی قوانین کے مطابق کیا جا سکے۔ یہ شوریٰ پانچ ارکان پر مشتمل ہوگی اور یہ پانچوں ارکان مجتہد عادل ہوں گے، ان پانچوں ارکان میں دو یعنی رئیس دیوان عالی (چیف جسٹس) اور رئیس دادستان کل کشور (پراسیکیوٹر جنرل) قانون اساسی کی دفعہ ۱۶۲ کے مطابق قائد یا شورای رہبری کی جانب سے منتخب کیے جائیں گے اور دوسرے تین افراد دفعہ ۱۵۸ کے مطابق ملک کے قاضیوں کی جانب سے منتخب کئے جائیں گے۔

شوریٰ عالی قضائی جو آگاہ اور عادل مجتہدین سے تشکیل پائی ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہماری عدالتیں اسلامی قوانین کے مطابق فیصلے کرتی ہیں۔ شوریٰ

عالی قضائی نے رکاوٹوں اور اڑچنوں کے باوجود بہت مختصر سی مدت میں کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں اور ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ شورای عالی قضائی کی ترقی کی رفتار دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ادارہ اپنے پنجسالہ دور کے اختتام سے پہلے ہی ایران میں عدلیہ کے ماحول کو ایسا سازگار بنا دے گا کہ عوام حقیقتاً یہ احساس کر سکیں کہ وہ اسلامی عدل و انصاف کے سایہ میں سانس لے رہے ہیں۔

اہم بات جو قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ شوریٰ عالی قضائی کے جن خصوصیات کا ذکر کیا گیا ہے دنیا کی موجودہ حکومتوں، حتیٰ کہ اسلامی ملکوں کی عدلیہ بھی ان خصوصیات سے محروم ہیں۔ اسلامی جمہوری ایران میں عدلیہ حکومت کے تسلط سے پوری طرح آزاد ہے۔ وزیر اعظم بلکہ صدر جمہوریہ کو بھی اس میں کسی قسم کا دخل نہیں ہے۔

قیادت یا ولایت فقیہ: نظام جمہوری اسلامی ایران اور دنیا کی موجودہ جمہوری حکومتوں میں ایک بڑا بنیادی فرق رہبری یا ولایت فقیہ کا ہے ابتداء میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ نظام امام اور امت کے درمیان رابطہ کی بنیاد پر استوار کیا گیا ہے اور دونوں ستون اور عوامی رائے اور اسلامی و الٰہی قوانین پر نظام جمہوری اسلامی کی عمارت استوار ہوئی ہے۔ اس نظام کے پہلے ستون یعنی عوامی رائے کے محافظ خود عوام ہیں اس لئے کہ یہ عوام ہی ہیں جو اپنی پسند کے مطابق حکومت کے لئے اپنے نمائندوں کے انتخاب کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔ نیز یہ بھی اختیار رکھتے ہیں کہ وہ اپنے منتخب نمائندے کو اگر چاہیں تو اصول و قوانین کے دائرہ میں رہ کر ہٹا بھی سکتے ہیں یا نیا انتخاب کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے صدر جمہوریہ کے سلسلے میں عوام نے عمل میں لایا[1]

[1] توضیح: جمہوری اسلامی ایران کی دفعہ ۱۱۰ کی پانچویں شق کے مطابق صدر جمہوریہ کو دیوان عالی ←

دوسرے ستون یعنی احکام و قوانین الٰہی کی نگرانی اور حفاظت کے لئے ضروری ہے کہ کسی ایسے شخص کو منتخب کیا جائیگا جو اولاً عوام کے لئے قابل اعتماد ہو دوسرے یہ کہ اسلامی احکام و قوانین سے (بحد استنباط و اجتہاد) کامل آشنائی رکھتا ہو۔ تیسرے یہ کہ وہ زمانہ کے حالات سے اس طرح آگاہ و باخبر ہو کہ وہ اپنی سوجھ بوجھ سے ملک کی صحیح قیادت کر سکے اور حکومت چلا سکے۔ بنا بریں قائد یا ولی فقیہ اور ولی امر وہ شخص ہوگا جو صحیح طور پر یہ دیکھ بھال بھی کر سکے کہ نظام حکومت، الٰہی اور اسلامی اصولوں کے مطابق چلایا جا رہا ہے اس کے لئے وہ خدا اور عوام کے سامنے جوابدہ ہوگا جمہوری اسلامی ایران کے دستور اساسی میں "قائد" یا شوریٰ رہبری کے انتخاب، اس کے شرائط اور صفات و اختیارات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے چنانچہ دستور اساسی کی دفعہ ۱۰۷ میں ہے۔

"جب کسی ایسے فقیہ کی مرجعیت اور قیادت کو قطعی طور عوام کی اکثریت قبول کرے جس میں وہ تمام شرائط موجود ہوں جو قانون اساسی کی دفعہ ۵ میں بیان کئے گئے ہیں تو ایسا فقیہ، قائد، رہبر اور ولی امر ہوگا اور اس سے متعلق تمام ذمہ داریوں کا مسئول ہوگا جیسا کہ مرجع عالیقدر تقلید و رہبر انقلاب حضرت امام خمینی مدظلہ العالی کے سلسلہ میں ہوا ہے اور اگر ایسا کوئی شخص موجود نہیں ہے تو عوام کی طرف سے منتخب شدہ مجلس خبرگان کے ممبران ان حضرات کے درمیان تحقیق و جستجو کریں گے جو مرجعیت و قیادت کی صلاحیت رکھتے ہوں پس اگر ایسا مرجع جو قیادت کی خاص صلاحیت رکھتا ہو پیدا ہو جائے تو عوام میں بحیثیت قائد اس کا تعارف کرائیں گے ورنہ پھر تین یا پانچ ایسے مراجع جنہیں

؎ کشور (سپریم کورٹ) یا پارلیمنٹ کے ممبروں کی رائے اور قائد کے دستخط کے بعد برخواست کیا جائیگا۔ درحقیقت یہ اقدام بھی قوم کی بالواسطہ رائے ہی کا نتیجہ ہوگا جیسا کہ معزول صدر جمہوریہ بنی صدر کے سلسلے میں کیا گیا۔

رہبری اور قیادت کی صلاحیت موجود ہوگی، انھیں "شورائے رہبری" کے ارکان کی حیثیت سے منتخب کر کے عوام میں بحیثیت قائد تعارف کرایا جائیگا۔ قانون اساسی کی دفعہ ۱۰۹ میں "قائد" یا شورائی رہبری کے ارکان کے شرائط اور صفات یہ بیان کئے گئے ہیں۔

۱۔ علمی صلاحیت اور افتاء و مرجعیت کے لئے لازمی تقوی۔

۲۔ کافی سیاسی و اجتماعی سوجھ بوجھ، شجاعت، انتظامی صلاحیت اور قیادت کی اہلیت۔

قیادت کے فرائض و اختیارات : قانون اساسی کی دفعہ ۱۱۰ میں "قائد کے فرائض واختیارات کو بشرح ذیل بیان کیا گیا ہے۔

۱۔ فقہائے شورای نگہبان کا تعین۔

۲۔ ملک کی عدلیہ کے اعلی ترین عہدیدار کا تعین۔

۳۔ بشرح ذیل تمام مسلح افواج کی کمان:

(الف) چیف آف جنرل اسٹاف کا تعین اور برطرفی (ب) پاسداران انقلاب اسلامی کے کمانڈر انچیف کا تعین اور برطرفی۔ (ج) قومی اعلی دفاعی کونسل کی تشکیل جو درج ذیل سات ممبروں پر مشتمل ہوگی۔

(۱) صدر جمہوریہ (۲) وزیر اعظم (۳) وزیر دفاع (۴) چیف آف جنرل اسٹاف (۵) سپاہ پاسداران انقلاب اسلامی کے کمانڈر انچیف اور (۶ و ۷) قائد کے منتخب کردہ دو مشیر۔

(د) دفاعی اعلی کونسل کی تجویز پر تینوں فوجوں کے کمانڈروں کا تعین۔

(ھ) اعلی دفاعی کونسل کی تجویز اور پیش کش پر جنگ کا اعلان اور مسلح فوجوں کو تیار رہنے کا حکم صادر کرنا۔

۴۔ جب عوام صدر جمہوریہ کا انتخاب کرلیں تو انھیں صدارت کا منصب عطا کرنا۔

۵۔ جب سپریم کورٹ یہ فیصلہ کرے کہ صدر جمہوریہ نے اپنے فرائض کی بجاآوری میں کوتاہی کی ہے یا مجلس شورائی اسلامی (پارلیمنٹ) اسمیں بقدر ضرورت سیاسی بصیرت نہ ہونے کا اعلان کردے تو ملک کی مصلحتوں کے پیش نظر اس کا معزول کرنا۔

۶۔ سپریم کورٹ کی تجویز پر اسلامی اصولوں کے دائرے میں رہ کر مجرموں کی سزا معاف کرنا یا اس میں تخفیف کرنا قیادت یا ولایت فقیہ کے سلسلے میں ان تین نکتوں کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

(۱) جمہوری اسلامی ایران کے دستور اساسی کی دفعات ۱۰۲ تا ۱۰۷ میں جو ولایت فقیہ یا قیادت سے متعلق ہے۔ صاف طور پر اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ احترام و عمل کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ فقیہ وہ شخص ہے جو اسلام شناس ہو اور وہ نظام اسلامی کے تمام اجزاء کی جو اسلامی احکام پر مبنی ہیں پوری پوری مہارت رکھتا ہو پس اگر یہ تخصص اور مہارت تقوی اور سیاسی و اجتماعی بصیرت، شجاعت اور انتظامی صلاحیت کے ساتھ ہو جو قیادت کے لیے لازم اور ضروری ہے اور یہ صفات ایک شخص یا چند اشخاص میں موجود ہوں تو وہ شخص یا چند اشخاص بلاشبہ ایک اسلامی ملک کی قیادت کی لیاقت و صلاحیت رکھتے ہوں گے۔

(۲) اولاً قائد یا شورای رہبری کے ارکان قانون کے مقابلہ میں تمام عوام کی طرح ہیں۔ ملک کے دوسرے اعلی افسروں کی طرح وہ بھی اپنی جائداد اور رہن سہن میں ملک کی عدلیہ کی نگرانی میں ہوں گے۔

"قانون اساسی کی دفعہ ۱۱۲ میں ہے کہ قائد یا شورائی رہبری کے ارکان "قوانین کے مقابلے میں ملک کے تمام افراد کے برابر ہیں اور دفعہ ۱۴۲ میں ہے:

"عہدہ سنبھالنے سے پہلے اور عہدے سے سبکدوش ہونے کے بعد قائد یا
شورائی رہبری کے ارکان، صدرجمہوریہ، وزیراعظم اور دوسرے وزراء
نیز ان کے بیوی اور بچوں کے متعلق بذریعہ سپریم کورٹ تحقیق کیجائیگی
کہ ان کی کسی جائداد میں ناحق اضافہ تو نہیں ہوا ہے۔"

(۳) اجتہاد، عدالت، تقوی، شجاعت اور تدبر کے صفات سے قائد یا شوریٰ رہبری کے ارکان کا متصف ہونا اس بات کی ضمانت ہے کہ وہ عوام کی صحیح اور مخلصانہ خدمت کریں گے اور اگر ان میں سے کوئی ان صفات میں سے کسی ایک کا حامل نہ ہوگا تو وہ اپنے عہدے سے برطرف کر دیا جائیگا۔ دستور اساسی دفعہ ۱۱۱ میں ہے:

"جب کبھی قائد یا شورائی رہبری کے ارکان میں سے کوئی اپنے فرائض انجام دینے
کے قابل نہ رہ جائے یا دفعہ ۱۰۹ میں مذکورہ شرائط میں سے کوئی ایک شرط
کھو بیٹھے تو وہ اپنے منصب سے علاحدہ ہوجائیگا۔ اس بات کا طے کرنا ان ماہرین
کے ذمے ہے جن کا ذکر دفعہ ۱۰۸ میں موجود ہے۔"

سطور بالا میں جن نکتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ان پر غور کرنے سے یہ بات ظاہر ہوجاتی ہے کہ ایران کے قانون اساسی کے بموجب قائد یا شورای رہبری کے ارکان کے کاندھوں پر مسئولیت اور ذمہ داریوں کا ایک بارگراں ہے۔ بلاشبہ ولایت فقیہ کا عہدہ سنبھالنے والے فقہا کے کاندھوں پر صرف مسئولیت اور اہم ذمہ داریوں کا ایک بوجھ ہے نہ کوئی امتیاز۔ انہوں نے نظام جمہوری اسلامی میں عظیم ترین ذمہ داری کو قبول کیا ہے جس کے وہ جواب دہ بھی ہیں۔

نظام جمہوری اسلامی کے نظریات

اب تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے اسمیں نظام جمہوری اسلامی ایران کے صرف ایک پہلو یعنی اس کے حکومتی سسٹم کا جائزہ لیا گیا ہے۔ سطور ذیل میں ہم اس بات پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں کہ اجتماعی، سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی اور تہذیبی مسائل میں اس نظام کے نظریات کیا ہیں؟

اتحادِ اسلامی: ایک اسلامی حکومت کو اخوت و اتحاد کی بنیاد پر استوار ہونا چاہیے تاکہ تمام مسلمان بلاتفریق مذہب و ملت آپس میں متحد و متفق ہو سکیں لیکن سامراجیوں نے ہمیشہ مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش کی ہے اس لئے کہ مسلمانوں کا اتحاد و اتفاق ان کے مفاد کے لئے ایک عظیم خطرہ ہے۔ انھیں خوب معلوم ہے کہ اگر تمام مسلمان متحد ہو کر ایک طاقت بن جائیں گے تو دنیا کی تمام بڑی طاقتیں بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکیں گی اور ایسی صورت میں پھر مسلمانوں کو بڑی طاقتوں کی ضرورت نہیں رہ جائے گی، یہی وجہ ہے کہ سامراجیوں نے ہمیشہ اپنے تبلیغاتی مراکز اور جاسوسی کے اڈوں کی مدد سے مسلمانوں خصوصاً شیعہ اور سنی کے درمیان اختلاف کو رواج دینے کی مذموم کوشش کی ہے۔ افسوس تو یہ ہے کہ وابستہ اور رجعت پسند نام نہاد اسلامی حکومتوں نے بھی اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر مسلمانوں میں اختلاف پیدا کرنے والے ان سامراجی گروہوں کی امداد کی ہے اور آج بھی ان کی کمک اور امداد کر رہی ہیں۔

انقلاب اسلامی کی کوشش یہ ہے کہ سامراجیوں کی ان ناپاک حرکات کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ کر کے دنیا کے تمام مسلمانوں کے درمیان ہر طرح کے مذہبی و قومی اور نسلی تعصب و اختلاف کو مٹا کر اتفاق و اتحاد کی فضا قائم کی جائے تاکہ ایک ایسی عادل اور انصاف پسند اسلامی حکومت دنیا میں قائم کی جا سکے جس کی تمنا اور آرزو ہر سچے

مسلمان کو ہے جمہوری اسلامی ایران کے دستور اساسی کی دفعہ ۱۱ میں ہے:

ان ھذہ امتکم امۃ واحدۃ وانا ربکم فاعبدون (انبیاء ۹۲)

یعنی تمہاری یہ امت ایک امت واحدہ ہے اور میں تمہارا رب ہوں پس تم اللہ کی عبادت کرو۔

اس آیۂ کریمہ کے مطابق تمام مسلمان ایک امت کے حکم میں ہیں اور دولت جمہوری اسلامی ایران کا فریضہ ہے کہ وہ اپنی تمام بنیادی پالیسیوں کی سیاسی اساس ملل اسلامی کے درمیان اتحاد و اتفاق پر رکھے اور مسلسل کوششیں اس بات کے لئے کرے تاکہ تمام مسلمانان عالم کے سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی اتحاد کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو جائے اب تک جمہوری اسلامی ایران مسلمان ملتوں کے درمیان اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کے لئے بہت سے موثر اور اہم اقدامات کر چکی ہے۔

مذہبی اقلیتیں: اسلام کی خصوصیت اور وصف یہ ہے کہ وہ دین رحمت و مروت ہے۔ بنابریں اسلام میں اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ پر خاص توجہ دی گئی ہے۔ اقلیتوں کی حمایت اور ان کی حفاظت کا جو خاص انتظام و اہتمام اسلام میں ہے اس کی نظیر دوسرے ادیان میں نہیں ملتی۔ جمہوری اسلامی ایران کے قانون اساسی کی دو دفعات اسی موضوع سے متعلق ہیں۔

قانون اساسی کی دفعہ ۱۳ ان مذہبی اقلیتوں سے متعلق ہے جن کو ملک میں قانونی حیثیت حاصل ہے۔ زرتشتی، یہودی اور عیسائی ایران کی دینی اقلیتیں تسلیم کی جاتی ہیں جو قانون کے حدود میں رہ کر اپنے دینی رسوم کی ادائیگی میں آزاد ہیں اور اپنی دینی تعلیمات اور ذاتی اعمال کی بجا آوری میں اپنے اپنے قانون کے مطابق عمل کریں دفعہ ۱۴۰ جو تمام غیر مسلموں سے متعلق ہے، اسمیں ہے:

بحکم آیۂ شریفہ لاینھکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین

ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم و تقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین (الممتحنہ ۸)

ترجمہ: جو لوگ (تمھارے) دین کے بارے میں نہیں لڑے جھگڑے اور نہ تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا، ان لوگوں کے ساتھ احسان کرنے اور ان کے ساتھ انصاف سے پیش آنے سے خدا تمھیں منع نہیں کرتا بیشک خدا انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

حکومت جمہوری اسلامی اور ایرانی مسلمانوں کا یہ وظیفہ ہے کہ وہ غیر مسلم افراد کے ساتھ اخلاق حسنہ اور اسلامی عدل و انصاف کے ساتھ برتاؤ کریں۔ نیز ان کے انسانی حقوق کی رعایت کریں۔ اس دفعہ کا اطلاق ان افراد پر نہیں ہوگا جو جمہوری اسلامی ایران کے خلاف اقدام کریں گے اور سازش میں شریک ہوں گے۔

انقلاب اسلامی کی کامیابی کے بعد مذہبی اقلیتوں اور غیر مسلموں کے ساتھ اسی وقت سے ہمیشہ مذکورہ بالا دفعات کے مطابق برتاؤ کیا جا رہا ہے اور اسلام کے مقرر کردہ اصولوں کے مطابق انکے حقوق کی رعایت کی جا رہی ہے البتہ مذہبی اقلیتوں کے بعد وہ افراد جن کا تعلق بین الاقوامی صیہونزم سے تھا اور جو ایرانی ملت اور اسلام کے خلاف مجرمانہ سازشوں میں ملوث تھے، انقلابی عدالتوں میں ان پر مقدمہ چلایا گیا اور جرم ثابت ہونے کے بعد انھیں سزائے موت دی گئی ہے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ سزائے موت کے لئے مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں ہے بہت سے ایسے مسلمانوں کو بھی سزائے موت دی گئی ہے جن سے اس قسم کے جرائم سرزد ہوئے ہیں۔

گو صیہونی نشریات اور پروپیگنڈہ مشنری اور دنیا کے دوسرے خونخوار برابر یہ پروپیگنڈہ کرتے رہے ہیں کہ انقلاب کے بعد ایران میں اقلیتوں کے لئے عرصۂ حیات

تنگ ہوگیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ انقلاب اسلامی کامیابی سے صیہونی اور استکباری طاقتوں نے دنیا کے مفادات کو زبردست دھچکا پہنچا ہے۔ اس لئے یہ طاقتیں ایران کے اسلامی انقلاب کو مٹانے یا اسے کمزور کرنے کے لئے ہر قسم کے حربے استعمال کررہی ہیں۔ ایران میں موجودہ اقلیتوں کے بارے میں اس قسم کے پروپیگنڈے بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

مذہبی اقلیتیں انقلاب سے پہلے تمام ایرانیوں کی طرح بڑی گھٹن محسوس کررہی تھیں مگر انقلاب کے بعد وہ آزاد اور کھلی فضا میں سانس لے رہی ہیں۔ حتیٰ کہ قانون اساسی کی تدوین و ترتیب کے لئے جب مجلس خبرگان کی تشکیل ہوئی تو اس کے لئے انھوں نے اپنے نمائندوں کا بھی انتخاب کیا جنھوں نے مجلس خبرگان میں موثر رول ادا کیا آج بھی پارلیمنٹ میں اقلیتوں کے نمائندے موجود ہیں اور انھیں خود اس بات کا اعتراف ہے کہ انتخابات کے سلسلے میں انھیں کبھی بھی ایسی آزادی نہیں تھی اور انتخابی ماحول کبھی بھی ایسا سازگار نہ تھا۔

ایران کے باہر اقلیتوں کے بارے میں جو پروپیگنڈے کئے جارہے ہیں وہ بالکل بے بنیاد اور غلط ہیں۔ آج ایران میں انھیں جو آزادی حاصل ہے وہ کسی زمانے اور کسی دور میں نہ تھی۔

قومیت اور قوم کے حقوق : اسلام میں رنگ و نسل اور قوم و قبیلے کا کوئی فرق اور امتیاز نہیں بلکہ یہاں فضائل کا اصلی معیار صرف تقویٰ ہے قرآن کا اعلان ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقیٰکم۔

بنابریں جمہوری اسلامی ایران میں رنگ و نسل، قوم و قبیلہ نیز غیر الٰہی و غیر انسانی اقدار جنھیں نیشنلزم کہا جاتا ہے، اس کی کوئی گنجائش نہیں مگر کسی اسلامی ملک کی زبان، رسم الخط اور وہاں کے قومی آداب و رسوم اگر اسلامی احکام کے منافی نہ ہوں انھیں قانونی حیثیت دی جاسکتی ہے۔ جمہوری اسلامی ایران نے اسی بنا پر قومی زبان اور رسم الخط فارسی کو قرار دیا ہے اور مقامی زبان کو بھی پوری آزادی دی گئی ہے دستور

اساسی کی دفعہ ۱۵ میں ہے:

ایرانی عوام کی مشترکہ زبان اور رسم الخط فارسی ہوگی۔ تمام سرکاری دستاویزات خطوط اور درسی کتابیں فارسی زبان اور فارسی رسم الخط میں ہوں گی مگر مقامی اور علاقائی زبانوں میں مطبوعات کی آزادی ہوگی، نیز ذرائع ابلاغ عامہ اور مدارس فارسی کے علاوہ دوسری مقامی و علاقائی زبانوں کے ادبیات کی درس و تدریس کے لئے آزاد ہوں گے۔

نظام جمہوری اسلامی میں اگرچہ ایک ملک کے قومی خصوصیات کا لحاظ رکھا گیا ہے مگر اس کے باوجود اس نظام میں رنگ، نسل اور قوم قبیلہ بالفاظ دیگر نیشنلزم کی قطعاً گنجائش نہیں ہے بلکہ تمام افراد کے حقوق مساوی ہیں۔ دستور اساسی کی دفعہ ۱۹، ۲۰ میں ہے:

ایرانی عوام چاہئے وہ کسی بھی قوم و قبیلہ سے تعلق رکھتے ہوں، برابر کے مالک ہیں اور اس سلسلہ میں رنگ و نسل، زبان اور اس طرح کے امور امتیاز کا باعث نہ ہوں گے اور سبھی افراد کو، وہ مرد ہوں یا عورتیں قانون کی برابر حمایت حاصل ہے اور وہ اسلامی معیاروں کے مطابق تمام انسانی، سیاسی، اقتصادی، اجتماعی اور ثقافتی حقوق سے بہرہ یاب ہیں۔

یہاں یہ یاد دہانی ضروری ہے کہ جمہوری اسلامی ایران کی رو سے عربی جو قرآن کی زبان ہے، اسے دوسری حیثیت حاصل ہے اور اس لحاظ سے کہ ایک اسلامی ملک کی تاریخ اسلام کی تاریخ سے مربوط ہے۔ سرکاری تاریخ حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت سے قرار دی جاتی ہے اور ہفتہ وار سرکاری تعطیل جمعہ کے دن ہوگی۔ جمہوری اسلامی کے قانون اساسی کے دفعہ ۱۶ اور ۱۷ میں ہے کہ:

چونکہ قرآن کریم اور تمام علوم و معارف اسلامی کی زبان عربی ہے اور فارسی ادبیات میں اس کی مکمل آمیزش ہے لہذا ضروری ہے کہ دورۂ ابتدائی کے بعد دورۂ متوسط کے اختتام تک تمام کلاسوں اور تمام شعبوں میں عربی زبان کی تعلیم و تدریس ہو (دفعہ ۱۶)

دفعہ ۱۷ میں ہے:

"چونکہ ملک (ایران) کی سرکاری تاریخ کا مبداء ہجرت پیغمبر اسلامؐ ہے لہذا ہجری شمسی و ہجری قمری دونوں تاریخیں معتبر ہیں مگر سرکاری و انتظامی امور کی بنیاد ہجری شمسی سنہ ہوگا اور ہفتہ وار سرکاری تعطیل کا دن جمعہ ہے"

مذکورہ بالا بیانات پر توجہ کرنے سے یہ بات بخوبی روشن ہوجاتی ہے کہ اسلام کا قومیت کے ساتھ کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔ اگرچہ اسلام قومیت کو بنیاد قرار نہیں دیتا بلکہ اسلام میں اصل چیز تقوی ہے۔

دشمنان انقلاب اسلامی ملک کے اندر اور ملک کے باہر اس انقلاب کے خلاف ایک حربہ یہ بھی استعمال کررہے ہیں کہ یہ انقلاب قومیت کا مخالف ہے۔ مگر جمہوری اسلامی ایران کے دستور اساسی سے یہ حقیقت بھی روشن ہوجاتی ہے کہ انقلاب اسلامی ایران قومیت کا مخالف نہیں ہے بلکہ قومیت کو اصل اور بنیاد قرار دینے کا مخالف ہے۔

عورتوں کے حقوق: جمہوری اسلامی ایران کی دفعہ ۲۰ کے مطابق تمام افراد ملت کو، وہ مرد ہوں یا عورتیں، یکساں طور پر قانون کی حمایت حاصل ہے اور وہ تمام انسانی، سیاسی، اقتصادی، اجتماعی اور ثقافتی حقوق کے اسلامی قانون کے مطابق مستحق ہوں گے اس کے علاوہ دفعہ ۲۱ میں حقوق نسواں کے متعلق خاص طور پر وضاحت ملتی ہے کہ "حکومت کا فرض ہے وہ اسلامی اصولوں کو ملحوظ

رکھتے ہوئے تمام شعبوں میں عورتوں کے حقوق کا تحفظ کرے اور درج ذیل امور انجام دے"

(۱) عورتوں کی ترقی کے لئے مناسب ماحول پیدا کرنا اور ان کے مادی و معنوی حقوق کی حفاظت کا بندوبست کرنا۔

(۲) ماؤں کی حمایت کرنا خصوصاً ایام حمل، زمانہ حضانت (تربیت و پرورش) کے دوران، نیز بے سرپرست بچوں کی نگہداشت کا انتظام کرنا۔

(۳) ایسی باصلاحیت عدالتوں کا انتظام جو خاندان کے ڈھانچے کی بقا و استمرار کی حفاظت کرسکیں۔

(۴) بیوہ، ضعیف اور بے آسرا عورتوں کے لئے مخصوص بیمے کا انتظام کرنا۔

(۵) ولی شرعی کی عدم موجودگی میں شائستہ اور قابل ماؤں کو بچوں کا ولی قرار دینا۔

یہ نکتہ بہت اہمیت رکھتا ہے کہ انقلاب اسلامی کے سلسلہ میں عورتوں نے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان کا یہ کردار اب بھی زندہ ہے۔ دستور اساسی کی تدوین کے سلسلہ میں ایرانی عورتوں کی نمائندہ عورتیں مجلس خبرگان میں بھی موجود تھیں اور اس وقت مجلس شورائے اسلامی میں بھی عورتوں کی نمائندگی ہے۔ اس کے علاوہ ایرانی عورتیں بہت سے اجتماعی، ثقافتی، سیاسی اور اقتصادی معاملات حتی کہ فوجی امور میں بھی اسلامی اصولوں کی رعایت رکھتے ہوئے سرگرمی کے ساتھ شریک ہیں اور ملک و اہداف انقلاب اسلامی کو آگے بڑھانے میں موثر رول ادا کر رہی ہیں۔

آزادی: اسلامی نظام میں عوام اپنے پیشے، محل سکونت، پارٹیوں کی تشکیل، اجتماع، اجلاس اور اپنے خیالات و عقائد کے اظہار کرنے میں آزاد ہیں بشرطیکہ یہ آزادی ملک کے استقلال و آزادی اور اسلامی اصولوں کے منافی نہ ہو۔ اسلامی نظام میں عقائد کی تفتیش ممنوع ہے اور مطبوعات سنسر سے آزاد ہیں بشرطیکہ اسلامی اصولوں میں

خلل انداز نہ ہوتے ہوں۔ ان مطالب کو دستور اساسی کی دفعہ ۲۲ تا ۲۸ میں اسطرح بیان کیا گیا ہے:

"افراد کی عزت، جان، مال، حقوق، جائے سکونت اور کار و بار تعرض سے محفوظ ہوں گے سوائے ان مقامات کے جہاں دستور اساسی کی اجازت ہوگی۔" (دفعہ ۲۲)

"عقائد کی پوچھ گچھ ممنوع ہے اور کسی شخص کو صرف اس کے عقیدے کی بنا پر مورد مواخذہ نہیں قرار دیا جا سکتا۔" (دفعہ ۲۳)

"نشریات و مطبوعات آزاد ہیں بشرطیکہ وہ اسلام کے اصولوں یا عوامی حقوق میں خلل انداز نہ ہوتے ہوں اس کی تفصیلات قانون طے کرے گا" (دفعہ ۲۴)

"قانونی اجازت کے بغیر خطوط کی چھان بین کرنا، ان کا نہ پہنچانا، ٹیلفون پر ہونے والی گفتگو کو ریکارڈ کرنا یا اس کو فاش کرنا، ٹیلگرام، ٹیلیکس کا افشا کرنا، تار کا نہ پہنچانا چھپ کر باتوں کو سننا اور ہر قسم کا تجسس کرنا ممنوع ہے۔" (دفعہ ۲۵)

"پارٹیاں، جماعتیں، سیاسی اور پیشہ ورانہ انجمنیں اسلامی اور قانونی حیثیت رکھنے والی اقلیتوں کی مذہبی انجمنیں بنانے کی پوری اجازت ہے بشرطیکہ ان سے استقلال و آزادی کے اصول، اتحاد قومی اور اسلامی اصولوں کو نقصان نہ پہنچتا ہو کسی شخص کو ان میں شریک ہونے سے نہ تو منع کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی شریک ہونے پر مجبور کیا جا سکتا ہے" (دفعہ ۲۶)

"بغیر ہتھیاروں کے جلسے کرنے اور جلوس نکالنے کی اجازت ہے بشرطیکہ وہ اسلام کے بنیادی اصولوں کی خلاف ورزی نہ کریں۔" (دفعہ ۲۷)

ہر شخص اپنی پسند کے مطابق اس پیشے کا انتخاب کر سکتا ہے جو اسلام، عوامی مصالح اور دوسروں کے حقوق کے خلاف نہ ہو۔ حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ معاشرہ کیلئے مختلف قسم کے پیشوں کی ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے تمام افراد کے لئے مساوی طور پر

پیشہ اور ملازمت کرنے کے مواقع مہیا کرے۔" (دفعہ ۲۸)

انقلاب اسلامی کی کامیابی کے بعد تمام افراد اور پارٹیوں کو اس سے بھی آزادی دی گئی ہے جن کا ان دفعات میں ذکر کیا گیا ہے۔ یہ آزادی اس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ بہت سے مقامات پر دوسروں کی آزادی کے لئے رکاوٹ بن گئی تھی اور ملکی سالمیت اور اسلامی اصولوں کے خلاف تھی، البتہ دنیا کے خونخوار جو خود ویتنام، فلسطین اور افغانستان وغیرہ میں بھیانک ترین تاریخی جرائم کے مرتکب ہو رہے ہیں، ایران کی عوامی آزادی کے حقائق پر پردہ ڈالنے کی ناپاک کوشش کر رہے ہیں اور اپنے پروپیگنڈوں کے ذریعہ دنیا کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ ایرانی عوام بڑے گھٹن کے ماحول میں زندگی گذار رہے ہیں۔ البتہ دنیا کے یہ خونخوار جو اپنے مفادات کو ٹھیس لگتے ہوئے نہیں دیکھتے، ان سے اب اس کے علاوہ کوئی اور توقع نہیں کرنی چاہئے۔

خارجہ پالیسی: زمانۂ انقلاب سے اب تک ایرانی عوام کا ایک اہم نعرہ رہا ہے: "نہ شرقی نہ غربی جمہوری اسلامی" یہ نعرہ جمہوری اسلامی کی خارجہ پالیسی کی نشاندہی کر رہا ہے یہ نعرہ ہر طرح کے غیر ملکی تسلط و اقتدار چاہے وہ شرقی ہو یا غربی، نفی کرتے ہوئے اس حقیقت کا کھل کر اعلان کرتا ہے کہ سیاسی، اقتصادی، سماجی، ثقافتی غرض نظام جمہوری اسلامی کے ہر میدان میں بنیادی اور اساسی حیثیت اسلام ہی کو حاصل ہے۔

خارجہ پالیسی کے سلسلہ میں بھی اسلام کسی غیر ملکی دباؤ اور تسلط و اقتدار کی اجازت نہیں دیتا ایران ایک اسلامی ملک کی حیثیت سے اپنی خارجہ پالیسی میں محروم اقوام کی مدد کرنا اور جو حریت پسند تحریکیں توسیع پسندوں کے خلاف مصروف جہاد ہیں ان کی حمایت کرنا اپنا اسلامی اور الٰہی فریضہ سمجھتا ہے۔ جمہوری اسلامی ایران کے دستور اساسی میں مذکورہ بالا مطالب کو جو نظام اسلامی کی خارجہ پالیسی کے لئے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:۔

"جمہوری اسلامی ایران کی خارجہ پالیسی ہر قسم کی توسیع پسندی کی نفی اور ہر قسم کے غیر ملکی اقتدار و تسلط کو قبول نہ کرنے، ملک کے استقلال اور ملک کی حدود کی سالمیت کے ساتھ تمام مسلمانوں کے حقوق کے دفاع، بڑی اور توسیع پسند طاقتوں سے عدم وابستگی اور غیر محارب حکومتوں سے صلح آمیز روابط کی بنیاد پر استوار ہے۔" (دفعہ ۱۵۲)

"ہر طرح کا وہ معاہدہ ممنوع ہے جو ملک کے قدرتی ذخائر اور اقتصادی مفادات نیز فوجی و ثقافتی اور ملک کے دوسرے اقدار پر غیروں کے تسلط کا سبب ہو۔" (دفعہ ۱۵۳)

جمہوری اسلامی ایران تمام انسانی معاشرے میں انسان کی سعادت و خوش نصیبی کو اپنی آرزو سمجھتا ہے۔ استقلال، آزادی اور عدل و انصاف پر مبنی حکومت کو دنیا کے تمام انسانوں کا حق جانتا ہے۔ بنا بریں جمہوری اسلامی ایران ابتک اپنے اصول "نہ شرقی نہ غربی" پر کاربند ہے اور محروم و مظلوم اقوام کی حمایت اور حریت پسند تحریکوں کا تعاون کر کے اپنی خارجہ پالیسی کے سلسلہ میں موثر اقدامات انجام دئے ہیں۔

اقتصادی پالیسی: اقتصادی اعتبار سے اس وقت پوری دنیا دو بلاکوں میں بٹی ہوئی ہے۔ سرمایہ داری اور سوشلزم، اگر دونوں اقتصادی نظاموں کو حقیقت کی نگاہوں سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ نہ صرف سرمایہ داری بلکہ سوشلزم بھی دراصل ایک قسم کا استحصالی نظام ہے اسلامی اقتصادیات میں ان دونوں نظاموں کی نفی کر کے ایک تیسری راہ کی طرف ہدایت کی گئی ہے۔ اسلام کے اقتصادی نظام میں شخصی ملکیت کو تسلیم کرتے ہوئے اسے محدود بھی کیا گیا ہے تاکہ وہ سرمایہ داری کی لعنت سے محفوظ رہے۔ اسلام میں استحصال چاہے وہ کسی بھی شکل میں ہو ممنوع ہے۔ انفال، عوامی دولتیں، بنجر زمینیں، کانیں، دریا، جنگلات اور پہاڑ وغیرہ سب بیت المال مسلمین سے تعلق رکھتے ہیں تاکہ صاحب احتیاج افراد کو ان کی ضرورتوں کے لحاظ سے یہ چیزیں دی جائیں اور وہ ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔ جمہوری اسلامی

ایران کے دستور اساسی میں اقتصادی نظام کی تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

جمہوری اسلامی ایران کا اقتصادی نظام ایک منظم منصوبہ بندی کی بنیاد پر تین شعبوں میں مرتب کیا گیا ہے۔

"(۱) سرکاری (۲) تعاونی (امداد باہمی) (۳) خصوصی۔

سرکاری شعبے میں تمام بڑی صنعتیں، بیرونی تجارتیں، بڑی کانیں، بینکنگ، بیمہ، توانائی کی پیداوار، ڈیم اور بند، واٹر سپلائی، ریڈیو، ٹیلی ویژن، ڈاک، تار، ٹیلی فون، ہوائی، زمینی اور سمندری مواصلات کا نظام اور اسی قسم کی دوسری صنعتیں اور نظام شامل ہیں جو قومی ملکیت میں آتے ہیں اور حکومت کے اختیار میں ہیں۔

شعبہ تعاونی (امداد باہمی) شہر اور دیہات میں پیداوار اور سپلائی کرنے والے ان اداروں اور کمپنیوں سے متعلق ہے جو اسلامی ضوابط کے مطابق بنائی گئی ہوں۔

خصوصی شعبے میں زراعت، مویشی پالنا، صنعت، تجارت اور خدمات عامہ کے وہ حصے شامل ہیں جو سرکاری اور امداد باہمی کے شعبوں کی تکمیل کرتے ہیں۔

ان تینوں شعبوں میں ملکیت تا وقتیکہ اس فصل کے دوسرے اصولوں کے مطابق ہو اور قوانین اسلام کے حدود سے خارج نہ ہو، نیز ملک کے اقتصادیات کی ترقی و توسیع کا سبب ہو اور معاشرہ کے لئے نقصان دہ نہ ہو تو اس کو جمہوری اسلامی ایران کے قانون کی حمایت حاصل ہے۔" (دفعہ ۴۴)

انفال اور عوامی دولت کے سلسلے میں قانون اساسی کی دفعہ ۴۵ میں ہے:

"انفال اور عوامی دولت مثلاً بنجر یا لاوارث زمینیں، معادن، سمندر، جھیل، دریا، اور ہر قسم کا عام پانی، پہاڑ، درّے، جنگلات، نے زار، قدرتی بیشے، عمومی چراگاہیں، ایسی میراث جس کا کوئی وارث نہ ہو، وہ اموال جس کا مالک معلوم نہ ہو، وہ

عمومی اموال جو غاصبین سے واپس ملے ہوں، حکومت اسلامی کے اختیار میں ہوں گے تاکہ حکومت مصالح عامہ کے پیش نظر ان کو کام میں لائے۔"

علاوہ بریں سابق میں ناجائز منافع خوروں نے معاشرہ کے محروم افراد سے لوٹ کھسوٹ کر کے جو دولت حاصل کی ہے اس کو واپس لانے کے لئے دستور اساسی کی دفعہ ۴۹ میں ایسے دستور و قواعد وضع کئے گئے ہیں کہ نہ صرف یہ کہ استحصال اور لوٹ کھسوٹ کے برے اثرات کا خاتمہ ہوگا بلکہ آئندہ کیلئے بھی استحصال اور لوٹ کھسوٹ کا دروازہ بند ہو جائیگا۔ اس دفعہ میں یہ کہا گیا ہے:

"حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ سود، غصب، رشوت، غبن، چوری، جوا، موقوفات کے غلط استعمال سرکاری ٹھیکداری اور سرکاری کاروبار سے ناجائز استفادے، بنجر اور غیر آباد زمینوں کو بیچنے، بدکاریوں کے اڈے چلانے اور تمام غیر شرعی طریقے سے ہاتھ آنے والی دولت ضبط کر کے اس کے اصل مالک کو واپس کرے اور اصل مالک معلوم نہ ہونے کی صورت میں اسے بیت المال کے سپرد کرے۔ یہ حکم چھان بین، تحقیق اور شرعی ثبوت کے بعد حکومت کے ذریعہ نافذ ہوگا۔"

یاد رہے کہ مادی مکاتیب فکر کے برخلاف اسلام میں اقتصادیات اصل مقصد اور ہدف نہیں ہے بلکہ وسیلہ ہے کہ معاشرہ کی تعمیر و ترقی اچھے طریقے سے ہو سکے۔ قانون اساسی کی دفعہ ۴۳ کی رو سے جمہوری اسلامی ایران کا فرض ہے کہ وہ عوام کی بنیادی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے وسائل فراہم کرے۔ مثلاً عوام کے لئے مکان، خوراک، لباس، اسپتال، تعلیم و تربیت، کام اور روزگار کی آسانیاں مہیا کرے اور ایسے وسائل و ذرائع پیدا کرے کہ دولت منجمد ہو کر صرف ایک خاص گروہ کے ہاتھوں میں نہ رہے اور خود حکومت بھی ایک بڑے آجر مطلق کی صورت اختیار نہ کر سکے۔

ثقافت، تعلیم و تربیت اور آرٹ:۔ اسلام میں انسان کی تعلیم و تربیت

تہذیب و ثقافت پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ ہر معاشرہ میں تہذیب و ثقافت سے آگاہی اس معاشرے کی آزادی و استقلال کی ضمانت ہے۔ سامراجیوں کو ایران اور دوسرے مسلمان ملکوں میں اسلام مٹانے اور ان ممالک میں رہنے والوں کی تہذیب و ثقافت کو ختم کرکے سامراجی تہذیب و ثقافت کو رواج دینے کی پیہم کوشش اور فکر اس لئے تھی اور ہے کیونکہ سامراجیوں کو خوب معلوم ہے کہ کسی ملک اور معاشرہ کو وابستہ کرنیکا آسان ترین طریقہ یہ ہے کہ وہاں کے ثقافتی استقلال کو ختم کر دیا جائے۔ ثقافتی استقلال کا ختم ہونا دراصل مقدمہ ہے سیاسی، اقتصادی اور فوجی استقلال و آزادی کے ختم ہونے کا

گذشتہ صدی کے اواخر سے ہی سامراجیوں کی یہ کوشش رہی ہے کہ وہ ان قوموں کو اپنے انداز فکر و نظر کا پابند بنا دیں جو ان کے زیر اثر ہیں۔ انھیں کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، رہن سہن، مکانوں کی تعمیر، شہریت، تعلیم و تربیت، آرٹ، ورزش، کھیل کود غرض زندگی کے ہر شعبے میں ان کو اپنا مقلد بنا کر ان کے قومی اور ثقافتی امتیاز کو ختم کر دیں اور ان کے لئے ایک ایسا خلا ایجاد کر دیں کہ جہاں خود ان کی تہذیب و ثقافت نام کی کوئی چیز باقی نہ رہ جائے اور اس طرح ان کے سیاسی، اقتصادی اور فوجی استقلال کو چھین کر انھیں پورے طور پر اپنے وابستہ کرلیں۔

ایسے ہی ملکوں میں سے ایک ایران بھی تھا جہاں کے لوگوں کی ثقافت کو ختم کرنیکے لئے سامراجیوں نے شدید حملہ کیا اور اپنے پٹھوؤں کی مدد سے ایرانیوں پر مغربی تہذیب مسلط کرنے کی ناپاک کوشش کی۔ ایسی صورت میں ایرانی قوم کے لئے ثقافتی انقلاب کی بھی سخت ضرورت تھی — ایران میں اسلامی انقلاب اور عوام میں بہت بڑی فکری تبدیلی نے وہاں قدرتی اور اصولی طور پر ایک ثقافتی انقلاب کو بھی جنم دیا۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ اسلامی ثقافت کی بنیاد خدا شناسی اور الٰہی تجلیات کے پرتو میں

معرفت حاصل کرنے پر ہے اور مادی تہذیب و ثقافت کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ علم کو خدا اور فطرت انسانی یعنی بندگی کے درمیان حجاب بنا دے ۔ جمہوری اسلامی نظام میں فطرتاً تعلیم و تربیت اور ثقافت کی پالیسی اس بنیاد پر استوار ہے کہ علم سے اس طرح استفادہ کیا جائے اور انسانی روابط میں ایسی تنظیم ہو جو انسان کو الٰہی کمالات سے نزدیک بنا دے اور خدا سے قریب کر دے ۔ مسلمانوں کو چاہیئے وہ زیادہ سے زیادہ علم و آشنائی کی تلاش و جستجو کے ذریعہ انسان کو خدا سے قریب کریں اور انسانی علم و دانش کو ترقی نیز انسانی افکار کو کمال عطا کرتے ہوئے دوسروں کے علمی ، ثقافتی اور فنی تجربات سے فائدہ اٹھائیں اور دوسروں کو بھی اپنے علمی ، ثقافتی اور فنی تجربات سے بہرہ یاب کریں ۔ علم ہی کی طرح سے آرٹ اور سپورٹس کو بھی انسانی اخلاق کی بلندی کا وسیلہ قرار دیں اور جس طرح انسان جتنی زیادہ علمی ترقی حاصل کرتا ہے اتنا ہی زیادہ اپنی طبیعت اور خواہشات پر قابو پا لیتا ہے اسی طرح آرٹ اور سپورٹس کی ترقی بھی انسان کو بلند کرنے اور اس میں کمال پیدا کرنے کے لئے ہونی چاہیئے نہ یہ کہ انسان خود آرٹ اور سپورٹس کی ہی خدمت کرنے لگے ۔

فن ، انسانی عشق و جذبے کا آئینہ دار اور رنج و محرومی ، آرزو و ارمان کی تجلیات کا ایک بہترین مظہر ہے ۔ جذبات و خیالات سے لبریز بات کو کہنے کیلئے ، فن کی زبان خاص اہمیت کی حامل ہے ، معمولی زبان سے کہیں نازک کہیں دلکش اور جو لوگ اسے سمجھ سکتے ہیں ان کے لئے کہیں پر لطف و شیرین ہوتی ہے ۔ جب تک فن کا تعلق بازار یا کسی دربار سے نہیں ہوا ہوتا ہے اُس وقت تک اس میں ہر پہلو کے لحاظ سے خصوصیت پائی جاتی ہے ، چونکہ کم سے کم فن کار کے جذبات و خیالات کی صحیح ترجمانی کا ذریعہ اور معاشرتی ماحول و حقائق کا آئینہ دار ہوتا ہے ۔

ہر قسم کا فن اور آرٹ بشری نقاضوں کو پورا کرتا ہے ۔ بلند ترین فن وہ ہے

جس کا تعلق انسان کے بلند ترین اور اہم ترین تقاضوں سے ہو۔ خدا جوئی، خدا خواہی، خدا دوستی، حق پرستی، عدل دوستی، آزادی کی طلب جو انسان کی فطری احتیاج ہے۔ تاریخ کے ان سماجی، اقتصادی اور معنوی محروموں کے رنج وغم اور ان کی محرومیت کے خلاف مبارزہ کرنا جو زمین پر حرمان نصیبی کی بھٹی میں جل رہے ہیں۔ انسانیت کا سب سے بڑا تقاضہ ہے اس تقاضے کے سایہ میں جو فن ابھرے گا وہ خود بخود ہر فن سے بلند و برتر ہوگا۔

انقلاب وہ بھی اسلامی انقلاب جس کا مقصد ہی محروم اور دکھی انسانوں کی خدمت کرنا ہے۔ یہ خود بیدار شدہ انسانوں کا عطا کردہ عظیم فن ہے مگر اس فن کے حسن کو دوبالا کرنے کے لئے اس کے گرداگرد دوسرے فنوں کی جلوہ گری کی بھی ضرورت ہے۔ انقلابی نظم ونثر، انقلاب سے متعلق ترانے، نغمے اور تقریریں، انقلاب کو مصور ومجسم شکل میں پیش کرنے کا آرٹ، انقلاب اور انقلاب کو میدان میں لانے والے انقلابی فنکاروں کا کردار..... غرض یہ سارے فنون اسی اسلامی انقلاب کی دین ہیں اور اسی انقلاب کے سایہ میں نو بہ نو، تازہ بہ تازہ نئے فن اور فنکار جنم لے رہے ہیں اور آگے بڑھ رہے ہیں۔

ہمارے انقلابی سماج کا یہ فرض ہے کہ وہ انقلاب اسلامی کی فنی خلاّقیت کی قدر کرے اور اس خلاقیت کی توسیع و ترقی کے لیے ہر طرح کے امکانات و وسائل فراہم کرے۔

ریڈیو، ٹیلی ویژن، سینما، تھیٹر، نمائش گاہیں اور دوسرے وہ مقامات جہاں فن پیش کیا جاتا ہے۔ انھیں ایسے اصلی اسلامی و انقلابی آرٹ سے پر ہونا چاہئے کہ مبتذل، اشرافی، درباری، جنسی یا دوسرے انقلابات سے متأثر فنون کے لئے کوئی گنجائش باقی نہ رہ جائے۔ ایک اسلامی معاشرہ کو ان تمام چیزوں سے استفادہ کرنا چاہئے۔ اگرچہ یہ کام اتنا آسان بھی نہیں ہے۔ متعہد اور انقلابی فنکاروں کو چاہئے وہ اس کام کے لئے اپنے کو آمادہ کریں۔ انھیں معلوم ہے فن نظم ونسق اور قانون سے آزاد ہوتا ہے مگر

اس کی ترقی کے لئے نظم ونسق اور قانون ودستور مفید بھی ہے اور لازم بھی۔

انقلابی اور متعہد فنکاروں کا فرض ہے کہ وہ انقلاب اسلامی کے مقدس پیغام کو مختلف فنون کے قالب میں ڈھال کر تمام دنیا کی رگ وپے اور دل کی گہرائیوں میں پہنچا دیں۔

جمہوری اسلامی نظام میں حکومت کا فرض ہے وہ تعلیم وتربیت، تہذیب وثقافت اور فن کی ترقی کے لئے مفت وسائل وامکانات سب کے لئے فراہم کرے اور پوشیدہ صلاحیتوں کے ابھرنے کے لئے زمین ہموار کرے جمہوری اسلامی ایران کی دفعہ ۳۰ میں ہے:

"حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ دورہ متوسطہ تک تمام افراد قوم کے لئے مفت تعلیم وتربیت کے امکانات فراہم کرے۔ اور ملک جس حد تک خود کفیل ہو اس حد تک اعلیٰ تعلیمات کے لئے مفت وسائل میں وسعت پیدا کرے۔

فوجی پالیسی: اسلام میں، اسلامی حکومت کے تحفظ اور مسلمانوں کے دفاع کے لئے ایک فوج اور دفاعی طاقتیں تیار کیجائیں وہ باایمان ہوں اور اسلامی اقدار کو ملحوظ رکھتی ہوں، اسلامی حکومت کی فوج پر اس حکومت ونظام کی حفاظت کیساتھ ساتھ خدا کی راہ میں جہاد اور دنیا میں قانون خدا کی حاکمیت کو پھیلانے کے لئے مبارزہ کا پیغام بھی رکھتی ہے۔ یہ وہ پیغام ہے جو اسلامی فوج کو خدا کی کتاب "قرآن" سے ملا ہے۔ سورۂ انفال میں ارشاد ہوتا ہے۔

واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم وآخرين من دونهم

(اور اے مسلمانو! کفار کے مقابلے کے واسطے جہاں تک تم سے ہوسکے اپنے بازوں سے اور بندھے ہوئے گھوڑوں سے لڑائی کا سامان مہیا کرو اور اس سے خدا کے دشمن اور اپنے دشمن اس کے سوا دوسرے لوگوں پر بھی اپنی دھاک بٹھالو۔ آیت ۶۰)

اسلامی فوج کو دشمنوں اور غیروں کے زیر اثر و اقتدار نہیں ہونا چاہئے بلکہ اسے ہمیشہ ایسے باایمان اور فداکار افراد سے تشکیل پانا چاہیے جن کے پیش نظر صرف اسلامی مقاصد ہوں۔ جمہوری اسلامی ایران کے قانون اساسی کی دفعہ ۱۴۵ میں ہے:

"کوئی غیر ملکی فوج میں بحثیت فوجی نہیں قبول کیا جائیگا" (دفعہ ۱۴۵)

اور دفعہ ۱۴۶ میں ہے:

"ملک میں کسی بھی غیر ملکی فوجی اڈے کا بنانا ممنوع ہے چاہے وہ صلح آمیز استفادہ ہی کے عنوان سے کیوں نہ ہو۔"

انقلاب اسلامی کی کامیابی کے بعد تمام غیر ملکی طاقتوں کو ملک سے نکال دیا گیا ہے جو ایرانی فوج کو اپنے کنٹرول میں لئے ہوئے تھیں اور تمام امریکی اڈوں کو ختم کر دیا گیا ہے آج جمہوی اسلامی کی فوج بڑی ثابت قدمی اور بڑی ہی جدوجہد اور قربانی کے ساتھ مکتبی افکار کو ترقی دینے کا آغاز کر چکی ہے اور اپنے اسلامی پیغام کو پیش نظر رکھتے ہوئے ملکی دفاع، آزادی اور نظام اسلامی کے تحفظ کا فریضہ انجام دے رہی ہے۔

خدمات

اس عنوان کے تحت ہم کو انقلاب اسلامی کے ان خدمات کا ایک مختصر سا جائزہ لینا چاہئے جو اس نے دو سال چار ماہ کے اندر انجام دی ہیں۔

اس مدت میں انقلاب بہت سے نشیب و فراز سے دوچار ہوا جو ہر انقلاب کے لئے ایک قدرتی بات ہے مگر فرق یہ ہے کہ دنیا کے دیگر انقلابات کسی بڑی طاقت کے بل بوتے پر وجود میں آتے ہیں یا انقلاب کے بعد انھیں کسی بڑی طاقت کی مدد اور حمایت حاصل ہو جاتی ہے جبکہ ایران کا اسلامی انقلاب اس قاعدۂ کلیہ سے مستثنی ہے اور دنیا کا یہی وہ واحد انقلاب ہے کہ جس نے ابتدائی مرحلوں سے لیکر کامیابی کی منزل سے ہمکنار ہونے تک کسی بڑی طاقت کا کسی حیثیت سے بھی سہارا نہیں لیا بلکہ دونوں بڑی طاقتوں نیز ان جیسی طاقتوں سے ہمیشہ برسر پیکار رہا۔ یہی وجہ ہے کہ انقلابی طاقتوں

کو تعمیری کام کرنے کا بہت کم موقع ملا خصوصاً ایسے حالات میں کہ ایک طرف اندرونی و بیرونی سازشوں کی بھر مار تھی تو دوسری طرف ہمیشہ نام نہاد اسلامی و انقلابی افراد (جیسے بنی صدر) کی انحرافی روش اس انقلاب کی پیشرفت میں رکاوٹ بنی رہی۔

آینوالے صفحات میں آپ ملاحظہ کریںگے کہ ان تمام مشکلات کے باوجود چونکہ یہ اسلامی انقلاب ایک الٰہی انقلاب ہے، اور اسے عوام کا اعتماد حاصل ہے اس لئے اس نے بہت ہی کم مدت میں سامراجی اور بڑی طاقتوں کی تمام ریشہ دوانیوں اور ملک کے اندر ان کے ایجنٹوں کی قدم قدم پر پیدا کردہ رکاوٹوں کے باوجود سیاسی، فوجی، ثقافتی اقتصادی، غرض مختلف شعبوں میں جو ترقی اور پیشرفت حاصل کی ہے۔ انقلابات کی تاریخ میں اس کی کوئی نظیر اور مثال نہیں ملتی۔ دنیا کی مظلوم و محروم قومیں جو اپنی رہائی اور نجات کی خاطر جد وجہد اور مبارزہ کے لئے اٹھنا چاہتی ہیں ان کے لئے یہ ترقی اور پیشرفت ایک گراں بہا تجربہ ثابت ہوگا۔

شورائے انقلاب اسلامی: انقلاب اسلامی کی کامیابی کے بعد سب سے پہلے یہی ادارہ قائم ہوا۔ اس کے قوت و ضعف کے متعلق معلومات حاصل کرنا بیحد مفید ثابت ہوگا اس لئے ہم انقلاب کی کارگذاریوں اور کارکردگیوں کو بیان کرنے کے لئے اس ادارے کے تعارف کے ساتھ اپنی گفتگو کا آغاز کرتے ہیں۔

"شورائے انقلاب اسلامی" کا قیام انقلاب اسلامی کی کامیابی کے تین ماہ پہلے ہی عمل میں آچکا تھا۔ ۲۲، دیماہ ۱۳۵۷ھ کو (۱۲ جنوری ۱۹۷۸ء) جس وقت امام پیرس میں تھے ملت ایران کے نام ایک خطاب کے ذریعہ اس ادارہ کی تاسیس کا اعلان کیا گیا۔ اس اعلان میں کہا گیا تھا کہ:

"شورای انقلاب اسلامی" کے نام سے عارضی طور پر ایک ادارہ قائم کردیا

گیا ہے۔ یہ ادارہ باصلاحیت، مسلمان، متعہد اور باوثوق افراد پر مشتمل ہے جو کام کو شروع کریں گے۔ مطالب کی تحقیق، انتقالی حکومت کی تاسیس کے شرائط کا مطالعہ، اس کے ابتدائی مقدمات کی فراہمی اور مجلس مؤسسان و انتخابات کی تشکیل کرنا ہے۔

شورائے انقلاب کا اصلی دستہ پانچ علماء یعنی آقائی (شہید) مطہری، آقای (شہید) بہشتی، آقائی ہاشمی رفسنجانی، آقائی موسوی اردبیلی اور آقائی باہنر پر مشتمل تھا۔ کچھ دنوں بعد آقائی طالقانی، آقای خامنہ‌ای اور آقای مہدوی کنی کا نام بھی اس دستہ میں شامل کر لیا گیا۔ ان تین افراد کے علاوہ غیر علماء حضرات میں سے سات ایسے اشخاص بھی شورائے انقلاب اسلامی میں شامل کر لیے گئے، جنھوں نے سابق میں انقلاب کے لئے کافی جد و جہد کی تھی۔ ان سات اشخاص میں اکثر وہ لوگ تھے جو نہضت آزادی کے ممبر تھے۔

شورائے انقلاب کا ابتدائی مرحلہ یعنی تقریباً تین ماہ زمانہ اس صلاح و مشورے میں گذرا کہ انقلابی جد و جہد کو کیوں کر کامیاب بنایا جائے اور در حقیقت ملک میں شورائے انقلاب کو امام خمینی کا براہ راست مشاور شمار کیا جاتا ہے۔ امام خمینی کی پیرس سے مراجعت کے بعد تین ایسے افراد مزید اس شوریٰ میں شامل کر لئے گئے جو ایران سے باہر تھے، یہ تینوں افراد علماء میں سے نہ تھے، یہ واقعہ عارضی حکومت بننے سے چند روز قبل کا ہے جو در حقیقت شورائے انقلاب اسلامی کے دوسرے مرحلہ کا آغاز تھا۔

دوسرے مرحلہ میں "شورائی انقلاب اسلامی" نے "مقننہ" کی حیثیت سے اپنے کردار کو اچھی طرح ادا کیا۔ عارضی حکومت کا بحیثیت "مجریہ" اپنے لائحہ عمل کے لئے "شورائے انقلاب اسلامی" کی منظوری حاصل کرنا فرض تھا اور وزراء کے سلسلہ میں اس شوریٰ کا اعتماد اور امام خمینی کی تائید حاصل کرنا ضروری تھی مگر معاون وزراء، گورنروں

اور فوجی افسروں کے سلسلہ میں عارضی حکومت نے نہ تو شوریٰ کی منظوری حاصل کی اور نہ ہی امام کی تائید، بلکہ خوب من مانی کی اور جس کو جو عہدہ چاہا دیدیا۔ اس دوسرے مرحلہ میں عارضی حکومت کے ارکان کی تعداد ایسی تھی جسے "شورائے انقلاب اسلامی" کی رکنیت حاصل نہیں تھی۔

عارضی حکومت کو تشکیل ہوئے تقریباً ۵ ماہ کا زمانہ گذرا تھا کہ حکومت اور شورائے انقلاب کے درمیان اختلاف رائے کی وجہ سے انقلابی ادارے بھی مثلاً انقلابی کمیٹیاں، انقلابی عدالتیں اور سپاہ پاسداران اختلاف رائے کا شکار ہونے لگے اور یہاں سے شورائے انقلاب کی عمر کے تیسرے مرحلہ کا آغاز ہوا۔ عارضی حکومت میں وہ لوگ تھے جو "نہضت آزادی" کے ممبر تھے اور انقلابی اداروں میں زیادہ تر وہ افراد تھے جو شورائی انقلاب اسلامی کے رکن تھے چونکہ دونوں کے طرز فکر میں شروع سے ہی ہماہنگی نہ تھی بنا برین یہ اختلاف رائے بھی پیدا ہوا۔ انقلابی ادارے انقلاب کے مخالفین کے مقابلہ میں سخت پالیسی اختیار کرنا چاہتے تھے اور حکومت کے ارکان اور ذمہ دار افراد کو بھی پکا انقلابی دیکھنا چاہتے تھے۔ شورائے انقلاب کے علماء بھی اسی نظریئے سے متفق تھے مگر عارضی حکومت کے ذمہ دار افراد کا طرز فکر چونکہ نو مینسٹی تھا اس لئے وہ اس نظریئے کی موافقت نہیں کر سکتے تھے اور وہ انقلابی اداروں کو اپنے کام میں رکاوٹ سمجھتے تھے، عارضی حکومت کے صدر بازرگان ہمیشہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر انقلابی اداروں اور شورائی انقلاب کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے رہے اور عملی طور پر انقلابی اقدامات کے لئے رکاوٹ بنے رہے۔ عارضی حکومت نے اس مشکل کا جو حل نکالا تھا وہ یہ تھا کہ شورائے انقلاب کے پانچ ممبران وزیر یا معاون کی حیثیت سے منتخب کئے جائیں جنھیں وزراء کی کابینہ میں شرکت اور رائے دہی کا حق حاصل ہوگا اور اسی طرح وزراء کی کابینہ سے پانچ افراد منتخب کئے جائیں گے جو حق رائے دہی کے ساتھ شورائی انقلاب کی میٹنگوں میں شرکت کریں گے۔

یہ حل اس لئے تلاش کیا گیا تھا کہ شورائے انقلاب کے کاموں میں عارضی حکومت کو قانونی حیثیت سے مداخلت کرنے کا حق مل جائے اور عارضی حکومت اپنی کمزوریوں میں شورائے انقلاب کے ارکان کو بھی شریک و سہیم بنا لے۔ بہرحال یہ تجویز پاس ہوئی اور اس پر عمل درآمد بھی ہوا۔ اس طریقۂ کار سے مشکل تو کیا حل ہوتی البتہ شورائے انقلاب کو عملی طور پر مزید کمزور بنانیکا راستہ پیدا ہو گیا۔

شورائے انقلاب اسلامی کی کارکردگی کا چوتھا مرحلہ ۱۵ ر آبان ۱۳۵۸ھ (۶ر نومبر ۱۹۷۹ء) کو عارضی حکومت کے زوال سے شروع ہوا۔ عارضی حکومت کے زوال کا اصلی سبب اصل انقلاب کے ساتھ وہی فکری ناہم آہنگی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ "نہضت آزادی" اپنے مغربی طرز تفکر کی بناء پر انقلاب نہیں بلکہ ایک ریفارم کے لئے جدوجہد کر رہی تھی یہی وجہ ہے کہ عارضی حکومت نے ایک لمحہ کے لئے بھی انقلابی اداروں کے ساتھ کوئی تعاون نہیں کیا، حالانکہ یہ انقلابی ادارے سماج اور انقلاب ہی کی وجہ سے وجود میں آئے تھے۔ عارضی حکومت کا رویہ اندرون ملک تو "رفارمسٹک" تھا ہی اس کی خارجہ پالیسی بھی خصوصاً انقلابی ممالک اور آزادی کے لئے جدوجہد کرنے والی تحریکوں کے ساتھ غیر انقلابی شیوہ اختیار کئے ہوئے تھی، حتی کہ انقلاب کی پالیسی کے خلاف بھی اقدام کرنے لگی۔ اگر کچھ دنوں یہ حکومت مزید برسرکار رہ جاتی تو مصر، اسرائیل اور جنوبی افریقہ سے تعلقات ختم کرنے کے سلسلہ میں جو اقدامات کئے گئے تھے، ان میں یہ حکومت براہ راست دخل انداز ہو جاتی حتی کہ امام کی شخصیت اور شورائے انقلاب پر بھی وہ دباؤ ڈالتی۔ ان حالات میں ایران کے عوام خصوصاً جوان اور یونیورسٹیوں کے طلبا کا غم و غصہ کرنا اور کوئی چارہ جوئی کرنا فطری امر تھا۔ جس وقت تہران میں امریکہ کے جاسوسی کے اڈے پر قبضہ کرنیکا مسلمان اور امام خمینی کے فدائی طلباء نے انقلابی اقدام کیا تو اس وقت عارضی

حکومت کا انقلابی اداروں کے ساتھ فکری تضاد بالکل کھل کر سامنے آگیا اور یہی چیز عارضی حکومت کے خاتمہ کا سبب بنی ۔ عارضی حکومت کے ختم ہونے کے بعد شورائے انقلاب براہ راست خود حکومت بنانے پر مامور ہوئی ۔ اس موقع پر شورائے انقلاب نے مقننہ اور مجریہ دونوں کے فرائض انجام دئے ۔ افسوس ہے کہ اس مرحلہ میں شورائے انقلاب میں عارضی حکومت والوں کو اکثریت حاصل تھی ان میں بنی صدر بھی تھا جو انتخاب کے بعد صدر جمہوریہ ہونے کے ساتھ ساتھ شورائی انقلاب کا بھی صدر ہو گیا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان سازشی اور مغرب زدہ لوگوں کی رخنہ اندازیوں کی وجہ سے شورائے انقلاب کو اپنی ذمہ داری نبھانے کا بھرپور موقع نہ مل سکا ۔ ۳۱ خرداد ۱۳۶۰ء (۲۱ جون ۱۹۸۱ء) کو، یعنی انتخابات ہوئے ابھی ڈیڑھ سال کا بھی عرصہ نہیں گذرا تھا کہ بنی صدر کو اپنی عدم صلاحیت کی بنا پر صدر جمہوریہ کے عہدہ سے برطرف ہونا پڑا اور عوام کو ایک ایسی مستحکم اور عوامی حکومت کی فکر ہوئی جو غرب گرائی کی مخالف ہو ۔ آخر شورائے انقلاب کے ذریعہ عوام نے آقائے محمد علی رجائی کی حکومت کو تشکیل دیا ۔ حالات کا یہ اتار اور چڑھاؤ اسی لئے تھا کہ نہضت آزادی، بنی صدر اور اس کے ہم خیال دوسری طاقتیں انقلاب اسلامی کی روش اور فکر سے ہم آہنگ نہ تھیں ۔ انقلاب اسلامی کے اصلی عوامل وہی عوامی گروہ تھے جو اسلام کے معتقد اور مشرقی و مغربی افکار سے متنفر تھے ۔

مغرب زدہ افراد کی پیدا کردہ رکاوٹوں اور اڑچنوں کے باوجود شورائے انقلاب نے ہمیشہ قابل قدر خدمات انجام دیں ۔ خدا نے چاہا تو ہم اسی فصل میں ان خدمات کی طرف اشارہ کریں گے ۔

شورائے انقلاب اسلامی کا یہ عظیم کارنامہ بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے ،

کہ اس نے صرف ۵ ا ماہ کے اندر نو سو سے زائد دفعات پر مشتمل دستور اساسی کی تدوین کر کے اسلامی پارلیمنٹ کے حوالے کر دیا اور اسلامی پارلیمنٹ نے ۷ خرداد ۱۳۵۹ھ (۲۸ مئی ۱۹۸۰ء) سے اس کے مطابق کام کرنا شروع کر دیا۔ اس دستور اساسی میں بہت سے قانون ایسے ہیں جن سے بہت سامراجی قرار دادیں لغو اور بیکار ہو گئیں۔

خارجہ پالیسی کے میدان میں انقلاب کے خدمات: ہر ملک کی خارجہ پالیسی اس ملک کی وزارت خارجہ کے ذریعہ عمل میں لائی جاتی ہے۔ پہلوی دور حکومت میں ایران کی وزارت خارجہ امریکی اور فرانسیسی ایجنٹوں اور ساواکیوں کا مرکز تھی اس وزارت میں کام کرنے والے معدودے چند افراد ایسے تھے جو غیر وابستہ تھے۔

چونکہ یہ وزارت بڑی اہمیت کی حامل تھی اور دنیا کے عوام کو انقلاب سے متعارف کرانے نیز دوسرے ممالک سے ایران کے سیاسی تعلقات بڑھانے کے سلسلہ میں اس وزارت کا بڑا موثر کردار تھا۔ اسی لئے انقلاب کی کامیابی کے بعد ملی گرا اور لیبرال قسم کے لوگ جن کا جھکاؤ مغرب کی طرف تھا اور انقلاب اسلامی کی ماہیت ان کے موافق طبع نہ تھی، انہوں نے اس وزارت پر قبضہ جمانے کی کوشش کی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ وزارت انقلاب کی کامیابی کے بعد دو سال دو ماہ تک صرف ایسے چار وزیروں کے ہاتھ میں رہی جو یا تو ملی گرا تھا یا مغرب کی طرف جھکاؤ رکھنے والا لیبرال۔ ظاہر ہے کہ جب وزارت ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں ہو گی تو نہ ملک کے اندر اسمیں کچھ تغیر اور تبدیلی رونما ہو گی اور نہ ہی ملک کے باہر ملک کی نمائندگی میں کوئی تبدیلی ظاہر ہو گی حالانکہ تغیر اور تبدیلی ایک انقلاب کا خاصہ اور لازمہ ہے۔ وہ بھی ایسا انقلاب جس کی حقیقت و ماہیت اسلامی ہو، نتیجہ یہ ہوا کہ ایران کی خارجہ پالیسی مضبوط نہ ہو سکی۔ اس کے علاوہ وزارت خارجہ کے بہت سے کارمند اور سفراء نے ایران سے باہر دوسرے ملکوں میں انقلاب کے

خلاف بہت سی رخنہ اندازیاں بھی کیں۔ ایران کی خارجہ پالیسی کو برمحل اور صحیح طور پر بروئے کار لانے کے لئے ضروری تھا کہ ایسے لوگوں کا وزارت خارجہ سے کلیتہً صفایا کیا جائے اور ایسے لوگوں کو ملک کے باہر بھی "قطعاً نمائندگی نہ دی جائے اور ہر قسم کے خود غرض اور مطلب پرست افراد کو ہٹا کر ان کی جگہ ایسے مومن افراد کو رکھا جائے جو انقلاب کے اصلی موقف کے دل وجان سے حمایت کرنے والے ہوں۔

اگرچہ انقلاب اسلامی کی خارجہ پالیسی روح انقلاب کے بالکل مناسب نہ تھی مگر انقلاب کی عوامی طاقت اور بیدار "قیادت" کا اثر ونفوذ اس قدر زیادہ تھا کہ جس نے ہر چیز کو اپنے پرچم کے سایہ میں لے لیا۔ اتنک بہت سے موثر اقدامات جمہوری اسلامی کی خارجہ پالیسی کے سلسلہ میں عمل میں آچکے ہیں یہاں ہم بعض اہم اقدامات کی طرف مختصر سا اشارہ کرتے ہیں:

- ۶/۱/۱۳۵۹ھ (۲۶/مارچ ۱۹۷۹ء) کو ایران نے سنٹو معاہدے سے کنارہ کشی اختیار کر لی جس سے یہ معاہدہ ختم ہو گیا۔
- ۱۱/۲/۱۳۵۸ھ (۲۹/اپریل ۱۹۷۹ء) کو جمہوری اسلامی ایران نے مصر کی سادات حکومت کے صیہونی حکومت کے ساتھ تعلقات برقرار رکھنے اور اس سے معاہدہ کرنے پر سادات حکومت کی سخت مذمت کی اور اس سے تعلقات ختم کر لئے۔
- ۲۳/۲/۱۳۵۸ھ (۱۳/مئی ۱۹۷۹ء) کو جمہوری اسلامی نے شورائی انقلاب اسلامی کی منظوری سے (CAPITULATION) کی شرمناک قرارداد اور اس کی رو سے حاصل ہونے والی تمام مراعات کو لغو اور باطل قرار دیا۔ یہ قرارداد ۱۲/دسمبر ۱۹۶۳ء کو شاہ اور امریکہ کے درمیان منعقد ہوئی تھی۔
- ۲۰/۳/۱۳۵۸ھ (۱۰/جون ۱۹۷۹ء) کو ایران ناوابستہ تحریک کی رکنیت میں شامل ہوا۔

- ۱۲/۸/۱۳۵۸ھ (۳ نومبر ۱۹۷۹ء) شورائے انقلاب کے ذریعہ ایران و امریکہ کے درمیان سامراجی قرارداد باطل اور لغو کر دی گئی۔

- ۱۳/۸/۱۳۵۸ھ (۴ نومبر ۱۹۷۹ء) کو تہران میں امریکی سفارتخانہ کو مسلمان اور امام خمینی کے نقش قدم پر چلنے والے طلبہ کے ذریعہ تصرف میں لے لیا گیا۔ یہ سفارتخانہ دراصل ایران اور علاقہ کے تمام ممالک کے لئے امریکہ کا ایک جاسوسی اڈہ تھا اسمیں کام کرنے والے جاسوس جو ایران کے اسلامی انقلاب اور علاقہ کی قوموں کے سازش میں مشغول تھے وہ ملت ایران کے یرغمال بنا لئے گئے۔

- ۲۹/۹/۱۳۵۸ھ (۲۰ دسمبر ۱۹۷۹ء) کو جمہوری اسلامی ایران نے امریکہ کی پٹھو مراکش حکومت سے قانونی طور پر تعلقات ختم کر لئے۔

- ۱۰/۴/۱۳۵۹ھ (۲۵ جون ۱۹۸۰ء) کو روسی سفارتخانہ کے ہیڈ کلرک کو جاسوسی کے اسناد کے تبادلہ کے جرم میں ایران سے نکالا گیا۔

- ۲۹/۴/۱۳۵۹ھ (۲۰ جولائی ۱۹۸۰ء) کو یرغمالیوں کے مسئلہ میں امریکہ کی پیہم دھمکیوں کے جواب میں ایران نے امریکہ سے قانونی طور پر تعلقات ختم کر لئے۔

- ۲۵/۵/۱۳۵۹ھ (۱۶ اگست ۱۹۸۰ء) کو لینن گراڈ میں ایرانی قونصل خانہ کو بند کر دینے کے جواب میں ایران نے روس سے کہا کہ روس بھی اصفہان اور رشت میں سے کسی ایک جگہ اپنے قونصل خانہ بند کرے۔ چنانچہ رشت میں روسی قونصل خانہ بند ہوا۔

- ۲۵/۵/۱۳۵۹ھ (۱۶ اگست ۱۹۸۰ء) کو جمہوری اسلامی ایران نے اعلان کیا کہ ہر وہ ملک جو صیہونیوں کے مقاصد کو تسلیم کرتے ہوئے اپنا سفارتخانہ بیت المقدس کی مقبوضہ سرزمین پر منتقل کرے گا' ایران اس ملک سے اپنے تعلقات ختم کرے گا۔

- ۲۸/۵/۱۳۵۹ھ (۹ اگست ۱۹۸۰ء) کو ایران نے چیلی کی پٹھو حکومت سے اپنے تعلقات ختم کر لئے۔

ان چیزوں کے علاوہ اسلامی انقلاب آزادی چاہنے والی تحریکوں کی بہت مدد کر رہا ہے خصوصاً فلسطین اور روس کی متجاوز حکومت کے خلاف افغانستان کی اسلامی تحریک کی، مورو اور فطانی کے آزادی چاہنے والے محاذ اور دوسرے مجاہد مسلمان جو مشرق و مغرب سے وابستہ حکومتوں سے لڑ رہے ہیں، ایران ان کی موثر انداز میں حمایت اور مدد کر رہا ہے۔ ان مجاہدین کے نمائندوں کے لئے ایران میں کافی وسائل اور امکانات بھی فراہم کئے گئے ہیں جن سے ان کی جدوجہد میں کافی ترقی ہوئی ہے۔ تہران میں قدس کی غاصب صیہونی حکومت کی نمائندگی، جس کے ذریعہ صیہونی حکومت کے شاہ خائن کی حکومت سے سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی تعلقات تھے۔ انقلابی طاقتوں کے توسط سے یہ نمایندگی فلسطین کی آزادی کے لئے جدوجہد کرنے والی تنظیم کو دیدی گئی ہے۔ اس کا دفتر آج بھی اپنی سرگرمیوں میں مصروف ہے۔

جمہوری اسلامی ایران نے لبنان و افغانستان میں صیہونزم اور امپریلیزم کے خلاف نبرد آزمائی کرنے والے مسلمانوں کی کئی مرتبہ بھاری تعداد میں فوجی اور مالی مدد کی ہے اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔

تیل اور گیس کے سلسلہ میں انقلاب اسلامی کے خدمات متجاوز اور پٹھو حکومتوں کے مقابلہ میں بہت ہی دلچسپ ہیں۔ ماضی میں شاہی حکومت کے تمام متجاوز اور پٹھو حکومتوں سے اقتصادی اور سیاسی روابط بہت عمدہ تھے۔ محروم و مستضعف قوموں کے خلاف بھی شاہی حکومت کا ان متجاوز حکومتوں سے معاہدہ تھا۔ قدس کی غاصب صیہونی حکومت، فلپائن کی پٹھو حکومت جنوبی افریقہ کی نسل پرست حکومت اور روس و امریکہ کی جنایت کار حکومتوں سے ایران کے تعلقات بہت گہرے تھے۔ جمہوری اسلامی نے انقلاب کی کامیابی کے فوراً ہی بعد ان حکومتوں سے اپنے سیاسی

اور اقتصادی تعلقات کے بارے میں نظر ثانی کی اور اسرائیل، جنوبی افریقہ، فلپائن اور امریکہ کو تیل دینا بند کر دیا۔ روس کو گیس دینا بھی بند کر دی اس لئے کہ وہ گیس کی مناسب قیمت دینے پر تیار نہ تھا۔

جمہوری اسلامی ایران اپنی سیاست "نہ شرقی نہ غربی" کی بنیاد پر اب تک دشمنوں کے ہر قسم کے دباؤ اور تسلط کو ٹھکرا چکی ہے۔ جو حکومتیں ایران ہی کی طرح محروم ومظلوم قوموں کی حمایت کر رہی ہیں۔ ان کے ساتھ اتحاد اور دوستی قائم رکھنے کے لئے بھرپور کوشش کی ہے۔ جمہوری اسلامی ایران نے بمقتضائے ماہیت انقلاب اسلامی اپنی اس سیاست کو باقی رکھنے کا مصمم فیصلہ کر لیا ہے۔

اندرونی پالیسی کے سلسلہ میں انقلاب کے خدمات:

اگر ہمیں کسی معجزہ کی جستجو اور تلاش ہو تو "انقلاب اسلامی" خود ہی اس صدی کا ایک عظیم ترین "معجزہ" ہے۔ اس کے بعد بھی اگر معجزہ کی جستجو ہو تو بلاشبہ ہمیں انقلاب اسلامی کے ان خدمات کا جائزہ لینا چاہیئے جو انقلاب کی کامیابی کے بعد انجام دیئے گئے ہیں تو معلوم ہوگا ایران کا اسلامی انقلاب ایک معجزہ تھا اور انقلاب کی کامیابی کے بعد انقلاب کی حسن کارکردگی اس سے بڑا معجزہ ہے۔ انقلاب کے بعد ایران کی مثال اس گھر کے مانند تھی جس کے تمام دروازے سب کے لئے کھلے ہوں جس کا جی چاہے وہ اس گھر میں داخل ہو جائے اور جس کا جی چاہے وہ باہر نکل جائے۔ عارضی حکومت کوئی اور راگ الاپ رہی تھی اور جنھوں نے انقلاب برپا کیا تھا، ان کا درد کچھ اور تھا، ان دونوں کے درمیان انقلاب کے مخالفین تھے جو آزادانہ جو چاہتے تھے کر رہے تھے اور جو جی میں آتا بولتے تھے۔ انقلاب کے ساتھ عارضی حکومت کی ناہم آہنگی نے یہ کہ صرف انقلابی عدالتوں، انقلابی کمیٹیوں اور انقلابی طاقتوں کے لئے رکاوٹیں پیدا

کر رکھی تھیں بلکہ امیر انتظام[1] جیسے افراد کے ذریعہ انقلاب کے مخالفین، پہلوی حکومت سے وابستہ اشخاص، دشمن طاقتوں کے ایجنٹوں اور ان کے جاسوسوں کے لئے بڑے وسائل اور آسانیاں فراہم کردی تھیں اور انقلابی طاقتوں کے تحت کام کرنے والے انتظامی اداروں کے لئے بڑی اڑچنیں پیدا کر رکھی تھیں ۔ بنی صدر کے صدر جمہوریہ ہونے کے بعد یہ صورت حال اور بھی زیادہ بدتر اور افسوسناک ہوگئی ۔ صدارت کا عہدہ مل جانے کے بعد بنی صدر کی شخصیت انقلاب کے مخالفین کے لئے قانونی پشت پناہ بن گئی اور ان لوگوں کے لیے پوری توانائی کے ساتھ حکومت کو نشانہ بنانے کا موقع مل گیا اور اب وہ انقلاب اور نظام جمہوری اسلامی پر کاری ضرب لگا سکتے تھے ۔ یہ موقع سبھی ایسے افراد کے لئے فراہم ہو گیا جو اسلامی رجحان نہ رکھتے تھے ۔ اہم اس سے کہ چاہے وہ لوگ ہوں جو دوبارہ ایران میں بڑی طاقتوں کے واپس آنیکا خواب دیکھ رہے تھے یا وہ لوگ جو ایک غیر اسلامی حکومت کے خواہاں تھے ۔ اس درمیان بیرونی دشمنوں کو بھی انقلاب کو بدنام کرنے کا اچھا موقع ہاتھ آگیا ۔ خصوصاً امریکہ کو براہ راست مداخلت کرنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوئی بلکہ خود صدر جمہوریہ ہی کی زبان و قلم سے انقلاب اسلامی کے خلاف ہر قسم کی سازش کرنے کا اچھا ذریعہ ہاتھ لگ گیا ، انقلاب پر صدر جمہوریہ کی تہمتوں اور الزام تراشیوں کو دشمنوں نے اپنے پروپیگنڈہ بھونپوؤں سے خوب خوب دنیا بھر میں پھیلایا اور دل کھول کر انقلاب کے چہرہ کو بگاڑ کر پیش کیا ۔

ان حالات میں مغرب و مشرق سے وابستہ چھوٹے چھوٹے گروہوں نے بھی فائدہ اٹھایا انہوں نے ، صدر جمہوریہ کی پشت پناہی ، بنی صدر کو سامنے لاکر اور عوام کی حمایت کا بہانہ بناکر ملک میں ادھر ادھر بھیانک جرائم کی آگ بھڑکا دی ۔ کردستان اور دوسرے

---

[1] عارضی حکومت کا سپیکر جو امریکہ کی جاسوسی کے جرم میں سزایاب ہوا اور عمر قید کے لئے جیل میں ڈالدیا گیا ۔

علاقوں میں یہ لوگ نہتے لوگوں پر حملہ کرتے اور انھیں اپنی بات منوانے اور اپنا ہمنوا بنانے پر مجبور کرتے اگر مزاحمت کرتے تو ان کے سر کاٹ لئے جاتے۔ ان وحشیانہ حرکات کو انھوں نے حقوق خلق کی حمایت کا نام دے رکھا تھا۔ ان جرائم کو روکنے کے لئے جب حکومت نے عملی اقدام کیا اور انقلابی عدالتوں نے اپنی ذمہ داریوں کا ثبوت دیا تو یہی جرائم پیشہ افراد ساری دنیا میں چیختے چلاتے پھرے کہ ایران میں آزادی نہیں ہے۔ صہیونیت اور دنیا کے خونخواروں کے پروپگنڈہ بھونپو اپنے ایجنٹوں کے متعلق چھوٹے سے چھوٹے واقعے کو خوب بڑھا چڑھا کر دنیا کی عوام کے سامنے پیش کرتے رہے مگر جس وقت لاکھوں کی تعداد پر مشتمل افراد انقلاب اور انقلاب کی قیادت کی حمایت میں مظاہرہ کرتے ہیں تو اتنی بڑی تعداد انھیں قوی سے قوی تر ذرّہ بین (میکراس کوپ) کے ذریعہ بھی نہیں دکھائی دیتی انکی یہی حالت آج بھی ہے۔

ان سب باتوں کے باوجود، دنیا میں جہاں کہیں بھی انقلاب آیا ہے تو عموماً دیکھنے میں یہی آیا ہے کہ برسوں تک وہاں انقلابی ادارے ہی کے ذریعہ حکومت چلائی جاتی ہے اور انقلابی پارٹی جدید نظام قائم کرنے اور دستور اساسی کو مرتب کرنے کے لئے عوامی رائے حاصل کرنے کے لئے تیار اور آمادہ نہیں ہو پاتے برخلاف اس کے ایران کے اسلامی انقلاب کے ذمہ داروں نے انقلاب کی کامیابی کے بعد فقط ۴۷ دن میں ایک جدید نظام حکومت قائم کرنے کے لئے عوامی رائے حاصل کی اور انقلاب کی کامیابی کے ۱۷۰ روز بعد (۱۲ امرداد ۱۳۵۸ھ / ۳ جولائی ۱۹۷۹ء) جمہوری اسلامی ایران کے دستور اساسی کو مرتب کرنے کے لئے مجلس خبرگان کا انتخاب کیا اور چار ماہ بعد (۱۱ آذر ۱۳۵۸ھ / ۲ دسمبر ۱۹۷۹ء) نئے دستور اساسی عام ملت کے سامنے پیش کر دیا۔ اس کے بعد بہت ہی مختصر وقفے کے بعد صدارت اور اسلامی پارلیمنٹ کے انتخابات کرائے اور عوامی رائے حاصل کر کے ایک اسلامی

جمہوری نظام کو رائج کر دیا۔

درحقیقت یہ ایک عظیم معجزہ ہے کہ ایک ایسا انقلاب جو نا بڑ تو ڑ اندرونی بیرونی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا شکار ہوا اپنی کامیابی کے بعد ڈیڑھ سال سے کم عرصہ میں دو ریفرنڈم[1] اور چار انتخابات[2] کرلئے اور ہر ایک میں کامیابی حاصل کرکے شورائی انقلاب کو توڑ کر ملک کی باگ ڈور عوام کے انتخاب کردہ نمائندوں کے حوالے کردے۔

اس وقت جمہوری اسلامی ایران پارلیمانی طرز پر حکومت چلا رہی ہے مجلس شورائے اسلامی (اسلامی پارلیمنٹ) اور پارلیمنٹ کی منتخب سرکار جو اولاً ڈائرکٹ عوامی رائے اور ثانیاً انڈائرکٹ عوامی رائے سے منتخب ہوتے ہیں، کامیابی کے ساتھ حکومت چلا رہے ہیں۔ شورای عالی قضائی (سپریم کورٹ کونسل) کے ممبران بھی منتخب ہو کر ملک کے عدالتی امور کی ذمہ داری اپنے کاندھوں پر اٹھائے ہوئے ہیں۔

مجلس شورای اسلامی ۲۱۶[3] نمائندوں پر مشتمل ہے، جنمیں ۹۸ علماء ہیں اور ۱۱۸ نفر غیر علماء۔ ۱۱۸ نمائندوں میں ۱۱ افراد علوم ریاضی کے ماہرین اور ۴۲ نفر دوسرے علوم کے ماہرین ہیں۔ کل نمائندوں میں ۶۹ افراد کسان طبقے سے، ۱۹ نفر کارگر طبقے سے، ۵۱ نفر مزدور طبقے سے اور ۶۳ نفر علماء زادے ۲ نفر ڈاکٹر زادے ہیں۔ ان کے علاوہ باقی افراد وہ ہیں جن کے والدین کی حیثیت ثقافتی ہے یا وہ ملازم پیشہ ہیں۔ اس کے علاوہ علماء میں سے چند ایک مجتہد بھی ہیں۔

---

[1] پہلا ریفرنڈم شہنشاہی نظام کو ختم کرکے جمہوری اسلامی قائم کرنے کیلئے ہوا اور دوسرا جمہوری اسلامی کے قانون اساسی کے لئے۔ [2] چار انتخابات یہ ہیں: مجلس خبرگان، شوریٰ اور مرحلہ اول و دوم کے اسلامی پارلیمنٹ کے انتخابات۔ [3] مجلس شورای اسلامی میں کل ۲۷۰ نشستیں ہیں۔ یہ تعداد (۲۱۶) پارلیمنٹ کے دورہ اول میں منتخب شدہ نمائندوں کی ہے کیونکہ اس وقت جنگ کی وجہ سے کئی سرحدی علاقوں میں انتخابات نہ ہو سکے تھے۔

دستور اساسی کی رو سے جمہوری اسلامی ایران کی کلی سیاست اور پالیسی زبان، بیان، عقیدہ، پارٹیوں کی تشکیل اور نشریات و مطبوعات کی آزادی پر مبنی ہے بشرطیکہ یہ آزادی اسلام کے اصول اور دوسروں کی آزادی کے لئے خلل انداز نہ ہو۔ انقلاب اسلامی کو کامیاب ہوئے تقریباً ڈھائی سال کا عرصہ گذر چکا ہے اور ابتک معاشرہ میں یہ آزادی بغیر کسی ضابط اور کنٹرول کے پائی جاتی ہے اور بہت سے افراد گروہ اور پارٹیاں اپنے بیان اور مطبوعات ـــ حتی کہ بسا اوقات مسلحانہ اقدام کے ذریعہ جو چاہتے ہیں کر گذرتے ہیں اور چونکہ ان مسائل کے جزئیات کے متعلق ابھی پارلیمنٹ میں کوئی قانون پاس نہیں ہو سکا ہے اس لئے حکومت چلانے والے ذمہ دار افراد کوئی اقدام نہیں کرتے سوائے ان مواقع کے جہاں جمہوری اسلامی ایران کے نظام ہی کے لئے بنیادی طور پر خطرہ پیدا ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ آئندہ جب اسلامی پارلیمنٹ کی طرف سے آزادی کے حدود واضح کر دئے جائیں گے تو یہ بے راہ روی باقی نہیں رہے گی پھر آزادی قانون کے دائرے میں ہی ہوگی۔

ثقافتی میدان میں انقلاب کے خدمات : اس کتاب میں یہ حقیقت متعدد بار دھرائی جا چکی ہے کہ سامراجیوں نے ایران اور دیگر اسلامی ممالک میں اپنی سامراجیت اور ریشہ دوانیوں کو باقی رکھنے کے لئے سب سے زیادہ مناسب جو راستہ اپنایا وہ یہ تھا کہ اسلامی ثقافت کو مسخ کر کے سامراجی ثقافت معاشرے میں رائج کر دی جائے۔ ایران میں گھرانوں اور خانوادوں سے زیادہ یونیورسٹیوں اور علمی مرکزوں پر مغربی ثقافت چھائی ہوئی تھی۔ ایرانی عوام اپنے گہرے مذہبی اعتقادات کی بنا پر ضد انسانی اور مغربی تہذیب کے سایہ میں زندگی گذارنے پر آمادہ نہ تھے۔ صرف نام نہاد اشراف کا طبقہ ایسا تھا جو مغربی تہذیب و ثقافت کا دلدادہ بھی تھا اور سر سے پیر تک اسی تہذیب میں ڈوبا ہوا بھی تھا اس طبقے کی زندگی کی ہر چیز مسخ ہو کر اور بدل کر عوامی زندگی سے مختلف

ہوگئی تھی اور طبقہ قوم کی بھاری اکثریت سے جدا ہو گیا تھا۔

ایران کا اسلامی انقلاب قوم کی اسی بھاری اکثریت کی وجہ سے بار آور ہوا جو مغربی تہذیب و ثقافت کو کسی قیمت پر بھی قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ ایسے لوگوں کی یونیورسٹیوں اور ثقافتی مراکز میں کوئی حیثیت نہیں تھی اگر کچھ اساتذہ تھے بھی تو شاہی حکومت سے جدوجہد کے جرم میں یا تو ہمیشہ جیلوں میں رہے یا ان کے لئے ملک بدر ہونے کا حکم تھا اور اگر علمی یا ثقافتی مراکز میں کام کرتے رہے اور جیل جانے یا ملک بدر ہونے سے بچ گئے تو ایسے لوگ کلیدی عہدہ سے محروم رکھے جاتے تھے۔ یونیورسٹیوں اور علمی مرکزوں کے ذمہ دار اور اصلی کارکن یا تو فراماسیسی اور ساواک کے ممبران ہوتے تھے یا پھر وہ لوگ جو بڑی طاقتوں کے جاسوس خانوں سے متعلق تھے۔ ملک کا تعلیمی نظام اور سسٹم کامل طور پر مغربی تہذیب سے وابستہ تھا۔ درسی کتابیں اور مضامین بھی مغرب سے ہی فراہم کئے جاتے تھے۔ پہلوی حکومت سے وابستہ اور حکومت کے پٹھو لوگوں کے لڑکوں پر سامراجی ملکوں کی یونیورسٹیوں میں تعلیم کے لئے تعلیمی وظیفے کی بہت بڑی رقم صرف کیجاتی تھی۔ ملک کے تمام فنی مراکز جیسے تھیٹر، نمائش گاہیں، میوزیم اور اسٹیڈیم وغیرہ سب کے سب مشرق یا مغرب سے وابستہ لوگوں کے ہاتھوں میں تھے جو ملک میں مادی دنیا کی بے حیائیوں کے منتقل کرنے کا ذریعہ تھے اور جو انسانوں کو صرف ایک مشین خیال کرتے تھے اور ان کے پاس انسانوں کیلئے سوائے عیش و نوش شہوت پرستی اور ہوس رانی کے کوئی اور پیغام نہ تھا۔ پہلوی دور میں ایران میں ہنر اور آرٹ بہت ہی مبتذل اور رکیک ہو چکا تھا، اس میں انسانیت کے علاوہ سبھی چیزیں موجود تھیں۔ انقلاب اسلامی کی کامیابی کے بعد بہت سے پٹھو اور وابستہ اساتذہ اور کارکنوں کو اداروں سے نکال دیا گیا، تعلیمی وظیفہ

بند کر دیا گیا اور رکیک، بیہودہ اور مبتذل آرٹ پر پابندی عائد کر دی گئی مگر اس کے باوجود ایران کے علمی مراکز اور یونیورسٹیاں ضد انسانی تہذیب و ثقافت کو ملک میں منتقل کرنے کے لیے سوتے کی صورت میں موجود تھیں۔ ان سب چیزوں سے اہم بات یہ ہے کہ یونیورسٹیوں کے مسائل سے عارضی حکومت کی بے توجہی نے ان علمی مراکز کو مغرب و مشرق سے وابستہ سیاسی جماعتوں کے دفاتر میں تبدیل کر دیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ یہ جماعتیں اپنے سیاسی اشتہار اور ہینڈبل وغیرہ چھاپنے کے لئے انھیں علمی مراکز کے پریسوں کو من مانی استعمال کیا کرتے تھے۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے کمرے اسلحے اور جنگی ساز و سامان سے پر کر دئے گئے۔ امریکہ اور دوسری بڑی طاقتوں کے ایما پر کردستان اور ملک کے دوسرے علاقوں میں جو بدامنی اور فسادات کی وارداتیں رونما ہوئیں ان کا منصوبہ انھیں کمروں میں بنایا جاتا تھا۔ وابستہ اور سر سپردہ اساتذہ نے بھی ان جماعتوں کا ساتھ دیا۔ مختصر یہ کہ ملک کے علمی مراکز اور یونیورسٹیاں بڑی طاقتوں کی سیاسی نمائندگی کے مرکز میں تبدیل کر دی گئی تھیں۔

مسلمان، متعہد اور اسلامی انقلاب پر یقین و ایمان رکھنے والے طلباء، جن کی یونیورسٹیوں اور علمی مرکزوں میں اکثریت تھی انہوں نے ان حالات میں ایک ثقافتی انقلاب کا احساس کیا اور انھوں نے اس بات کو ترجیح دی کہ کچھ مدت کے لئے یونیورسٹیاں بند کر دی جائیں اور بار دیگر کسی قسم کی وابستگی کے بغیر ان یونیورسٹیوں کو اس وقت کھولا جائے جب ایک ایسا تعلیمی نظام اور سسٹم مرتب ہو جائے جس کی بنیاد اسلامی تہذیب و ثقافت پر ہو اور ساتھ ہی ساتھ دنیا کی علمی پیشرفت سے بھی استفادہ کیا گیا ہو۔ اردیبہشت ۱۳۵۹ھ (اپریل ۱۹۸۰ء) کے تیسرے ہفتے میں شورائے انقلاب میں یہ تجویز پاس ہوئی کہ تمام علمی مراکز اور یونیورسٹیاں خالی کرا کے تا اطلاع ثانی بند کر دی جائیں۔ ان اداروں

کے تخلیہ کے وقت وہ جماعتیں جو یہاں اپنے اسلحے جمع کر کے محفوظ کئے ہوئے تھیں مزاحمت کے لئے اٹھیں تو عوام خود میدان میں آگئے اور آخر کار کئی لوگوں کی قربانی دیکر عوام اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے۔

خرداد ۱۳۵۹ھ (مئی ۱۹۸۰ء) میں رہبر انقلاب اسلامی امام خمینی کی طرف سے ثقافتی انقلاب کی رہنمائی اور تعلیمی نظام کی تدوین و ترتیب کے لیئے ایک کمیٹی مقرر ہوئی تاکہ وہ یونیورسٹیوں کے تعلیمی سسٹم کو اسلامی تعلیمات اور انقلاب و معاشرہ کی انسانی ضروریات کی بنیاد پر مرتب کرے۔ اس کمیٹی نے متعہد اور انقلاب پر یقین و ایمان رکھنے والے اساتذہ اور طلبا کی مدد سے اس عالی مقصد کی حصول یابی کے لئے وسیع پیمانہ پر اپنی کوششوں کا آغاز کیا اور انقلاب اسلامی کو کامیاب ہوئے ابھی صرف دو سال چند مہینے گذرے تھے کہ تعلیم کے میدان میں یونیورسٹیوں کی طرف سے ایسے مفید اقدامات کر دئے گئے کہ اب وہاں تعلیم پانے والے طلبا سامراجیوں سے فکری وابستگی سے نجات پا کر اسلامی تعلیم و تربیت کی طرف متوجہ ہو سکیں۔ غلط اور استعماری درسی کتابیں حذف کر دی گئیں ہیں اور ان کی جگہ صحیح اور مفید معلومات پر مبنی نئی کتابیں فراہم کی گئیں۔ درسی کتابوں میں اسلام ہی کی تعلیمات اور انقلابی مسائل سموئے گئے ہیں اور تعلیم و تربیت کے ذمہ دار افراد طلبا کے تربیتی امور کی طرف خاص توجہ دینے لگے ہیں۔ ملک میں تعلیمی فضا کو بہتر بنانے کے لئے کافی کوشش ہو رہی ہے۔ اتنے ایران کی تاریخ تعلیم و تدریس میں جتنے مدارس تھے، ان کے مقابلے میں ایک تہائی مدارس انقلاب کی کامیابی کے بعد صرف دو سال کے اندر قائم کئے جا چکے ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ زیادہ تر یہ مدارس دیہاتوں میں کھولے گئے ہیں، اس طرح دیہات میں زندگی بسر کرنے والوں کی تعلیمی سطح کو بلند کرنے کی کوشش برابر جاری ہے۔

انقلاب کی کامیابی کے بعد کتاب و نشریات کی طباعت واشاعت میں ایران نے بہت نمایاں ترقی حاصل کی ہے۔ ۱۳۵۹ھ (۱۹۸۰ء) میں یعنی انقلاب کی کامیابی کے ڈیڑھ سال بعد ۱۸۴ جدید نشریئے شائع ہونے لگے جن میں ۱۰۵ نشریئے صرف تہران سے شائع ہو رہے ہیں۔ مختلف شعبوں خصوصاً انقلابی اور آئیڈیالوجک مسائل میں تصنیف و تالیف اور طباعت و اشاعت میں کافی ترقی ہوئی ہے۔ مکتب بینی اور مطالعہ کا ذوق شوق خصوصاً نئی نسل کے جوانوں میں پہلے کی بہ نسبت دس گنا زیادہ پایا جاتا ہے۔
انقلابی اور آئیڈیالوجک مسائل کو پڑھانے کے لئے شہروں اور خصوصاً دیہاتوں میں نمایاں تعداد میں کلاس کھولے جاچکے ہیں جن کے متعلق تفصیلی معلومات "جہاد سازندگی" کی رپورٹ سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ یہ اقدامات مجموعی طور پر ایرانی عوام کی فکری، سیاسی اور آئیڈیالوجکل بصیرت کو ترقی دینے میں کافی موثر اور معاون ثابت ہوئے جن لوگوں نے انقلاب سے پہلے ایران کو دیکھا تھا اب اگر وہ ایران آکر وہاں کے عوام خصوصاً نئی نسل کے جوانوں سے ملاقات کریں تو انھیں اندازہ ہوجائیگا کہ یہاں کے لوگوں نے تھوڑی ہی مدت میں کتنی حیرت انگیز ترقی کی ہے۔

تہران میں امریکہ کا جاسوسی اڈہ: تہران میں امریکہ کے جاسوسی کے اڈے پر قبضہ کرنا بظاہر یہ ایک سیاسی مسئلہ معلوم ہوتا ہے۔ مگر حقیقتاً یہ مسئلہ ایران کے اسلامی انقلاب کے ثقافتی پہلو سے زیادہ مربوط ہے۔ جن لوگوں نے اس جاسوسی کے اڈے کو اپنے قبضہ اور تصرف میں لیا تھا وہ سب کے سب یونیورسٹی کے طلبا تھے اور ان کے اس اقدام کا محرک کسی طرح بھی کوئی سیاسی مقصد نہ تھا۔ اگرچہ ان کا یہ اہم اقدام خود بخود سیاسی نتائج پر بھی منتہی ہوتا ہے مگر وہ لوگ اس اقدام کے سلسلہ میں کسی بھی سیاسی گروہ سے کوئی بات چیت نہیں رکھتے اور جب تک یہ جاسوسی کا اڈہ

ان کے قبضے میں رہا۔ اس حقیقت کا بار بار اعلان بھی کیا گیا اور عملی طور پر بھی ثابت کر کے دکھایا گیا۔

ان مسلمان اور انقلابی طلباء کو جس چیز نے اس اقدام کے لئے آمادہ کیا تھا وہ یہ تھی کہ یہ طلبا ایران میں امریکہ اور سامراجی ثقافت کے دوبارہ پلٹ آنے کا شدید خطرہ محسوس کر رہے تھے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ ایران میں انقلاب آچکا ہے اور وہ بھی ایسا انقلاب جو خالص اسلامی انقلاب ہے مگر پھر بھی ابھی مغرب زدہ لوگ یہی ظاہر کر رہے ہیں کہ ملک چلانا صرف مغربی تعلیم یافتہ افراد ہی کا کام ہے۔ ملک کی قسمت کے وہی لوگ ٹھیکدار بنے بیٹھے ہیں۔ کارٹر کے سکیورٹی مشاور برژنسکی کی طرف وہ لوگ دوستانہ ہاتھ بڑھا رہے ہیں اور مغرب کی ضد انسانی تہذیب و ثقافت کے لئے ایران کے دروازے کھولے رکھے ہیں۔ امام خمینی کے نقش قدم پر چلنے والے مسلمان طلبا کو یہ زبردست خطرہ محسوس ہوا کہ اگر یہی صورت حال رہی تو کہیں ان لاکھوں عوام کا خون رائگان ہو جائے جنھوں نے اپنا خون دیکر انقلاب کو بار آور کیا ہے اور کہیں ایسی زمین نہموار کر دی جائے کہ علماء اور قائد انقلاب کا انقلاب اور ملک کی قیادت و سیاست میں کوئی کردار باقی نہ رہ جائے۔ یہ طلبا جانتے تھے کہ تہران میں امریکی سفارتخانہ سامراجی تہذیب و سیاست کو منتقل کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ یہ سفارتخانہ در اصل جاسوسی کا ایک اڈہ ہے جہاں جاسوسوں کی ایک بڑی تعداد بیٹھ کر امریکہ کو دوبارہ ایران میں لانیکا ناپاک منصوبہ تیار کر رہے ہیں۔ ان طلبا نے ملک کے سیاسی افسروں اور انقلاب کے اصلی ذمہ داروں سے بات چیت کئے بغیر ۱۳ آبان ۱۳۵۸ھ ش (۴ نومبر ۱۹۷۹ء) کو اس جاسوسی کے اڈے کو اپنے قبضے میں لے لیا تاکہ وہ سوتا ہی بند ہو جائے جو ایران میں مغربی تہذیب اور مغربی سیاست

کے آنے کا ذریعہ ہے۔

یہاں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ معدوم شاہ نے جس وقت ایران سے فرار اختیار کیا تو امریکہ ہی نے اسے اپنے یہاں پناہ دی تھی۔ لہذا طلبا کا امریکی جاسوس خانہ پر قبضہ کرنیکا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ وہ امریکہ سے شاہ کو واپس لیں تاکہ اس پر ایران کی عدالت میں امریکہ کے ایجنٹ ہونے کے جرم میں مقدمہ چلایا جاسکے۔

ہم بتا چکے ہیں کہ امریکی جاسوس خانہ کا مسئلہ پہلے ایک ثقافتی اور تہذیبی مسئلہ تھا جو بعد میں سیاسی صورت حال اختیار کر گیا۔ ہمارے اس دعوے کی بہت بڑی دلیل یہ ہے کہ امریکی جاسوس خانہ پر قبضہ کرنے کا سب سے اہم نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ امریکہ کی افسانوی طاقت وقدرت کا یقین ایران اور تمام دنیا کے عوام کے ذہنوں سے جاتا رہا اور امریکہ کی جھوٹی عظمت وجلالت کا مینارہ زمین بوس ہوگیا۔ جو لوگ یہ غلط باور کئے ہوئے تھے کہ ساری دنیا کی ثقافت کے ستون آپس میں مربوط ومتصل ہیں جو جدا نہیں کئے جاسکتے، ایرانی عوام بھی اسی ثقافت کا ایک جز ہیں، مگر یہ یقین اس دن ذہنوں سے ڈھل گیا جس دن ایرانی طلبا نے امریکی جاسوس خانے کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ یہی وجہ تھی کہ جب بیدار وحق آگاہ قائد امام خمینی کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپ نے فوراً کہا۔" اس اقدام سے ایران میں دوسرے انقلاب کا آغاز ہوا ہے جو پہلے انقلاب سے بھی زیادہ بڑا ہے۔" اور یہی وجہ تھی امام خمینی نے اس اقدام کے کرنے والے انقلابی طلبا کی حمایت کرتے ہوئے اپنی تقریروں میں درج ذیل چار بڑے ہی پرمعنی اور پہلودار جملے متعدد بار استعمال کئے:

امریکا شیطان بزرگ است۔ امریکا طبل تو خالی است۔
امریکا ام الفساد است۔ امریکا ہیچ غلطی نمی تواند بکند۔

ان چاروں جملوں نے محروم اور مظلوم قوموں پر حکومت کرنے والی امریکی اور سامراجی ثقافت کے ایک ستون کو ایران میں گرا کر محروم قوموں کو اپنی ثقافت و فطرت کی طرف پلٹنے کے لئے ایک نئی طاقت عطا کردی۔ یہ چار جملے ۱۳ آبان ماہ ۱۳۵۸ھ (۴ نومبر ۱۹۷۹ء) کے بعد ایرانی عوام کی ثقافت میں داخل ہوئے ہیں اور ان کا شمار بھی انھیں اقوال میں ہوتا جنھوں نے اسلامی انقلاب کی ثقافت کے سلسلہ میں بہت کام کیا ہے اور جو ایران و انقلاب ایران کی تاریخ میں خوشنما جلی حروف میں ثبت ہو چکے ہیں۔

امریکہ اس جاسوسی کے اڈے پر قبضہ کر لینے کے بعد مغربی عوام یا ان کے عملی کارناموں سے نہیں بلکہ ان کی سامراجی تہذیب و ثقافت سے گریز کرنا ایرانی عوام کی ثقافت کا ایک جزو بن گیا اور ایرانی عوام کے لئے وہ مغربی اندار شدید طور پر قابل نفرت ہو گئے جنھیں مغرب و مشرق کے سامراج ہمیشہ ایک عنصر کی حیثیت سے اسلامی اور عوامی ثقافت کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ ان اسباب کی بنا پر اس مسئلہ کو سیاسی حیثیت سے زیادہ ثقافتی حیثیت حاصل ہے۔

تہران میں امریکی سفارتخانہ کو ہم جاسوسی کا اڈہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس پر قبضہ کرنے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ اس سفارتخانہ میں جاسوسی کے اہم ترین ساز و سامان موجود تھے نیز مخبری اور خبر رسانی کے ایسے ترقی یافتہ وسائل یہاں پر پائے گئے جو صرف سی آئی اے (C I A)، موساد اور کے۔جی۔بی (K G B) جیسی جاسوسی کی سروسوں کے پاس ہوا کرتے ہیں اور یہاں پر کام کرنے والے افراد دکھانے کے لئے تو سفارتی کاموں کے واسطے رکھے گئے تھے مگر ان کا کام یہ تھا کہ وہ مغرب زدہ سیاسی افراد اور سیاسی جماعتوں سے رابطہ قائم کریں اور انقلاب اسلامی سے متعلق سیاسی معلومات حاصل کر کے اس سفارتخانے کے ذریعہ واشنگٹن خبر پہنچاتے رہیں۔ اس سفارتخانہ میں بہت سے جاسوسی کے دستاویزات

موجود تھے جن میں تھوڑے سے دستاویزات صحیح سالم طلبا کے ہاتھ لگے۔ باقی زیادہ تر حصہ سفارتخانہ میں ہی امریکیوں نے مشین کے ذریعہ کترن بنا ڈالا تھا۔ طلبا نے ان ٹکڑوں کو بڑی زحمت اور دیدہ ریزی کے ساتھ جوڑ جوڑ کر اصلی دستاویزات کو بھی فراہم کر لیا۔ بنابریں یہ کہا جا سکتا ہے کہ امریکہ کی نمائندگی کے لئے تہران میں اگر واقعی سفارتخانہ ہوتا وہ بین الاقوامی قانون کے خلاف یہ امور انجام نہ دیتا۔ دراصل یہ سفارتخانہ نہیں تھا بلکہ یہاں سے ہاتھ آنے والے دستاویزات و اسناد سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آ گئی کہ یہ صرف ایرانی عوام ہی کے لئے نہیں بلکہ علاقے کی تمام قوموں کے خلاف جاسوسی کا ایک اہم مرکز تھا۔ اگرچہ طلبا کے اس اقدام کے سلسلہ میں دنیا کے خونخواروں نے اپنے پروپیگنڈوں میں بہت زہر افشانی کی ہے اور اس اقدام کو بین الاقوامی قانون کے خلاف عمل کہا ہے مگر ایرانی عوام نیز دنیا کے تمام عوام پر یہ بات روشن ہے کہ جو واقعی سفارتخانہ ہو اس پر قبضہ کرنا بین الاقوامی قانون کے خلاف ہے جاسوسی کے اڈے پر نہیں۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جاسوسی کا کام صرف امریکی سفارتخانہ ہی سے مخصوص نہیں ہے بلکہ بہت سے سفارتخانہ ایسے ہیں جو جاسوسی کا کام انجام دے رہے ہیں اور سفارتخانوں کے مخصوص قوانین کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ مگر ان انقلابی طلباء نے امریکی سفارتخانہ ہی کے متعلق یہ اقدام اس لئے کیا کہ ہمارے انقلاب کو اصل خطرہ براہ راست امریکہ ہی سے تھا۔ اور اسلامی انقلاب نیز علاقے کی قوموں کے خلاف دنیا کے خونخواروں کی سازشیں براہ راست اسی سفارتخانے سے عمل میں لائی جاتی تھیں۔ چونکہ تمام سفارتخانوں سے انقلاب کو کوئی اہم اور فوری خطرہ نہ تھا اس لئے طلبا نے ان کے خلاف اقدام کرنا ضروری نہیں سمجھا اور ان کا معاملہ حکومت کے ذمہ داروں پر چھوڑ دیا۔

ایرانی عوام بخوبی جانتے ہیں کہ امریکی جاسوس خانہ پر قبضہ کرنا دنیا کے خونخواروں کی نظر میں چاہے وہ امریکہ ہو چاہے یورپ اور چاہے دنیا کے دوسرے ممالک، بین الاقوامی قانون کے خلاف ہے مگر وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ ان خونخواروں کی نظر میں تو اصولاً ایران کا اسلامی انقلاب بھی بین الاقوامی قانون کے خلاف ہے۔ ان کے نظریئے کے مطابق یہ دونوں چیزیں بری ہیں اور قابل مذمت ہیں۔ اس لئے کہ یہ دونوں چیزیں ان کے مفادات کے خلاف ہیں۔ ذرا دنیا کے خونخوار امام خمینی کے نقش قدم پر چلنے والے مسلمان طلباء کے انسانی رویہ اور سلوک پر غور کریں جو انھوں نے امریکی جاسوسوں کے ساتھ کیا اور امریکہ، انگلینڈ، فرانس اور ان کی ہمنوا جرائم پیشہ سامراجی حکومتوں کے خلاف انسانیت مظالم پر احتجاج کرنے والے ایرانی طلبا کے ساتھ جو وحشیانہ سلوک کیا گیا اس پر غور کریں کہ یہ ایرانی طلبا صرف اعتراض و احتجاج کے جرم میں سامراجیوں کی فاشسٹ پولیس کے ہاتھوں بری طرح ستائے گئے اور بہت سے طلبا مظالم کی تاب نہ لاکر جاں بحق تسلیم ہو گئے۔ ذرا ان دونوں کردار کا موازنہ کریں اور اس کے بعد جواب دیں کہ آیا ایک نام نہاد سفارتخانہ جو جاسوسی اور ایک قوم کے خلاف سازش میں مصروف ہے اس پر قبضہ کرنا غیر انسانی عمل ہے یا انسانیت سوز مظالم کے خلاف آوازِ احتجاج بلند کرنے والے طلبا کو وحشیانہ طریقے سے تشکنجہ دینا اور قتل کرنا غیر انسانی فعل ہے؟

امریکی جاسوس خانہ کے متعلق یہاں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کے علاوہ بھی بہت سے فوائد حاصل ہوئے ہیں، جن کو بیان کرنے کے لئے مستقل ایک کتاب کی ضرورت ہے۔ ہم اختصار کے پیش نظر بعض باتوں کی طرف صرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔

۱۔ غرب زدہ روش رکھنے والوں کا انکشاف

۲۔ بہت سے افراد اور جماعتوں کی حقیقت کا انکشاف جو اپنے چہروں پر تو مشرق کی حمایت اور طرفداری کی نقاب ڈالے ہوتے ہیں مگر ان کا مغرب اور امریکہ سے گہرا رابطہ ہے۔

۳۔ انقلاب اسلامی ایران کے ضد استعماری خصوصاً ضد امریکی پہلو کو مزید وسعت دینا اور امریکہ کے خلاف جدو جہد جاری رکھنا۔

(۴)۔ مشرق و مغرب کے خفیہ روابط کی نقاب کشائی اور اسلامی انقلاب کے خلاف شرق و غرب کا باہمی "تعاون اور اس کے نتیجے میں انقلاب کی "نہ شرقی نہ غربی" پالیسی کا تحفظ کرنا۔

۵۔ بہت سی سازشوں اور فوجی بغاوتوں کو ناکام بنا دینا جن کے وقوع پذیر ہونیکا امکان تھا اور ان کا منصوبہ امریکی جاسوس خانہ میں مرتب ہوتا تھا۔ امریکی جاسوسوں کے ذریعہ ان کو عملی جامہ پہنایا جانے والا تھا۔ (یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ کردستان کے خلفشار سے متعلق بھی امریکی جاسوس خانہ میں ثبوت فراہم ہوا)

۶۔ "سیا" (C.I.A) کے بہت سے مہروں اور اس کے بہت سے شعبوں کا ایران و علاقہ میں انکشاف۔

۷۔ علاقائی اور عالمی پیمانہ پر امریکہ کی ظالمانہ اور سامراجی حقیقت کا انکشاف اور دنیا کے عوام کے ذہنوں سے امریکہ کی جھوٹی عظمت کی تصویر کا مٹ جانا۔

۸۔ شاہ خائن اور اس کے ہوا خواہوں کے ذریعہ ایران سے منتقل کئے جانے والے مال و دولت کو واپس لینا (امریکی جاسوسوں کی رہائی سے پہلے ہی شاہ معدوم مصر میں فوت ہو چکا تھا)

اقتصادی اور عمرانی میدان میں انقلاب کے خدمات: ہم کتاب کی پہلی فصل میں پہلوی دور خصوصاً محمد رضا خائن کی سلطنت کے آخری دو برسوں میں ایران کی اقتصادی حالت کو کسی قدر تشریح سے بیان کر چکے ہیں۔ پہلوی حکومت کی کوشش ایران کو ہمیشہ اقتصادی اعتبار سے وابستہ کرنے کی تھی، جبکہ ایران میں خود وہاں کے عوام کی ضروریات کو پورا کرنے کے وسائل فراوانی کے ساتھ موجود ہیں حتی کہ بعض چیزوں کو ملک سے باہر سپلائی کرنے کے بھی ایران میں امکانات موجود ہیں۔

انقلاب لانے والوں کو ایک ایسا ملک ورثہ میں ملا جو اقتصادی، صنعتی، زراعتی غرض ہر حیثیت سے کامل طور پر وابستہ تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسا ملک جہاں قدرتی ذخائر کے ساتھ ساتھ زراعت وغیرہ کے بھی کافی امکانات پائے جاتے ہوں اور وہاں کے عوام میں کام کرنے کی صلاحیت اور استعداد بھی پائی جاتی ہو تو ایسے ملک کو ہر اعتبار سے خود کفیل ہونا چاہیئے، مگر پہلوی حکومت کی لائی ہوئی ویرانیوں اور بربادیوں کے بعد ملک کو خود کفیل بنانے کے لئے سالہا سال کی مدت درکار ہوگی۔

اسلامی انقلاب کے بیرونی دشمن اور اندرون ملک ان کے ایجنٹوں کی پیدا کردہ تمام مشکلات کے بعد بھی انقلاب کی کامیابی کے بعد صرف دو سال اور چند ماہ کے عرصہ میں انقلابی عوام کی بے نظیر فداکاریوں کے نتیجے میں اس ملک کو وہ ترقیاں نصیب ہوئی ہیں جن کی دوسروں کو امید نہ تھی۔ انقلاب کامیابی سے اب تک جنگ سے دوچار رہا ہے یا مشرق و مغرب کی گوناگون سازشوں کا شکار رہا ہے لیکن ان مشکلات کے باوجود اسلامی انقلاب اسی صلاحیت و استحکام کے ساتھ راہ ترقی

پر گامزن رہا اور صنعت و تجارت و اقتصادیات غرض ہر میدان میں اپنی عظیم ذمہ داری کو بہترین اور ممکن صورت سے انجام دیتا رہا اور اپنے اصلی راستے سے ذرہ برابر بھی منحرف نہیں ہوا۔

یاد رکھنا چاہئے کہ ۱۳۵۸/۹/۲۱ (۱۲ دسمبر ۱۹۷۹ء) کو ایران کا امریکہ کی طرف اقتصادی بائیکاٹ کیا گیا اور ۱۳۵۹/۲/۲۴ (۱۴ مئی ۱۹۸۰ء) کو تمام یورپی ممالک اور امریکی بلاک سے وابستہ تمام حکومتوں نے، جن میں جاپان بھی شامل تھا اس اقتصادی بائیکاٹ کی تائید کی اور بہمن ۱۳۵۹ (فروری ۱۹۸۱ء) تک یہی صورت حال برقرار رہی۔ یہ صحیح ہے کہ اس اقتصادی بائیکاٹ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایرانی عوام کو ملک کو خود کفیل بنانے کی زیادہ سے زیادہ فکر لاحق ہوئی اور انھوں نے ایجادات و مصنوعات کے میدان میں بہت کامیابی حاصل کی۔

کامیابی کے بعد انقلاب نے دو سال کے اندر اقتصادیات کے مختلف شعبوں میں جو خدمات انجام دی ہیں ذیل میں ہم مختصر طور پر ان کی ایک فہرست پیش کر رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں ہم نے جزئیات مسائل کو بیان نہیں کیا ہے کیونکہ اس کے لئے علاحدہ مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔ یہاں یہ بات بھی یاد دلانا ضروری ہے کہ انقلاب کی کامیابی کے بعد اقتصادی، عمرانی اور رفاہی میدانوں میں ایران کی یہ پیش رفت ایسے حالات میں ہوئی ہے کہ ملک کے ذمہ داروں نے حفظ ما تقدم کے طور پر تیل نکالنے کی مقدار میں کمی کر دی ہے۔ پہلوی دور میں روزانہ ۶ ملین بیرل تیل نکالا جاتا تھا اور انقلاب کے بعد یہ مقدار روزانہ ½۳ ملین کر دی گئی پھر دوسرے اور تیسرے سال میں یہ مقدار گھٹ کر روزانہ صرف ½۲ ملین بیرل رہ گئی۔ اور اس طرح انقلاب سے پہلے کی مقدار کے مقابلہ میں تقریباً ایک تہائی تیل کی برآمد کم کر کے تیل سے ملک کو فائدہ اٹھانے کی مدت کو تقریباً چالیس سال کے لئے بڑھا دیا گیا۔ اقتصادی میدان میں انقلاب کی

یہ خود ایک بہت بڑی کامیابی ہے۔

اس وقت تیل سے جو آمدنی ہو رہی ہے اس کی تین گنا زیادہ انقلاب سے پہلے پہلوی دور میں تھی۔ مگر یہ آمدنی اس وقت ملک کے فلاح و بہبود کے لئے صرف نہیں کی جاتی تھی بلکہ یہی رقم ملک کو سامراجیوں سے زیادہ وابستہ کرنے والے امکانات و وسائل پر صرف ہوتی تھی۔ اگر اسلامی انقلاب دنیا کی قوموں کے لئے اقتصادی میدان میں کوئی تجربہ پیش کر سکتا ہے تو وہ تجربہ اسی نکتہ میں پوشیدہ ہے کہ اس نے کم آمدنی میں کس قدر عوامی خدمت کا مظاہرہ کیا ہے جس کا راز انقلاب کے ذمہ داروں کی دل سوزی اور خود عوام کے ایثار و قربانی میں مزمر ہے۔ یہ عوام ہی ہیں جو ہر ناممکن کو ممکن بنا سکتے ہیں اور راہ میں آنے والی مشکلات اور رکاوٹوں کو ہٹاتے ہوئے جس راہ پر چاہتے ہیں چل کھڑے ہوتے ہیں۔

انقلاب کے اقتصادی خدمات کی مختصر فہرست :

- انقلاب کی کامیابی کے بعد ایران کی قومی تیل کمپنی سے ۶۰۰ سے زائد بیرونی ماہرین کو نکال کر ان کی جگہ ایرانی ماہرین رکھے گئے اور تیل کی صنعت میں ایک لمحہ کے لیے بھی کوئی فرق نہیں آیا۔
- کنسرسیوم کو تیل فروخت کرنے کی قرارداد ایران کی طرف سے منسوخ کر دی گئی اور ایران نے خود براہ راست تیل نکالنے اور بیچنے کے لئے اقدام کیا۔ تیل کو قومیانے کا قانون اگرچہ اسفند ماہ سنہ ۱۳۲۹ (دسمبر ۱۹۵۰ء) میں پاس ہو چکا تھا مگر عملی طور پر یہ قانون لاگو نہیں ہوا تھا جو انقلاب کے بعد لاگو ہوا اور اب تیل نکالنا، صاف کرنا، بیچنا غرض تیل سے متعلق تمام امور براہ راست ایرانیوں کے ہاتھوں سے انجام پاتے ہیں۔
- شورای انقلاب اسلامی کی پاس کردہ تجویز کی رو سے تیل نکالنے کی وہ قراردادیں رد اور منسوخ ہو گئیں جن کے بموجب بیرونی کمپنیاں خلیج فارس کے ایرانی جزیروں سے تیل نکال رہی تھیں۔ اب وہاں سے تیل نکالنا اور فروخت کرنا سب کچھ ایرانیوں کے ہاتھوں انجام پاتا ہے۔

● اصفہان کا تیل صاف کرنے کا کارخانہ، جو بیرونی ماہرین کے نکالے جانے کی وجہ سے نامکمل رہ گیا تھا اب ایرانی ماہرین کے ذریعہ پایہ تکمیل کو پہنچ چکا ہے۔ اس کا ایک شعبہ روزانہ ۱۱۰ ہزار بیرل تیل نکالنے کی صلاحیت کے ساتھ کام کر رہا ہے اور دوسرا شعبہ بھی سنہ ۱۳۵۹ (سنہ ۱۹۸۰) کے موسم گرما میں اپنے کام کا آغاز کر چکا ہے۔

● سنہ ۱۳۵۸ (سنہ ۱۹۷۹ء) میں مختلف صنعتی میدانوں میں ایرانیوں کے ہاتھوں سو سے زائد مصنوعات اور سنہ ۱۳۵۹ (سنہ ۱۹۸۰ء) میں دو سو پچاس سے زائد مصنوعات پیش کی گئیں۔

● سنہ ۱۳۵۸-۵۹ (سنہ ۱۹۷۹-۸۰ء) میں ۱۶۱۷۴ دیہاتوں میں بجلی سپلائی کی گئی یہ تعداد انقلاب سے پہلے بیس سال کے دوران جتنے دیہاتوں میں بجلی دی گئی تھی اس سے بھی زیادہ ہے، کیونکہ انقلاب کے پہلے صرف ۸۴۵ دیہاتوں میں اور انقلاب کے بعد صرف دو سال کے اندر ۱۶۱۷۴ دیہاتوں کو بجلی دی گئی۔

● انقلاب کی کامیابی کے بعد دو سال کی مدت میں ۸۴۰,۰۰۰ ہیکٹر قابل کاشت اراضی کو سینچنے کے لئے آب پاشی کی سہولت فراہم کرنے کے لئے بہت سے باندھ، نہریں اور کنویں بنائے گئے۔ ان کے علاوہ ۲۹۲۶ دیہاتوں کو پینے کے پانی کی سپلائی کی گئی۔ ان کے متعلق تفصیلی معلومات "جہاد سازندگی" کی رپورٹ سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

● انقلاب اسلامی کی کامیابی کے بعد اب تک ۲۹۸۳۴ کلومیٹر سڑکیں دیہاتوں میں بنائی گئیں، اور ۲۴۸۲ کلومیٹر مین روڈ اور برانچ روڈ بنائی گئیں۔ ذرا انقلاب کے پہلے اور انقلاب کے بعد کی کارکردگی کا موازنہ کریں تو انقلاب کی کارگزاری اور خدمات کا صحیح اندازہ ہوگا۔ انقلاب سے پہلے شاہی حکومت نے ۱۸ ماہ کے اندر صرف ۳۰۸۴ کلومیٹر سڑکیں دیہاتوں میں بنائیں اور انقلاب کے بعد ۱۸ مہینے (تیر ماہ سنہ ۱۳۵۸ تا آذر سنہ ۱۳۵۹/ جولائی سنہ ۱۹۷۹ء تا دسمبر سنہ ۱۹۸۰ء) "جہاد سازندگی" نے ۱۳۲۰۹ کلومیٹر سڑکیں دیہاتوں میں

بنائیں۔ موازنہ کرتے وقت شاہی حکومت اور "جہاد سازندگی" دونوں کے زمانوں پر نظر رکھنا چاہئے۔ شاہی حکومت کے یہ ۱۸ ماہ کا زمانہ وہ زمانہ ہے جسمیں اطمینان، کافی بجٹ وسائل غرض سبھی چیزیں فراہم تھیں اور "جہاد سازندگی" کے ۱۸ ماہ کا زمانہ وہ زمانہ ہے جسمیں مختلف مقامات خصوصاً کردستان میں سیاسی جماعتوں کی تخریبی کاروائیاں جاری تھیں اور ان اٹھارہ مہینوں میں وہ زمانہ بھی ہے جسمیں عراق بلا نشان و گمان ایران پر ناجائز حملہ کر بیٹھا نیز "جہاد سازندگی" کے اٹھارہ ماہ کی ساری کارگذاریاں اور خدمات اس زمانہ میں انجام پذیر ہوئی ہیں جبکہ تیل سے حاصل ہونے والی آمدنی پہلوی دور کے مقابلہ میں صرف ایک تہائی کے قریب رہ گئی اور پہلوی دور کی پیدا کردہ خرابیوں کے نتیجے میں ملک کی اقتصادی حالت بھی ناگفتہ بہ تھی۔ اس موازنہ سے یہ بات بخوبی ثابت ہوجاتی ہے کہ پہلوی حکومت کے لٹیروں نے ملک کا سرمایہ کس طرح برباد کیا اور دیہات میں زندگی بسر کرنے والوں کو کس طرح سے محروم رکھا۔

● پہلوی دور میں بیرونی اور غیر ملکی تجارت کچھ مخصوص سرمایہ دار اور وابستہ لوگوں کے ہاتھ میں نوے فیصد سامان امریکہ اور جاپان سے منگائے جاتے تھے اور ایران ان ملکوں کی آرائشی اور فیشن کی چیزوں کے فروخت کرنیکا ایک بہترین بازار تھا۔ انقلاب کی کامیابی کے بعد ایران کی تجارتی پالیسی یہ ہے کہ وہ اپنی ضروریات کی چیزوں کو حتی الامکان غیر سامراجی اور دوست ممالک سے خریدے، غیر ضروری سامان کی درآمد پر پابندی لگادی جائے۔ نیز بڑی کمپنیاں، کولڈ اسٹوریج، گدام، بنک اور صنعتوں کو خود حکومت چلائے۔ جمہوری اسلامی ایران نے اسی سلسلہ میں اقدامات کردئیے ہیں اور خاطر خواہ کامیابی بھی حاصل ہوئی ہے۔ حکومت نے جمہوری اسلامی کے دستور اساسی کو عملی جامہ پہنانے کے لئے غیر ملکی تجارت کو قومیانے کا بل اسلامی پارلیمنٹ میں پیش کرچکی ہے جس کے منظور اور عمل درآمد

ہوجانے کے بعد ایران کے اقتصادیات میں بہت بڑی تبدیلی رونما ہوگی۔

● آخر سال ۱۳۵۹ء (۱۹۸۰ء) تک ۱۱۹ دیہاتوں میں ٹیلیفون لگائے گئے اور ۱۴۷۰۰۰ کی تعداد میں پورے ملک میں درخواست کرنیوالوں کو ٹیلی فون دئے گئے یہ سب امور ایسے وقت میں انجام دئے گئے ہیں کہ جب اقتصادی بائیکاٹ نے ایران کے مواصلاتی نظام (مخابرات ایران) کے لئے بہت مشکلیں پیدا کردی تھیں۔ ایرانی ماہرین نے اپنی پیہم کوششوں سے ان ردی اور بیکار سامانوں کو درست کیا جو سابق حکومت کے دور میں پھینکدئے گئے تھے اور اس طرح امکان و سائل ایجاد کرکے انہوں نے عوام اور ملک کے اقتصادیات کے لئے قابل قدر خدمات انجام دئے۔

● انقلاب کی کامیابی کے دو ہی سال بعد پورے ایران میں ۶۱۶۶۵ رہائشی مکانات بنائے گئے جو ضرورتمندوں کو دئے یہ مکانات زیادہ تر دیہاتوں اور چھوٹے شہروں میں بنائے گئے ہیں۔

● اگلے برسوں کے مقابلے میں سنہ ۱۳۶۰ (۱۹۸۱ء) میں کپاس کے کھیتوں میں ستر فیصد کا اضافہ ہوا ہے اور گذشتہ سال کی بہ نسبت کاشتکاروں کو قرض دی جانے والی رقم میں پچاس فیصد کا اضافہ کیا گیا ہے۔

● انقلاب کی کامیابی کے بعد ہزاروں ایکڑ زمین جو جاگیرداروں کے قبضے میں تھی اور بیکار پڑی ہوئی تھی، کاشتکاروں کو دی گئی جبکہ ایران کے چار زرخیز صوبے عراقی جنگ کی زد میں تھے۔ گذشتہ برسوں کے مقابلہ میں ملک کی زراعت میں نمایاں ترقی ہوئی ہے اور ایران غذائی حیثیت سے بہت جلد خودکفیل ہوجائیگا۔

فوجی میدان میں انقلاب کے خدمات: ہم اس کتاب کی پہلی فصل میں بیان کرچکے ہیں کہ پہلوی حکومت ہمیشہ فوج کو بڑی طاقتوں، خصوصاً امریکہ سے وابستہ کرنے کے لئے کوشاں رہی اور اس سلسلہ میں وہ حد سے کافی آگے بڑھ چکی تھی۔ غیر ملکی فوجی ماہرین

خصوصاً امریکی فوج سے وابستہ ماہرین ہی درحقیقت ایرانی فوج کے سربراہ سمجھے جاتے تھے اور ایک معمولی امریکی فوجی کو کامیاب ایرانی افسروں پر بھی برتری حاصل تھی۔ خود فوج میں اس قدر غیر انسانی امتیاز پایا جاتا تھا کہ جو کسی طرح بھی انسانی اور اسلامی اصول و معیار کے مطابق نہ تھا۔ امریکی فوج کی ایران میں متعدد فوجی چھاؤنیاں تھیں اور درحقیقت فوج بطور "بیگار" علاقہ میں صرف امریکی مفادات کی خدمت کے لئے تھی۔ حد تو یہ ہے کہ انھیں فوجیوں سے ، ایران کی سرزمین سے اور یہیں کے دوسرے وسائل و ذرائع سے مسلمانوں کی سرکوبی اور فلسطین کے غاصب صیہونیوں کی مدد کیجاتی تھی۔

انقلاب کی کامیابی کے بعد تمام امریکی فوجی ماہرین کو ایران سے باہر کردیا گیا اور کل امریکی فوجی چھاؤنیوں پر ایرانی فوج کا قبضہ ہو گیا۔ فوج میں افسر اور غیر افسر کے درمیان جو خلاف انسانیت امتیاز تھا وہ ختم کردیا گیا۔ سفر اور علاج کی سہولیات کسی فوجی کے شہید ہو جانے یا اس کے کسی عضو کے بیکار ہو جانے پر خصوصی مراعات سب کے لئے یکساں اور برابر رکھی گئی ہیں۔ سابق حکومت میں غذائی امتیاز تھی مگر اب سرباز سے لیکر فوجی افسر تک سب کی غذا یکساں کردی گئی ہے۔

یہ سارے اقدامات ایران کے فوجی استقلال اور فوج کو اسلامی بنانے کے لئے کئے گئے ہیں اور بڑے "قابل قدر آثار کے حامل ہیں۔ اس کے علاوہ ایک ادارہ بھی "دائرۂ سیاسی آئیڈیالوجک کے نام سے کھولا گیا ہے تاکہ فوج کو زیادہ سے زیادہ اسلامی بنایا جا سکے اور فوج فوجی مہارت کے ساتھ ساتھ اسلام کے انسان ساز مکتب سے بھی آشنا رہے۔ اتنک بہت سے مفید نتائج اس اقدام کے سامنے آچکے ہیں اس اقدام نے فوجیوں میں اسلامی روح پھونک کر ان کی اسلامی فکر کو وسعت بخشنے کے لیے مناسب زمین ہموار کردی ہے۔ انقلاب کے بعد فوج کی "مکتبی" تحریک کے قابل قدر نتائج جمہوری اسلامی کی

فوج میں عراق کی مسلط کی ہوئی جنگ کے دوران نمایاں طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ اس جنگ میں عراق کی بعثی فوج نے ایران کے شہروں کو بھی اپنے وحشیانہ حملوں کا نشانہ بنایا اور بے گناہ عوام کا بچے ہوں کہ جوان مرد ہوں یا عورتیں سب کا ہوائی حملوں اور طاقتور میزائیلوں سے قتل عام کر ڈالا حتی کہ مساجد، مدارس اور اسپتال بھی ان کے وحشیانہ حملوں سے محفوظ نہ رہے۔ مگر ایرانی فوجیوں نے ایک لمحہ کے لئے بھی دشمنوں کا یہ انسانیت سوز فعل اختیار نہیں کیا اور کسی غیر فوجی پر ایک گولی بھی نہیں چلائی۔ نیز عراقی شہر جمہوری اسلامی کی فوج کے حملوں کی بالکل زد پر ہونے کے باوجود بھی اسلامی فوج نے کسی عراقی شہر پر حملہ نہیں کیا۔ ایران کے لڑاکا طیاروں نے بارہا بغداد اور دوسرے عراقی شہروں پر پرواز کر کے اشتہار اور ہینڈبل گرائے ہیں فوجی اور اقتصادی مرکزوں کو اپنے حملوں کا نشانہ بنایا ہے مگر انھوں نے ایک مرتبہ بھی دینی اور اجتماعی مرکزوں اور رہائشی مکانوں پر حملہ نہیں کیا۔ ایران کی فوج کا یہ طرز عمل اسی اسلامی فکر کا نتیجہ ہے جو نظام جمہوری اسلامی پر چھائی ہوئی ہے جس نے اپنے نتائج و ثمرات ہر جگہ یہاں تک فوج میں بھی ظاہر کر دئے ہیں۔ اگر ایران کا اسلامی انقلاب بالکل بے ثمر ہوتا تو ایرانی فوج کی صرف یہی ایک اسلامی و انسانی روش جو اس نے عراق کی مسلط کی ہوئی جنگ میں اختیار کی ہے ایران کے مسلمان عوام کے لئے ایک بہت بڑا افتخار ہے جس نے ہمیشہ کے لئے انسانیت کی تاریخ میں اپنا نام ثبت کر دیا ہے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اسلامی انقلاب کی فوجی خدمات کے سلسلہ میں جو چیز بڑی اہمیت کی حامل ہے وہ یہ ہے کہ مشرق و مغرب سے وابستہ سیاسی پارٹیوں نے ایران کی فوج کو توڑ دینے کی ہر امکانی کوشش کی اور اس کے لئے بہانہ بنایا پہلوی دور کے فوجی افسروں کے غلط کردار کو۔ اور دلیل یہ پیش کی کہ جو فوج ملت کے مقابلہ میں صف آرا

ہو جائے اسے ختم کر دینا چاہئے۔

قائد انقلاب پر ابتدا ہی سے یہ روشن تھا کہ فوج کو ختم کرنے کا نعرہ ایک خطرناک سازش ہے اس کا فائدہ صرف بڑی طاقتوں کو پہنچے گا۔ حقیقت یہ ہے ایرانی فوج میں خصوصًا درجہ داران اور افسران کے درمیان اکثریت ان لوگوں کی تھی جو انقلاب اسلامی سے علاقہ مند تھے یا پھر ان کی تھی جو اس انقلاب کے مخالف نہ تھے اور پہلوی حکومت نیز اس کے فوجی نظام سے رضامند نہ تھی۔ پہلوی حکومت نے فوج کے ذریعہ ملت ایران پر جو مظالم ڈھائے تھے یہ صرف پہلوی حکومت اور اس کے ارکان دولت کا جرائم پیشہ امریکہ سے وابستگی کا نتیجہ تھا لہٰذا ان مظالم کے لئے کل فوجیوں خصوصًا درجہ داروں اور کل افسروں کو مورد الزام نہیں قرار دیا جا سکتا اس لئے کہ ان میں یا تو انقلاب اسلامی کے پکے ہوا خواہ تھے اور جو انقلاب کے ہوا خواہ نہ تھے وہ صرف ملک کے حالات اور انقلاب کی حقیقت سے عدم واقفیت کی بناء پر غافل تھے اور حالات سے آگاہی کے بعد فورًا ہی وہ انقلاب سے وابستہ ہو گئے۔

عاشورا ۱۳۵۷ھ ش (۱۹۷۸ء) کا ایران کا واقعہ اور انقلاب کے آخری مرحلے میں امام خمینی کے حکم سے فوجیوں کا فوج سے فرار کر جانا جس کے بعد پہلوی حکومت فوجی افواج سے مکمل طور پر مایوس اور پہلوی حکومت زوال پذیر ہو گئی بہترین اور قوی دلیل ہے کہ کل فوج پہلوی حکومت سے برگشتہ اور فوج کی اکثریت مائل بہ انقلاب اسلامی تھی۔

رہبر انقلاب اسلامی حضرت امام خمینی اس حقیقت کی طرف متوجہ تھے اور اس اہم نکتہ کو نظر میں رکھے ہوئے تھے کہ فوج توڑ دینے کا مطلب ہے بڑی اور ان جیسی طاقتوں کے مقابلہ میں ایران کو نہتا کر دینا۔ اس لئے انھوں نے جم کر فوج کی حمایت کی اور فوج کی ختم کرنے کی سازش کو ناکام بنایا۔ امام خمینی کی یہ آگاہانہ قیادت اور انقلابی بصیرت کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ فوج اپنے اندر "مکتفی" ہونے کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے آگے بڑھتی

رہی اور نازک موقعوں پر انقلاب اسلامی کی مدد کے لئے دوڑ پڑی ۔ یہی فوج جو کبھی زینت بزم تھی اور صرف فرمائشی فوجی مشق کے لئے استعمال ہوتی تھی مگر جب دنیا کے ان خونخواروں کے خلاف میدان کارزار میں اتر پڑی جو اپنی بندوق صدام کے کاندھے پر رکھ کر چلا رہے ہیں تو یہی فوج مردان رزم میں تبدیل ہو گئی اور نہ یہ کہ میدان کارزار میں محض شجاعت کے جوہر دکھائے ہوں بلکہ جنگی ساز و سامان اور اسلحہ سازی کے میدان میں بھی نمایاں ترقی کر رہی ہے اور خود کفائی کے راستے پر آگے بڑھ رہی ہے ۔

بہتر ہے کہ اس سلسلہ میں ہم یہاں ۱۳۵۹ھ (۱۹۸۰ء) یعنی انقلاب کی کامیابی کے ڈیڑھ سال بعد کی ایک شش ماہی رپورٹ پر سرسری نظر دوڑاتے چلیں ۔ اس رپورٹ میں بتایا گیا ہے سال گذشتہ یعنی ۱۳۵۸ھ (۱۹۷۹ء) میں سلطنت آباد کے بندوق سازی کے کارخانہ میں روزانہ تقریباً ۱۰۰ بندوقیں بنائی جاتی تھیں اب روزانہ ۳ سو بنائی جاتی ہیں اور روزانہ پانچ سو بنانے کا نشانہ ہے ۔

۱۳۵۸ھ (۱۹۷۹ء) میں بیٹری سازی کے کارخانہ میں روزانہ تقریباً ایک ہزار بیٹریاں تیار کی جاتی تھیں اور اب یہ تعداد بڑھ کر روزانہ تین ہزار ہو گئی ہے اور پانچ ہزار بیٹری روزانہ بنانے کا نشانہ ہے ۔

یہ رپورٹ ۱۳۵۹ھ (۱۹۸۰ء) کی ہے جس وقت عراق نے ناجائز حملہ نہیں کیا تھا اور اب کئی سال گذر جانے کے بعد جبکہ یہ جنگ بھی ہماری فوج اور فوجی صنعتوں کو بڑھاوا دینے کا ایک وسیلہ بن گئی تو فوجی ساز و سامان اور اسلحوں کی ایجاد میں اتنی نمایاں ترقی ہوئی ہے کہ کچھ ہی دنوں بعد ہم اسلحے کی حیثیت سے بھی ملک کو خود کفیل ہونے کی خوشخبری سنیں گے ۔

سازشیں

کوئی بھی انقلاب اگر واقعاً انقلاب ہے تو کامیابی کے بعد یقینی طور پر وہ مسلسل سختیوں، رکاوٹوں اور طرح طرح کی سازشوں کا شکار ہوگا۔ پھر ایران کا انقلاب جو اسلامی ہے اور اس کی سیاست کی بنیاد ہی نہ شرقی نہ غربی ہے تو وہ کہاں سازشوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ اسے تو مشرق و مغرب اور دشمنان اسلام و انسانیت کی رنگا رنگ سازشوں کا شکار رہنا ہی پڑے گا۔

وہ انقلاب جو کسی بڑی طاقت کے خلاف وجود میں آتا ہے اور اس کا رجحان کسی دوسری بڑی طاقت کی طرف ہوتا ہے، اگر وہ مشکلات سے دوچار نہ بھی ہو یا اس کی راہ میں رکاوٹیں اور سختیاں کم ہوں تو اصولی اور طبیعی بات ہے، البتہ اسلامی انقلاب کے لئے ایسا نہیں سوچا جا سکتا۔ وہ بھی ایسا انقلاب جو مشرق اور مغرب دونوں کے خلاف ہو۔

ایران کا یہ انقلاب اپنی اسلامی ماہیت و اصلیت کی بناء پر اپنے لئے یہ ضروری جانتا ہے کہ وہ ہمیشہ دنیا کے خونخوار، ظالم اور ہر قسم کے بین الاقوامی اقتدار پسندوں کے خلاف نبرد آزما رہے اور صرف انہیں ممالک سے دوستانہ روابط رکھے جو ظلم و استبداد اور توسیع پسندی کی لالچ نہ رکھتے ہوں۔

انقلاب" ریفارم نہیں: جو کچھ ایران میں رونما ہوا، اگر یہ "انقلاب" نہ ہوتا بلکہ ریفارم ہوتا تو بغیر کسی مشکل کے زندہ اور باقی رہ سکتا تھا اس لئے کہ دنیا کے خونخواروں کے مفادات کو جس سے نقصان پہنچتا ہے وہ انقلاب ہے، ریفارم سے ان کے مفادات کو کوئی ٹھیس نہیں پہنچتی۔

ایران میں جو کچھ رونما ہوا وہ ہر معنی و مفہوم سے انقلاب ہے اور ایسا انقلاب ہے جس کی نظیر گذشتہ صدیوں کے انقلابات میں نہیں ملتی بلکہ جرأت کے ساتھ یہ کہا

جاسکتا ہے کہ یہ ایسا انقلاب ہے جس کی نظیر اور مثال انبیاء علیہم السلام کی تحریکوں کے علاوہ کہیں اور نہیں مل سکتی۔ جس طرح سے انبیاء علیہم السلام کی تحریکیں فاسد نظاموں کو ختم کرکے ایک ایسے جدید نظام کو قائم کرنے کے لئے ہوا کرتی تھیں جس کی بنیاد الٰہی قوانین پر ہوا کرتی تھیں، اسی طرح اس انقلاب کا ہدف اور مقصد بھی اس وقت کی دنیا میں غیر انسانی اقدار کو فنا کرکے الٰہی اور انسانی اقدار کو زندہ کرنا ہے اس لئے ایران میں جو کچھ رونما ہوا وہ انقلاب ہے اور مضبوط ترین انقلاب، ریفارم نہیں۔

ایران کی موجودہ سیاسی پارٹیاں جس میں اکثر پارٹیوں نے پہلوی حکومت کے خلاف جدوجہد بھی کی ہے۔ وہ ہمیشہ ایک ریفارم ہی کے لئے سوچتی تھیں اور ان کی فکر کی بلندی کی بس یہی آخر حد تھی مگر چونکہ اس اسلامی تحریک کی قیادت اور باگ ڈور علماء اور حضرت آیت اللہ خمینی کے ہاتھوں میں تھی اس لئے بلند و بالا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس اسلامی تحریک کا تقاضا ہی یہ تھا کہ اس کا نتیجہ ایک عمیق اور وسیع انقلاب کی صورت میں ظاہر ہو۔

انقلاب کی کامیابی کے قائد انقلاب حضرت امام خمینی نے ملک کی باگ ڈور "نہضت آزادی" کے ہاتھوں میں دیدی۔ اس تحریک نے سابق میں پہلوی حکومت کے خلاف نسبتاً زیادہ عرصہ تک جدوجہد کی تھی حالانکہ اسی پارٹی کا مقصد بھی ریفارم ہی تھا مگر رہبر انقلاب نے ملک کی باگ ڈور اس پارٹی کے حوالے دو مقاصد کے پیش نظر کی تھی۔ ایک تو یہ کہ جدوجہد کرنے والی مسلمان طاقتوں کو بھی ملک کے نظم و نسق چلانے میں شریک و سہیم بنانا تھا دوسرا مقصد یہ تھا کہ اس طرح یہ طاقتیں بھی خود کو ایرانی عوام کے انقلابی احساس اور جذبے کے ساتھ ہم آہنگ ہوسکیں گی اور عملی طور پر ایک انقلاب کو چلانے کی داروگیر میں پڑ کر ریفارم خواہی اور اصلاح طلبی سے دست بردار ہوجائیں گی۔ حضرت امام خمینی کا خیال یہ تھا کہ یہ مسلمان طاقتیں جب دیکھیں گی کہ ملت اپنے پورے عشق و شوق کے ساتھ غیر انسانی اور اسلامی اقدار

ختم کرنے اور زندگی کے تمام شعبوں میں ایک عمیق و وسیع انقلاب کے لئے آمادہ ہے تو خود بخود وہ
اپنے ریفارمیسٹک نظریے سے باز آجائیں گی اور انقلابی ملت کے ہم قدم و ہم آہنگ ہو کر "ریفام"
اور اصلاح سے بالاتر چیز کے لئے فکر کریں گی مگر "نہضت آزادی" اور ایران کی دوسری
"ریفارم" طلب طاقتوں نے جب عارضی حکومت بنائی تو محض یہی نہیں کہ وہ ایران کے انقلابی
عوام کے دوش بدوش چلنے کو تیار نہیں ہوئے بلکہ انھوں نے ایسی راہ اختیار کرلی تھی کہ
کچھ دنوں بعد اسلامی انقلاب کا کچھ نام و نشان باقی نہ رہتا اور ایران دوبارہ دنیا کے خونخواروں
خصوصاً امریکہ کے مفاد سے وابستہ ہو جاتا۔ عارضی حکومت کے وزیر اعظم بازرگان کو ایک
مرتبہ یہ اطلاع دی گئی کہ کچھ مسلمان اور انقلابی جوانوں نے ایک میٹنگ میں "مرگ بر امریکہ"
کا نعرہ لگایا ہے۔ تو وہ بڑے غصے میں کہنے لگے "ابھی تازہ امریکہ ہمارے ملک سے باہر ہوا ہے
ہمیں کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہئے جس سے اس کو تکلیف پہنچے"۔ یہ تھی امریکہ کو راضی
رکھنے کی فکر اس حکومت کے وزیر اعظم کو جو اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد قائم
ہوئی تھی، جس کو قائم کرنے کے لئے ستر ہزار شہید اور ایک لاکھ مجروحین تقدیم ہوئے تھے
اور ان سب کی ذمہ داری امریکہ پر بھی عائد ہوئی ہے، اور یہ تھے اس حکومت کے وزیر اعظم
جو انہیں شہداء کے ورثا و مجروحین اور ان کے اس ملک پر حکومت کر رہے تھے جس کو
۲۵ سال تک امریکہ نے تباہ و برباد کیا تھا۔ عارضی حکومت جس طرح امریکہ کے خلاف
جد و جہد کی مخالف تھی۔ اسی طرح وہ ملک میں مکمل طور پر تبدیلی پیدا کرنے کی مخالف
تھی۔ یہ طاقتیں عوامی جوش و جذبے سے وجود میں آنے والے انقلابی اداروں کو
اپنے لئے بہت بڑی رکاوٹ سمجھتی تھیں اور پہلوی حکومت کے ہی فاسد سسٹم کو باقی
رکھ کر حکومت چلانا چاہتی تھیں۔ نیز قدم بہ قدم اسی سیاسی ڈگر پر حکومت چلانا چاہتی
تھیں جو دنیا کے خونخواروں اور اندرون ملک ان کے ایجنٹوں کے مفادات کے ذرہ برابر

بھی خلاف نہ ہو۔ انھیں ذرہ برابر بھی ان انقلابی طاقتوں کی مداخلت گوارہ نہ تھی جو انقلابی اداروں میں والہانہ خدمت انجام دے رہی تھیں اور انقلاب کے مقاصد کو آگے بڑھانے کے لئے فوری اور انقلابی اقدامات کی خواہاں تھیں۔

یہ تو ایک فطری امر ہے کہ ایران کے وہ مسلمان اور انقلابی عوام جو یہ سمجھتے تھے کہ ان کی یہ ساری تباہی اور بربادی جو انھیں پہلوی حکومت سے میراث میں ملی ہے اس کا سبب امریکہ، سامراج اور وہ فاسد سسٹم ہی تھا جس کے خلاف وہ اپنے تمام وجود کے ساتھ جدوجہد کے لئے اٹھے تھے تو وہ لوگ پھر زیادہ دنوں تک اسی طرز کی حکومت کو کیونکر برداشت کر سکتے تھے اور اس کے ریفارمسٹک نظریات سے کہاں تک اتفاق کر سکتے تھے؟ چنانچہ آبان ۱۳۵۸ش (اکتوبر ۱۹۷۹ء) یعنی عارضی حکومت بننے کے ۹ ماہ بعد جس زمانہ میں تہران میں امریکی سفارتخانہ کو طلباء نے اپنے قبضے میں لے لیا تھا، عارضی حکومت کے وزیر اعظم مہدی بازرگان اور وزیر خارجہ ڈاکٹر ابراہیم یزدی نے الجزائر میں کارٹر کے سکیورٹی مشاور برژنسکی سے ملاقات اور بات چیت کی۔ ملت ایران اس چیز کو قطعاً برداشت نہ کر سکی اور مہدی بازرگان کو حکومت سے استعفی دینا پڑا جسے امام خمینی نے منظور فرمایا۔

اس سلسلہ میں ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ عارضی حکومت چونکہ ریفارمیسٹک افکار کی حامل تھی اور امریکہ اور دنیا کے دوسرے سامراجوں کو بھرپور امید تھی یہ حکومت امریکہ کو ایران میں قدم جمانے کا پھر سے موقع فراہم کر دیگی لہذا اس وقت تو امریکہ انقلاب اسلامی کے ساتھ بردباری سے پیش آتا رہا لیکن جیسے ہی ادھر عارضی حکومت برطرف ہوئی اور ادھر انقلابی طلبا کا امریکی سفارتخانہ پر قبضہ ہو چکا تھا اور طلباء کے اس اقدام کی عوام اور انقلابی ذمہ داروں کی طرف سے وسیع پیمانہ پر حمایت ہوئی تو بوکھلا کر امریکہ نے اپنا چولا بدلا اور انقلاب اسلامی کے خلاف بڑی سے بڑی سازشیں کرنا شروع کر دیں۔

عارضی حکومت کے خاتمہ کے بعد ایک سال پانچ ماہ کا زمانہ جو ابوالحسن بنی صدر کی صدارت کا زمانہ تھا۔ اس میں امریکہ کی امید پھر کچھ بندھی اس لئے کہ بنی صدر کا رویہ بالکل امریکی مفادات کے حق میں تھا چنانچہ انقلاب اسلامی کی شدید مخالفت کے باوجود امریکہ بنی صدر کی پرزور حمایت کرتا رہا تاکہ یہ انقلاب مسخ ہو کر ریفارم کی صورت میں تبدیل ہو جائے۔ مگر جب ہر طرح سے امریکہ کو مایوسی ہو گئی اور اس کی رہی سہی امید بھی پانی پھر گیا، پھر تو اس کی دشمنی کی کوئی حد نہ رہی اور اس نے ۷ تیر ماہ ۱۳۶۰ (۲۸ جون ۱۹۸۱ء) کو یعنی بنی صدر کی معزولی کے ایک ہی ہفتہ بعد اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ حزب جمہوری اسلامی کے مرکزی دفتر پر بم کا دھماکہ کرا دیا۔

اس تجزیہ سے جو نتیجہ برآمد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ انقلاب دراصل ایک حقیقی انقلاب تھا اور اگر ریفارم ہوتا تو وہ ان مشکلات اور عالمی سازشوں کا شکار ہی نہ ہوتا۔ اگر ریفارم ہوتا تو دنیا کے خونخوار سامراجوں کے مفادات کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہوتا۔ ایرانی عوام اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ ایک حقیقی انقلاب کو مشکلات، رکاوٹوں اور بڑی سازشوں کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔ انھوں نے سمجھ بوجھ کر یہ راستہ اختیار کیا ہے۔ ایرانی عوام کو معلوم ہے کہ ان کا انقلاب ہمیشہ آئندہ بھی مشرق و مغرب اور اندرون ملک ان کے ایجنٹوں کی گوناگون سازشوں کا شکار رہیگا مگر فتح و کامرانی انھیں لوگوں کو حاصل ہو گی جو ثابت قدم رہیں گے۔ الٰہی اور انسانی اقدار کو زندہ کرنے اور زندہ رکھنے کے لئے انھیں کسی قسم کا خوف و ہراس نہ ہوگا۔ یہ الٰہی وعدہ ہے جو پورا ہو کے رہیگا۔

انّ الذین قالوا ربنا اللہ ثمّ استقاموا تتنزل علیہم
الملائکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ
التی کنتم توعدون (فصلت / ۳۰)

جن لوگوں نے یہ کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے تو ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان کو بشارت دیتے ہیں کہ تم بالکل کچھ اندیشہ نہ کرو اور غمگین نہ ہوں اور جس جنت کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ اس سے خوش و مسرور ہو۔

تقسیم کی سازش اور شیعہ سنّی کا مسئلہ :- پہلوی حکومت آخری ہچکیاں لے رہی تھی اور دم توڑنے کے قریب تھی تو اس وقت امریکہ کے سیاسی نمائندوں نے بڑی صراحت کے ساتھ انقلاب اسلامی کے ذمہ داروں سے کہا تھا کہ اگر شاہ کی حکومت زوال پذیر ہوگئی تو ایران تقسیم کا شکار ہو جائیگا۔ یہ بات خائن شاہ نے بھی اپنے زوال اقتدار کے آخری دنوں میں کہی اپنے انٹرویو اور تقریروں میں تقسیم ملک کا خدشہ ظاہر کرتا رہا یہ سبق شاہ خائن کو امریکہ ہی نے پڑھایا تھا۔ شاہ خائن اس طرح انقلاب کے ذمہ داروں کو خائف کر کے اپنی پٹھو حکومت کو بچانا چاہتا تھا مگر انقلاب پر اس کا یہ مکر و فریب اور جادو نہ چل سکا۔

جب اسلامی انقلاب کامیاب ہو گیا تو اب امریکہ کو اس سازش کو عملی جامہ پہنانے کی فکر ہوئی۔ ایک طرف عارضی حکومت انقلابی اور سیاسی فکر کے اعتبار سے کمزور تو تھی ہی دوسری طرف سامراجیوں اور ان کے ایجنٹوں نے شیعہ سنی، کرد و ترک، عرب و بلوچ، اور ترکمن و فارس کے درمیان اختلاف پیدا کرنے کے لئے زور و شور سے پروپیگنڈہ کرنا شروع کر دیا اور کردستان، خوزستان، بلوچستان، ترکمن صحرا اور مغربی آذربائیجان وغیرہ میں ان سامراجی ایجنٹوں نے امریکہ کو سازش شروع کر دینے کے لئے ورغلایا بھی۔ سامراجیوں اور خصوصاً امریکہ سے وابستہ سیاسی پارٹیوں نے مذکورہ بالا علاقوں میں خاص طور سے کردستان میں اپنی سرگرمیاں بھی شروع کر دیں۔ عارضی حکومت نے شورای انقلاب کی مخالفت کے باوجود جس گورنر کا تقرر کیا تھا وہ انہیں پٹھو جماعتوں اور پارٹیوں سے وابستہ تھا اس نے وہ تمام وسائل و ذرائع جو اسے شورای انقلاب کی منظوری سے صوبہ

کردستان کی آبادکاری کے لئے دئے گئے تھے امریکہ کی پٹھو اور وابستہ پارٹیوں کو دیدئے اور ان تخریب کاروں نے انھیں وسائل اور انھیں ہتھیاروں سے فائدہ اٹھاکر کردستان میں فتنہ وفساد پھیلانا شروع کردیا۔

عارضی حکومت نے تین افراد پر مشتمل ایک کمیٹی "ہیئت حسن نیت" کے نام سے تشکیل دیکر کردستان میں خائن اور غدار گروہوں اور ان کے لیڈروں کے ساتھ عاجزانہ اور نرم روی کے ساتھ پیش آنے کا فیصلہ کیا، جبکہ ان ملک اور اسلام دشمن گروہوں کی پہلوی حکومت کے ساتھ وسیع روابط اور ہمکاری روز روشن کی طرح عیاں تھی۔ ان گروہوں نے "جاگیرداری کے خلاف جدوجہد" جیسے پرفریب نعروں کے ذریعہ خود کو کردستان کے محروم عوام کے حامی ہونے کا خوب پروپیگنڈہ کر رکھا تھا۔ مگر عملی طور "جہاد سازندگی" اور "تقسیم اراضی" جیسے انقلابی اداروں کے ساتھ ان کا رویہ صریحاً مخالفانہ اور معاندانہ تھا وہ ان اداروں کے مقابلے میں کھل کر صف آرا تھے اور کردستان میں خاتمۂ جاگیرداری اور آبادکاری کے لئے انقلابی اداروں کے جو افراد وہاں کام کر رہے تھے، انھیں پکڑ کر قتل کر ڈالتے تھے۔

بلاشبہ ایسے سنگین جرائم کا ارتکاب کرنے والی پارٹیوں اور گروہوں سے کسی قسم کا مذاکرہ کرنا یا سمجھوتے کی بات چیت کرنا سراسر انسانیت، عدل اسلامی اور سیاسی اصول ونظریئے کے خلاف ہے۔ مگر ان سیاسی ٹکڑیوں کے ساتھ عارضی حکومت کا رویہ اس قدر نرم تھا کہ یہ ٹکڑیاں ملک کے گوشہ وکنار میں اپنے انسانیت سوز حرکات سے باز نہ آئی بلکہ روز بروز فتنہ وفساد کو بڑھاوا دیکر تقسیم کی سازش کو کامیاب بنانے کے لئے امریکہ کی مدد کر رہے تھے۔ عارضی حکومت کی برطرفی کے بعد ان سازشی عناصر کے ساتھ ڈٹ کر مقابلہ کیا گیا اور کردستان کے غیور عوام، جن پر جہانخواروں کی نظر طمع لگی

ہوئی تھی، حقائق سے آگاہ ہوئے اور سامراجیوں کے عزائم شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے۔

یہ بات بھی یاد رہے کہ دنیا کے خونخوار سامراجیوں نے پھر بھی اس طرح کی سازشوں سے ابھی اپنا ہاتھ کھینچا نہیں ہے بلکہ وہ اپنے ناپاک منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مناسب موقعوں کی تاک میں ہیں۔

اگر آپ ایران، عراق، ترکی اور شام کے نقشوں کو ملاحظہ کریں گے تو جہاں جہاں پر ان ملکوں کی سرحدیں آپس میں ملتی ہیں وہاں ایک مسئلہ آپ کو کردستان کے نام سے ملے گا۔ یعنی ان ملکوں کی باہمی سرحدوں پر ایک علاقہ کردستان کے نام سے پایا جاتا ہے اور یہ نتیجہ ہے۔ اس سامراجی نقشہ بندی کا جو مسلمان ملکوں کے لئے سامراجی حکومتوں نے انجام دی ہے۔ "مجموعہ کردستان" یعنی کردستان ایران، کردستان عراق، کردستان ترکی اور کردستان شام، کو انھیں ملکوں کا حصہ اور جز ہونا چاہیے مگر سامراجیوں نے اس طرح نقشہ بنایا ہے کہ کردستان کی حیثیت ایک الگ علاقہ کی سی رہے تاکہ وقت پڑنے پر کردستان کا مسئلہ انھیں ملکوں کے خلاف بم کا کام کر سکے۔

رہا شیعہ سنی کا مسئلہ تو یہ بھی سامراجیوں کا ہی پیدا کردہ ہے اسلامی ممالک میں یہ خونخوار سامراجی شیعہ سنی کا مسئلہ کھڑا کر کے اپنے ناپاک مقاصد کو حاصل کرنا چاہتے ہیں انہوں نے ایران میں بھی شیعہ سنی اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے لئے بڑا زور لگایا مگر انقلاب اسلامی نے ایران کے شیعہ اور سنی اسلامی بھائیوں کو ایسی گہری سیاسی بصیرت عطا کی ہے وہاں سامراجیوں کی دسیسہ کاری کامیاب نہ ہو سکی۔ صرف ایران ہی نہیں بلکہ انقلاب نے علاقے اور دنیا کے تمام شیعہ و سنی مسلمانوں کی آنکھیں کھول دی ہیں اب وہ محسوس کر رہے ہیں کہ اگرچہ مسلمانوں کے درمیان جزئی مسائل میں اختلاف پائے جاتے ہیں مگر بنیادی مسائل کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ خداوند تعالیٰ کی

وحدانیت اور حضرت پیغمبر اسلام کی رسالت کا اعتقاد ہر مسلمان رکھتا ہے چاہے وہ شیعہ ہوں یا سنی، اسی طرح تمام مسلمانوں کی کتاب "قرآن کریم" اور قبلہ کعبہ معظمہ ہے اور دنیا کے سب مسلمان قیامت کے قائل ہیں۔ ایران کے اسلامی انقلاب نے دنیا کے مسلمانوں کا شعور بیدار کر دیا ہے اور اب وہ مل جل کر زندگی گذارنے اور متحد ہو کر عالمی سامراج اور کفر و الحاد کے خلاف عزیمت و استقامت کے ساتھ صف آرا ہیں۔ اس وقت دنیا کے مسلمان تعداد، عظیم امکانات و وسائل اور جغرافیائی حالات کے اعتبار سے اس پوزیشن میں ہیں کہ اگر وہ متحد رہیں تو کوئی طاقت ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ بدقسمتی سے جہاں کے بھی مسلمان سامراجیوں کی مرضی اور ایماء پر تفرقہ اندازی کا شکار ہیں وہ ضعیف اور کمزور رہیں اور ان کی یہ کمزوری اسی حد تک بڑھ چکی ہے صرف تیس لاکھ سے کم یہودی تیرہ کروڑ سے زیادہ عرب مسلمانوں کی سرکوبی کر رہے ہیں۔ ایران کے اسلامی انقلاب نے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ اگر مسلمان اللہ تعالیٰ پر کامل اور اپنی ذات پر بھرپور اعتماد رکھیں تو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکتے ہیں اور سامراجیوں کا سارا غرور خاک میں ملا سکتے ہیں۔ اس انقلاب نے ایک دنیا کے مسلمانوں کی عملی طور پر بے پناہ حمایت کی ہے خصوصاً وہ مسلمان جو مشرق و مغرب کے سامراجیوں سے نبرد آزما ہیں ان کے ساتھ بے مثال ہمدردی کا ثبوت دیا ہے۔ ایران کی مسلمان قوم سامراجیوں کے ظلم و ستم اور مصائب و مشکلات کے بھنور میں ہونے کے باوجود دنیا کے تمام مسلمانوں کی مدد و حمایت کر رہی ہے اور اسلامی اخوت کو اپنا شیوہ قرار دیکر مسلمانوں کی عظمت رفتہ اور پوری دنیا میں اسلام کی عادلانہ حکومت قائم کرنے کے لئے کوشاں ہے۔

دہشت گردی ۔ شخصیتوں کا قتل : انقلاب اسلامی کے دشمنوں نے اس انقلاب

کو نابود کرنے کے لئے ایک وقت میں صرف ایک سازش پر اکتفا نہیں کی بلکہ انھوں نے بیک وقت کئی سازشوں کا جال پھیلایا تاکہ اگر ایک سازش ناکام ہو جائے تو دوسری سازش کے ذریعہ وہ اپنے ناپاک مقصد کو حاصل کر سکیں۔

انقلاب کی کامیابی کے ابتدائی دنوں میں ایران میں امریکی ایجنٹوں نے پاسداران کے وحشیانہ قتل کا اقدام کیا اور شب خون مار کر بہت سے پاسداروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ سامراجی خونخواروں کی دہشت گردی اور قتل وغارت رفتہ رفتہ اتنی بڑھ گئی کہ انہوں نے انقلاب کی ترقی میں موثر کردار ادا کرنے والی نمایاں شخصیتوں کو بھی نشانہ بنانا شروع کر دیا اور بہت سی انقلابی اور عوامی خدمت گذار شخصیتوں کو خاک و خون میں ملا دیا۔ معروف شخصیتوں میں نمایاں اور موثر شخصیت حضرت آیت اللہ شہید مرتضیٰ مطہری کی تھی جنھیں سامراجی خونخواروں نے سب سے پہلے اپنی گولیوں کا نشانہ بنایا اور ان کے بعد شہید قرنی کو شہید کیا گیا۔

آیت اللہ شہید مطہری ۱۱/ اردیبہشت ۱۳۵۸ھ (یکم مئی ۱۹۷۹ء) کو شام کے وقت تہران کی ایک سڑک پر اس وقت شہید کیا گیا جب آپ شورائے انقلاب کی میٹنگ سے واپس ہو رہے تھے جو شوریٰ کے ایک ممبر کے مکان پر منعقد ہوئی تھی۔ آیت اللہ مطہری ایک عظیم اسلامی مفکر تھے اور اسلامی علوم میں مہارت تامہ اور مجتہدانہ نظر کے ساتھ ساتھ مغربی و مشرقی گوناگون مکاتب فکر پر کامل دسترس رکھتے تھے جو اسلامی انقلاب کی بقا اور ترقی کیلئے آئیڈیالوجک پہلو سے بہت ہی موثر کردار ادا کر سکتے تھے۔ آپ شورائے انقلاب کے سربراہ تھے۔ اس لئے آپ کو شہید کرنے میں زیادہ سیاسی پہلو کارفرما تھا مگر آپ کی شہادت سے یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آگئی کہ آپ کو شہید کر کے انقلاب کے دشمن ان مفکرین کو بھی دہشت زدہ کرنا چاہتے تھے جو اسلام کے مقابلہ میں آنے والے مختلف مکاتب فکر کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکتے ہیں

اور موثر کردار ادا کر سکتے ہیں۔ شہید مفتح، قاضی طباطبائی، ایۃ اللہ بہشتی جیسے بے نظیر اسلامی مفکرین کا قتل، حجۃ الاسلام ہاشمی رفسنجانی، حجۃ الاسلام سید علی خامنہ ای اور ان کے علاوہ انقلاب کی بقا کے لئے فدا کارانہ جدوجہد کرنے والے شیعہ و سنی علماء کے قتل کی پیہم سازشیں اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ دشمنان اسلام ہر چیز سے زیادہ اسلامی مفکروں کے افکار سے خائف ہیں۔

بے شک ان بے مثال اسلامی مفکرین کے نہ رہنے سے اسلام اور انقلاب کو شدید نقصان پہونچا ہے، مگر دشمنوں کے تصور کے برخلاف ان کا خون رنگ لایا اور ہر ایک کی شہادت پیکر انقلاب میں نئی روح پھونکتی گئی اور ہزاروں نفوس اپنی پوری توانائی اور اپنے فولادی ارادوں کے ساتھ ان کے راستے پر گامزن ہیں اسلئے بلا تردید کہا جاسکتا ہے کہ شخصیتوں کا قتل انقلاب کو آگے بڑھنے سے روک نہیں سکتا۔ کاش انھیں کوئی سمجھا دیتا کہ شہداء کے خون سے انقلاب میں نئی توانائی آجاتی ہے۔ ایران کے اسلامی انقلاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ انقلاب شخصیت پر منحصر نہیں ہے بلکہ قوم کی ہر ہر فرد سے متعلق ہے۔ ایرانی قوم کی سیاسی بصیرت اسی قدر بلند و بالا ہو چکی ہے کہ شخصیات کا قتل انھیں مایوس نہیں کر سکتا بلکہ انھوں نے جو راستہ اختیار کیا ہے اس پر ثابت قدمی کے ساتھ گامزن رہنے کی مزید دعوت دیتا ہے۔

قیادت کو تقسیم کرنے کی سازش: اسلامی انقلاب کے دشمنوں کی اور ایک اہم سازش یہ بھی تھی کہ ایران میں جو سیاسی پارٹیاں ان کے ایجنٹ کی حیثیت سے کام کر رہی تھیں ان کے ذریعہ قیادت تقسیم کر دیں اور قائد انقلاب اسلامی امام خمینی کی کامیاب اور ہمہ گیر قیادت کو کمزور بنا دیں۔ چنانچہ انھوں نے بعض علما اور بعض سیاسی لیڈروں جیسے مصدق کو خوب بڑھا چڑھا کر پیش کرنا چاہا حالانکہ انقلاب کی کامیابی کے بہت پہلے مصدق کا انتقال ہو چکا تھا۔

وہ بزرگ اور مجاہد علما جو امام خمینی کی قیادت کی پرزور حمایت کر رہے تھے اور جن کی بے دریغ اور پرزور حمایت کی وجہ سے امام خمینی کی قیادت میں انقلاب روز بروز مستحکم ہو رہا تھا، انھیں ان وابستہ سیاسی جماعتوں اور پارٹیوں نے متہم کر کے قتل کرنا شروع کر دیا تاکہ لوگوں پر یہ ظاہر کیا جا سکے جو شخصیتیں امام خمینی کے نزدیک قابل اعتماد ہیں انھیں عوام کا بالکل اعتماد حاصل نہیں ہے۔ دوسری طرف بعض ایسے علما کو خوب بڑھا چڑھا کر پیش کیا جا رہا تھا اور مسئلہ قیادت میں امام خمینی کا شریک و سہیم بنایا جا رہا تھا جن سے سوٗ استفادہ کرنے کی توقع تھی۔ اگر یہ سازش کامیاب ہو جاتی تو پھر انقلاب کے اہم نتائج مفقود ہو جاتے۔ شخصیتوں کے قتل کی طرح قیادت کی تقسیم سے بھی انقلاب کا کمزور ہو جانا ناگزیر تھا اس کے بعد سامراجیوں کو ایران میں آسانی کے ساتھ قدم رکھنے کے لئے راستہ ہموار ہو جاتا۔ مگر عوام کی ہشیاری اور انقلاب کا سوز و گداز رکھنے والی شخصیتوں کی عاقلانہ روش سے یہ سازش ناکام ہو کر رہ گئی۔ حالانکہ ان پر وابستہ جماعتوں نے طرح طرح کے الزامات بھی لگائے ماضی کی بعض سیاسی شخصیتوں خصوصاً مصدق کو خوب نمایاں کر کے پیش کرنے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ انقلاب اسلامی کی "ماہیت" پردہ خمول میں پڑ جائے اور انقلاب ایسے راستے پر گامزن ہو جائے جو مشرق و مغرب کے سامراجیوں کے مفاد میں کسی طرح رکاوٹ نہ بن سکے۔ چنانچہ اسلامی انقلاب کی کامیابی کی پہلی اور دوسری سالگرہ کے موقع پر جبہہ ملی (نیشنل فرنٹ) اور دوسری انقلاب دشمن پارٹیوں نے مصدق کی وفات کی تقریبات میں اپنے پروپیگنڈوں کے ذریعہ اسلامی انقلاب کو اس کے اصلی راستے سے منحرف کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ ان کے دعوے کے مطابق اگر مصدق کو ایک قومی و ملی مجاہد تسلیم کر بھی لیں تو یہ بھی ایک بہترین دلیل ہے کہ مصدق کی حدود جبہہ اسلامی نہیں تھی۔ ظاہر ہے کہ ایک اسلامی تحریک تو قومیت و ملیت کی محافظ ہو سکتی

ہے۔ مگر صرف ایک قومی تحریک اسلام کے مقاصد کو پورا نہیں کر سکتی۔ اسلام قوم و قبیلہ اور رنگ و نسل اور زبان کی قیود سے آزاد ہوتے ہوئے بھی ہمیشہ قومی استقلال کا بزرگ ترین حامی رہا ہے۔ بہر حال تقسیم قیادت اور انقلاب کی اسلامی ماہیت و اصلیت کو طاق نسیاں کے حوالے کر دینے کے لئے طرح طرح کے جو جال بچھائے جا رہے تھے اور جو سازشیں بروئے کار لائی جا رہی تھیں وہ سب ناکام ہو کر رہ گئیں۔ ایرانی عوام جنھوں نے اپنے گراں بہا تجربات کی روشنی میں ہمیشہ ایسی سازشوں کو ناکام بنایا ہے۔ وہ کبھی کبھی اس انقلاب کی اسلامی ماہیت میں کسی قسم کا تغیر اور تبدیلی گوارہ نہیں کر سکتے جو ان کی خونین اور طویل جدوجہد کا ماحصل ہے۔

طبس کی سازش

طبس کی سازش: تہران میں امریکی جاسوس خانہ (امریکی سفارتخانہ) پر مسلمان ایرانی طلباء کا قبضہ کرنا عالمی امپیریلزم پر ایک کمر توڑ وار تھا۔ امریکہ نے اپنے اقتصادی اور فوجی وسائل نیز اپنے پروپیگنڈوں سے دنیا کے ذہنوں میں اپنی ناقابل شکست طاقت کا ہوا بٹھا رکھا تھا۔ مگر ایران میں اس کے جاسوس خانہ پر جب طلبا کا قبضہ ہو گیا تو امریکہ کی ناقابل شکست طاقت کا طلسم ٹوٹ گیا اور ساری دنیا پر یہ واضح ہو گیا کہ امریکہ نے خالی خولی طاقت کا ڈھونگ رچا رکھا ہے۔ اس اقدام نے یقین نہ کرنے والی دنیا کی آنکھوں کے سامنے امپیریلزم کے افسانۂ شکست ناپذیری پر خط بطلان کھینچ دیا۔

تہران میں امریکی جاسوس خانہ پر قبضہ ہو جانے سے ایرانی عوام کے لئے ایک دوسرے انقلاب کا دور شروع ہوتا ہے۔ اس جاسوس خانہ پر قبضہ ہو جانے، اسلامی انقلاب کے خلاف امریکی سازشوں کے طشت ازبام ہو جانے سے زیادہ خوف و ہراس امریکہ کو اس بات کا تھا کہ اس کی طاقت ایک افسانہ بن چکی تھی۔ اور حقیقت تو یہی ہے کہ امریکہ کو اس واقعہ سے ڈرنے کا حق تھا کیونکہ یہ کاری ضرب جو اس پر لگی تھی سامراجیوں کے ظلم و ستم کے نیچے دبی

ہوئی قوموں کو بیدار ہونے اور کھڑے ہونے کے لئے ایک مقدمہ تھا۔ چنانچہ اس واقعہ کے بعد اسی سے ملتے جلتے اقدامات مسلمان طلباً کی طرف امریکہ کی سیاسی نمائندگی کے خلاف تمام اسلامی ممالک میں عمل میں لائے گئے جن میں پاکستان بھی شامل ہے۔

اس شکست کی تلافی کے لیے امریکہ نے ساری دنیا میں وسیع پیمانہ پر اسلامی انقلاب کے خلاف سازشوں کا جال بچھا دیا۔ استکباری اور صیہونی جو نیوں نے اس انقلابی اقدام کے خلاف یہ پروپیگنڈہ کرنا شروع کیا کہ یہ عمل بالکل غیر قانونی ہے اور سراسر بین الاقوامی اصولوں کے خلاف ہے مگر اس سوال کا جواب انھوں نے کبھی نہیں دیا کہ تہران میں امریکی سفارت خانہ کے اندر اسلامی انقلاب اور علاقے کی قوموں کے لئے اتنے بڑے پیمانہ پر جاسوسی کرنا اور طرح طرح کی سازشیں کرنا کیا ایک قانونی اور بین الاقوامی اصول کے مطابق عمل ہے؟ وہ کبھی یہ بتا سکے کہ جاسوسی کے اڈے کو کیونکر وہ سفارتخانہ کہتے ہیں اور جاسوسوں کو کس منہ سے ڈپلومیٹ کہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سامراجی اور ان جیسی حکومتیں جو ہمیشہ ہولناک جرائم کی توجیہہ و تاویل کیا کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ ان سے کوئی توقع نہیں ہے۔

امریکہ جب پروپیگنڈوں کا جال پھیلا کر بھی عاجز ہو گیا اور دیکھا کہ ایران بالکل جھکنے کے لئے تیار نہیں ہے تو اس نے ایران کا اقتصادی بائیکاٹ کرنے کا اقدام کیا اور ۱۳۵۸/۹/۲۱ (۱۲ دسمبر ۱۹۷۹ء) کو تمام دنیا کے بینکوں میں ایرانی سرمایہ کو بین الاقوامی سطح پر منجمد کرنے کے لئے اقدام کیا مگر ان اقدامات کے بعد بھی ایران سر تسلیم خم کرنے پر راضی نہ ہوا تو پھر اس نے براہ راست ایران میں فوجی مداخلت کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ اس نے ۵ اردیبہشت ۱۳۵۹ (۲۵ اپریل ۱۹۸۰ء) کو جمعہ کے دن ۱۸ لڑاکا طیارے اور ۲۰ ہیلی کاپٹروں کے ساتھ مجموعی طور پر جنہیں ۲ ہزار حملہ آور فوجیوں کی کمک تھی اپنے جاسوس یرغمالیوں کو رہا کرانے کے قصد سے ایران پر حملہ آور ہوا۔ یہ لڑاکا طیارے اور ہیلی کاپٹر

جنہیں مظبوط قسم کی موٹر سائیکلیں، فوجی جیپیں اور بہت سی توپیں اور بندوقیں تھیں ایران کے دورافتادہ مشرقی ریگستانی علاقہ میں شہر طبس کے مضافات میں اتارے گئے تاکہ بعد کی کاروائیاں وہاں سے شروع کی جاسکیں۔ مگر چونکہ اس اسلامی انقلاب پر ہمیشہ قادر مطلق کی عنایت خاص رہی ہے خدا کا کرنا ایسا کہ یہ لڑاکا طیارے اور ہیلی کاپٹر بالکل غیر متوقع طور پر بیکار ہوگئے اور چھ ہیلی کاپٹر اور ایک لڑاکا طیارہ کے علاوہ باقی طیارے اور ہیلی کاپٹر تیزی کے ساتھ ایران کی سرزمین چھوڑ کر پرواز کر گئے۔ باقی ماندہ چھ ہیلی کاپٹر اور ایک لڑاکا طیارہ جو ۵۰ ایم ایم قطر کے دہانے والی توپوں سے مجہز تھے، چھ موٹر سائکل تیس ہزار پھٹتے ہوئے بم اور کئی نفر سوختہ وازکار رفتہ حملہ آور طبس کے مضافاتی میدانوں میں پائے گئے جو ایرانی فوجوں کے ہاتھ لگے اور اس طرح ایک خدائی معجزہ کے ذریعہ امریکہ کی اتنی بڑی سازش بھی ناکام ہوکر رہ گئی۔

اس واقعہ نے ایرانی عوام کے ذہنوں میں اصحاب فیل کا واقعہ تازہ کردیا۔ اصحاب فیل جو کعبہ پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے تو آسمانی پرندے ظاہر ہوتے جن کی منقاروں میں چھوٹے چھوٹے سنگریزے تھے انھوں نے ابرہہ کے لشکر پر ان سنگریزوں کو گراکر انھیں ہلاک کرڈالا۔ ایرانی عوام جن کا پہلے ہی سے یہ عقیدہ تھا کہ اس اسلامی انقلاب کو خداوندی حمایت حاصل ہے۔ واقعہ طبس کے بعد ان کا ایمان واعتقاد اور زیادہ پختہ ہوگیا۔ انہوں نے چودہ صدیوں کے بعد اصحاب فیل کا واقعہ دوبارہ ایران میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ کس طرح بیابان طبس کی ریت نے ان کی مدد کرکے موجودہ زمانے کے اصحاب فیل یعنی امریکی خونخواروں کو پسپا کردیا۔

نامراد "نوژہ" فوجی بغاوت: واقعہ طبس کے بعد ہارا ہوا زخم خوردہ دشمن یعنی امریکہ جمہوری اسلامی ایران کے خلاف پھر ایک دوسری سازش کرتا ہے اور

اپنے، ایران سے فراری ایجنٹوں کو متحد کرکے اور کچھ ایرانی فوجیوں کو دام فریب میں لاکر ایک فوجی بغاوت کی فکر کرتا ہے۔ چنانچہ امریکہ نے اس بغاوت کے لئے اپنے پٹھو بختیار کا انتخاب کیا اور مالی امداد کے ساتھ ساتھ ہر طرح وسائل و ذرائع فراہم کئے۔ اس دفعہ بھی خداوند کریم کی نصرت و مدد آ پہنچی اور شب پنجشنبہ ۱۹ر تیر ماہ ۱۳۵۹ء (۱۰ر جولائی ۱۹۸۰ء) کو سپاہ پاسداران انقلاب اسلامی نے بغاوت کرنے سے چند لمحے پہلے ہی باغیوں کو گرفتار کرلیا۔ ان باغیوں کا ارادہ ہمدان کی "نوژہ" ہوائی چھاؤنی سے تہران کے اہم مراکز اور قم میں امام خمینی کی قیام گاہ پر بمباری کرکے ایران میں سوشلسٹ جمہوری حکومت قائم کرنے کا تھا۔

باغیوں اور ان کے کرتا دھرتا بختیار کی حیثیت سے قطع نظر جسے ایرانی عوام بڑی حقارت و نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ نیز اس بات سے قطع نظر کہ آیا یہ لوگ بغاوت کرتے ہی اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے میں کامیاب بھی ہو جاتے یا نہیں انقلاب اسلامی کے بعد اصولاً اب ایران میں کوئی بغاوت کامیاب نہیں ہو سکتی۔ ایرانی عوام جنھوں نے بڑی جدوجہد کے بعد ایک اسلامی، آزاد، عوامی اور جمہوری حکومت قائم کی ہے اس لئے اب وہ کسی وابستہ حکومت کے زیر سایہ زندگی نہیں گذار سکتے وہ بھی ایسی حکومت جو بغاوت کے بعد زبردستی ان پر مسلط کیجائے۔ اگر یہ بغاوت پہلے ہی مرحلے میں ناکام نہ ہوگئی ہوتی تو ایرانی عوام ایک دن کے لئے بھی باغیوں کی حکومت برداشت نہیں کرسکتی تھی۔ امریکہ اور دنیا کے دوسرے سامراجیوں کو جو اسلامی انقلاب کے خلاف تابڑ توڑ سازشوں میں مصروف ہیں ان "تلخ تجربات کے بعد ہوش میں آجانا چاہیئے کہ یہ انقلاب عوامی حمایت و پشت پناہی رکھتا ہے جو کبھی بھی فوجی بغاوت سے نابود نہیں کیا جاسکتا امریکہ اس قوم کے چٹان جیسے ارادوں کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رکھتا۔

ایران پر عراق کی تھوپی ہوئی جنگ : اسلامی انقلاب کے خلاف امریکہ کی

پیہم اور تابڑ توڑ سازشوں کی مسلسل ناکامی سے اگرچہ انقلاب کے دشمنوں کے دل ٹوٹ چکے تھے پھر بھی خاموش نہیں بیٹھے بلکہ ہر روز نت نئی سازش کے لئے منصوبے بناتے رہے۔ "نوژہ بغاوت" اور پٹھو جماعتوں کی ریشہ دوانیوں اور رخنہ اندازیوں میں بھرپور ناکامی کے بعد امریکہ کچھ دنوں ایک میانہ رو حکومت کے "قیام کے انتظار میں رہا۔ اس کی من پسند اور مغربی رجحان رکھنے والی حکومت کی تشکیل کے لئے اس کی ساری امیدیں بنی صدر سے بندھی تھیں۔ بنی صدر کو ہزار مکر و فریب سے صدارت کا عہدہ ملا تھا۔ بنی صدر نے امریکہ کو سبز جھنڈی دکھائی تھی اور امریکہ بڑا خوش تھا کہ اگر "نہضت آزادی" کی عارضی حکومت نہ رہی تو کیا ہوا اب ایران میں دوبارہ اسکا اس سے قوی تر ذریعہ ہاتھ آگیا ہے۔

بنی صدر نے ہر چند کوشش کی کہ ایک ایسی حکومت قائم ہو سکے جس کا رجحان امریکہ کی طرف ہو مگر کامیابی نہ ہو سکی۔ اور اسلامی پارلیمنٹ نے جس کی بھاری اکثریت اسلامی انقلاب کی وفادار اور امام خمینی کی فدائی ہے محمد علی رجائی کے حق میں رائے دی۔ محمد علی رجائی، جو سیاسی رجحانات کی حیثیت سے بنی صدر کے مقابل سمجھے جاتے تھے اور انقلاب کی اسلامی ماہیت کے قائل تھے ان کی حکومت بنتے ہی امریکہ کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا اور ساری دنیا کے استکباری و صیہونی پروپیگنڈہ بھونپو نے بنی صدر اور امریکی ایجنٹوں کے ساتھ ہمنوا ہو کر رجائی حکومت کے خلاف زہر اگلنے لگے اور اسلامی انقلاب کے خلاف شدید سے شدید تر حملے کا آغاز کر دیا۔

امریکہ اس قدر بوکھلایا کہ غم و غصے کی تاب نہ لا کر رجائی حکومت بننے کے چند ہی دنوں بعد اس نے ۳۱، شہریور ۱۳۵۹ھ (۲۲، ستمبر ۱۹۸۰ء) کو عراق کی بعثی حکومت سے ایران پر بھرپور فوجی حملہ کرا دیا۔ اس سے پہلے بھی ایران میں ایک "میانہ رو" حکومت "قائم نہ کرنے پر بطور وارننگ امریکہ کے حکم سے بعثی حکومت ایران کی جنوبی اور مغربی سرحدوں پر جا بجا حملے کر چکی تھی۔

مگر ۲۲ ستمبر ۱۹۸۰ء کا حملہ بہت شدید تھا۔ بعثی حکومت کی بحری اور زمینی فوج نے ایران کے مغرب وجنوب میں زبردست حملہ کیا اور اس کے کئی لڑاکا طیاروں نے ایران کے فوجی ہوائی اڈوں پر حملے کے ساتھ ساتھ تہران پر بھی حملہ کیا اور اس طرح اسلامی انقلاب کے خلاف امریکہ کی ایک نئی سازش کا آغاز ہو گیا۔

جمہوری اسلامی ایران ہرگز ایک مسلمان ملک سے جنگ پر آمادہ نہ تھی۔ قائد انقلاب اور اسلامی جمہوریہ ایران کے تمام ذمہ دار افراد تو اس فکر میں تھے کہ مع عراق تمام اسلامی ممالک کے دل سے اس ناسور کا صفایا کر کے فلسطینی جلاوطنوں کو صیہونیوں کے چنگل سے آزاد کرائیں گے۔ اسلامی انقلاب اس فکر میں تھا اور آج بھی ہے کہ بیت المقدس کی آزادی کے بعد وہ سامراجیوں کے ظلم وستم کے نیچے دبی ہوئی تمام مسلمان قوموں کی حمایت کر کے انھیں آزاد کرائے اور پرچم اتحاد کے سایہ میں دنیا کے تمام مسلمان جمع ہو کر ایک ایسی عظیم اسلامی قوت پیدا کریں جو مغرب ومشرق کے خونخواروں کو فنا کر کے دنیا کے محروم انسانوں کو سامراجیوں کے چنگل سے آزاد کرا سکیں۔ مگر خائن صدام نے جو سامراجی خونخواروں کا پٹھو اور بین الاقوامی صیہونیت کا ہم رکاب ہے، اپنے آقاؤں کے مفاد کے تحفظ کی خاطر اسلامی انقلاب کے مقاصد میں روڑا اٹکانے کیلئے ایران ہی پر حملہ کر دیا اور دو اسلامی ملکوں کی فوجی طاقتیں جنھیں متحد ہو کر صیہونیوں کے خلاف لڑنا چاہیے تھا خائن صدام کی بد اندیشی سے آپس ہی میں دست وگریباں ہو گئیں۔ دلچسپ بات تو یہ ہے کہ ایران کا جمہوری اسلامی نظام، جو قومیت کے تصور سے دور صرف دنیا کے مسلمانوں کی حمایت کی فکر میں ہے صدام اس پر عرب قومیت کے دفاع کے بہانے حملہ آور ہوتا ہے اور خود خوزستان میں ہزاروں عرب کو موت کے گھاٹ اتارتا ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ایسی جنگ کا فائدہ صرف سامراجی خونخواروں کو پہنچے گا مگر ایران کے لیے دفاع کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔ اہم بات یہ ہے کہ بعثی حکومت کو امریکہ،

روس، انگلینڈ، فرانس، جاپان، جرمن اور سامراجیوں کی سبھی ایجنٹ اور رجعت پسند عرب حکومتوں مثلاً سعودی عرب، مراکش، عمان اور خلیج فارس کے شیوخ کی فوجی، سیاسی اور نشریاتی حمایت حاصل ہے اور ایران جو تنہا ہر طرح کی سازشوں کا بھی مقابلہ کر رہا ہے اسے صرف چند ممالک کی سیاسی حمایت حاصل ہے، پھر بھی وہ عراق کا ڈٹ کر مقابلہ کر رہا ہے۔ جنگ کے ابتدائی دنوں میں ایرانی فوج ضرور ہٹی اس کی وجہ یہ تھی بنی صدر کے پاس صدارت کے علاوہ کمانڈر انچیف کا بھی عہدہ تھا اور اس جنگ میں ایران کی کامیابی سے خود بنی صدر کے سیاسی مفاد کے ساتھ ساتھ ایران میں امریکی مفاد کو بھی ٹھیس پہنچ رہی تھی اس لئے بنی صدر نے ایران کی ناکامی کو ہی اپنی کامیابی سمجھی اور فوج پیچھے ہٹائی گئی۔ مگر بنی صدر کے زوال کے بعد ہی فوج کامیابی کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہے اور وہ دن دور نہیں کہ یہ جنگ ایران کے حق میں ختم ہوگی اور بعثی حکومت کا تختہ الٹ کر عراق میں ایک عوامی اور اسلامی حکومت قائم ہوگی۔

ایران پر بعثی حکومت کی مسلط کردہ جنگ میں شکست نے ایک بار پھر امریکہ اور دنیا کے خونخوار سامراجیوں کی تمام کوششوں کو ناکام بنا دیا ہے۔ اس کے علاوہ انقلاب اسلامی کے حقیقی اور اصلی ہمدردوں کو دنیا کے عوام میں پہنچانے کے سلسلے میں بھی بڑا موثر کردار ادا کیا ہے۔

بعثی حکومت نے اپنے آقاؤں کے مفاد کے تحفظ کی خاطر اس جنگ میں کوئی ظلم باقی نہیں رکھا۔ اس ظالم اور ایجنٹ حکومت نے ایران کے شہروں، اسپتالوں، مسجدوں، مدرسوں اور رہائشی مکانوں اور نہتے عوام پر بے دریغ ہوائی اور میزائیل حملے کئے مگر ایران کی فوج نے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں آج تک نہتے عوام پر ایک گولی بھی نہیں چلائی اور اپنے اس کردار سے بڑی طاقتوں کا آلۂ کار نہ بننے کا ثبوت فراہم کر دیا اور دنیا کو دکھا دیا کہ وہ ایسی ظالمانہ جنگ میں بھی اپنے دفاع اور ظلم

کے خلاف جہاد میں ایک انگل بھی اسلامی تعلیمات کے دائرہ سے باہر نہیں ہوئی۔

صدام نے جب اپنے بے پناہ مظالم اور جرائم کی وجہ سے اپنا زوال قریب دیکھا تو اب صلح کی انتھک کوشش کر رہا ہے۔ اقوام متحدہ اور دوسرے بین الاقوامی اداروں سے مدد طلب کر رہا ہے اور انھیں درمیان میں ڈال کر ایسی صلح چاہتا ہے جس سے صرف اس کی گلوخلاصی ہو جائے، ایران بھی صلح کا خواہاں ہے مگر ایسی صلح جس کا نتیجہ ظلم و تعدی نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ صدام حقیقی صلح کا خواہاں ہرگز نہیں ہے کیونکہ اگر وہ واقعی صلح چاہتا تو دوسری طاقتوں کا سہارا نہ ڈھونڈتا بلکہ خود بخود اپنی فوجوں کو ایران سے ہٹا لیتا اور مظالم سے ہاتھ روک لیتا۔ اس جنگ کا نتیجہ بھی ایران کو جرائم پیشہ افراد کے وجود سے پاک کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوگا۔ اگر صدام اپنی فوجوں کو ایرانی سرزمین سے ہٹا کر عراق کی داخلی سرحدوں میں نہیں لے جاتا تو ایران کی مسلمان، بہادر اور عالمی کفر کا مقابلہ کر کے اسلام کا دفاع کرتے والی فوج کو زبردستی ایران سے نکال کر عراق بھگانا ہی پڑے گا بہرحال دونوں صورتوں میں صدام اور اس کی پٹھو حکومت زیادہ دنوں باقی نہ رہ سکے گی۔ عراقی عوام جو گرنے والے ایرانی پائلٹوں کو پناہ دے رہے ہیں اور انھیں خفیہ طور پر ایران واپس کر رہے ہیں وہ لوگ ہرگز ہرگز صدام خائن اور اس کی صیہونی حکومت کو برداشت نہیں کر سکتے۔

منافقانہ بغاوت اور ناکام بنی صدر: اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد چونکہ امریکہ کو بہت زبردست ٹھیس پہنچی اور ایران سے جس قدر بھی اس کا مفاد وابستہ تھا ان سب سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ بنابریں اس کی سب سے بڑی خواہش یہی رہی کہ ایران میں ایک ایسی حکومت قائم ہو جو مغرب کی طرف جھکاؤ رکھتی ہو۔ عارضی حکومت چونکہ ریفارمیٹک نظریات کی حامل تھی، اس کا فکری رجحان مغربی تھا اور جو امریکہ کے لئے نقطۂ امید سمجھی جاتی تھی،

اس لئے زیادہ دنوں تک باقی نہ رہ سکی۔ امریکہ کی امیدوں کا دوسرا مرکز بنی صدر کی ذات تھی، بنی صدر نے فرانس میں امام خمینی سے حلقہ بگوش ہو کر خود کو انقلابی ظاہر کیا اور اسی تاریخ سے ذرائع ابلاغ کی مدد سے ایرانی عوام میں اپنے کو ایک اسلامی اور انقلابی شخصیت کے روپ میں پہچنوانا شروع کیا۔ بنی صدر، صدر جمہوریہ کے انتخابات تک جو بہمن ماہ ۱۳۵۹ھ ش (فروری ۱۹۷۹ء) میں ہوئے، یعنی انقلاب اسلامی کی کامیابی کے ایک سال بعد تک صرف نعرہ بازی پر ہی اکتفا کرتا رہا اور عملی کاموں میں بہت کم حصہ لیتا تھا کہ کہیں اس کی وابستہ شخصیت کھل کر سامنے نہ آئے۔ غرض وہ ان فریب کاریوں سے نیز ایرانی عوام کی حسن نیت سے فائدہ اٹھا کر انتخابات میں بھاری اکثریت کے ساتھ کامیاب ہوا اور صدر جمہوریہ کا عہدہ حاصل کیا۔

بنی صدر اور اس کے ہم فکر چند مغرب زدہ افراد کا مقصد یہ تھا کہ وہ حکومت کے اہم عہدوں پر قبضہ کر کے انقلاب کا رخ موڑ دیں اور اس طرح امریکہ کو ایران میں دوبارہ آنے کا موقع مل جائے چنانچہ اس کے بہت سے شواہد موجود ہیں۔ منجملہ ان شواہد کے وہ دستاویزات بھی ہیں جو امریکی جاسوس خانہ سے برآمد ہوئی ہیں جن سے بنی صدر اور اس کے ہم خیال ساتھیوں کا "سیا" (C/A) تنظیم کے ساتھ روابط کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ دستاویزات ایرانی اخباروں میں بھی شائع ہو چکی ہیں۔ یہاں ایک حیرتناک واقعہ بیان کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ سید نور اللہ طباطبائی، اسلامی پارلیمنٹ میں اردستان کے نمائندہ تھے، جو حزب جمہوری اسلامی کے مرکزی دفتر پر ۲۸ جون ۱۹۸۱ء کے دھماکے میں شہید ہو گئے، مرحوم نے یہ واقعہ بنی صدر کے زمانۂ صدارت میں بیان کیا تھا۔ انہوں نے فرمایا: "۱۳۵۷ھ ش (۱۹۷۸ء) کے ایام سرما تھے، انقلاب پورے اوج پر تھا، مجھے مشرقی تہران کی ایک مسجد میں تقریر کرتے ہوئے گرفتار کر لیا گیا اور حوالات میں ڈال دیا گیا جس کمرے میں مجھے بند کیا گیا تھا، وہاں پولیس انسپکٹر میرے پاس نصف شب کے قریب آیا اور بیٹھ کر مجھ سے

باتیں کرنے لگا، اس نے مجھ سے کہا کہ آپ لوگ بیکار کوشش کر رہے ہیں یہ صحیح ہے شہنشاہی حکومت ختم ہو جائیگی مگر آپ لوگ اسلامی حکومت قائم نہیں کر سکیں گے میں نے ہنس کر پوچھا کیوں؟ اس نے کہا آپ بنی صدر، قطب زادہ، اور ڈاکٹر ابراہیم یزدی کو پہچانتے ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ میں نے صرف ڈاکٹر یزدی کا نام سنا ہے۔ پولیس انسپکٹر نے مسکرا کر مجھ سے کہا کہ یہ لوگ امریکہ کی طرف سے مامور کئے گئے ہیں وہ اپنے کو امام خمینی کے قریب کریں اور ملک کے بلند اور اہم عہدوں کو تھیانے کی کوشش کریں اور کسی قیمت پر بھی ایران میں اسلامی حکومت نہ قائم ہونے دیں۔ اس کی باتوں پر میری ہنسی چھوٹ گئی اور مجھے یقین نہیں ہوا کہ بھلا ایسا کہاں ہو سکتا۔ میں سوچ رہا تھا کہ یہ شاہی ایجنٹ بھی کیا کیا تدبیریں کرتے ہیں کہ انقلاب کامیاب نہ ہو سکے۔ کچھ ہی دنوں بعد ڈاکٹر یزدی نے بازرگان کے ساتھ کارٹر کے سیاسی مشیر برژنسکی سے الجزائر میں ملاقات کی اور "کیھان" اخبار کی سرپرستی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے انقلاب کے حق میں جی بھر کے خیانت کی، قطب زادہ نے وزیر خارجہ ہونے کی حیثیت سے انقلاب کے ساتھ کھلی ہوئی غداری اور امریکی یرغمالیوں کی رہائی کے لیئے ہر ممکن مدد کی اور بنی صدر نے، صدر جمہوریہ ہونے کی حیثیت سے ایک ایسی حکومت قائم کرنا چاہی جو امریکہ کی طرف مائل ہو اور ایران پر عراق کی تھوپی ہوئی جنگ میں ہر قسم کی خیانتوں اور غداریوں کا مرتکب ہوا تو مجھے اس پولیس انسپکٹر کی باتیں یاد آگئیں اور میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ ان باغیوں کے متعلق اسے بہت ہی اہم اور صحیح معلومات تھیں مگر خوش نصیبی سے یہ خائن اور امریکی ایجنٹ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔"

بنی صدر کا اپنی صدارت کے زمانہ میں وابستہ بٹھو جماعتوں اور وابستہ سیاسی پارٹیوں سے اتحاد ڈاکٹر ابراہیم یزدی، صادق قطب زادہ ایسے مغرب زدہ افراد

اور امریکی ایجنٹ جو اسلامی جمہوریہ کے نظام کو درہم برہم کرنے اور رجائی حکومت کو اکھاڑ پھینکنے کے لئے تخریبی کاروائیاں کر رہے تھے، بنی صدر کا ان کا ہمنوا ہونا اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ یہ انقلاب اسلامی کے خلاف ایک پوشیدہ اور منافقانہ بغاوت تھی جو کامیاب نہ ہو سکی۔ بنی صدر اس گروہ کا سرغنہ تھا اور عہدۂ صدارت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اسلامی انقلاب اور انقلاب کی اصلی طاقتوں کے خلاف زہر افشانیوں کو قانونی حیثیت دیتا تھا اور وابستہ' یا مغرب و مشرق کی طرف رجحان رکھنے والی پارٹیاں جمہوری اسلامی کے خلاف تخریبی کاروائیوں میں اس کا تعاون کرتی تھیں۔ بنی صدر نے بحیثیت صدر جمہوریہ اپنی تقریروں اور انٹرویو میں الزام لگایا کہ جمہوری اسلامی کی جیلوں میں قیدیوں کو شکنجہ کیا جاتا ہے اور اس طرح دشمنوں کو پروپیگنڈہ کرنے کا مواد فراہم کیا۔ یہ انٹرویو اور تقریریں اس نے اس وقت کی ہیں جبکہ ریڈ کراس کو اعتراف تھا کہ ایرانی جیلوں میں صرف اتنا ہی نہیں کہ سختیاں نہیں ہیں بلکہ وہ مختلف جہتوں سے دنیا کی بہترین جیلیں ہیں جہاں قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہے۔ بنی صدر نے کمانڈر انچیف کے عہدے سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اور جنگ کی ضرورت کا بہانہ بنا کر بہت سے باغیوں کو رہا کر دیا۔ ان آزاد ہونے والے باغیوں میں سے بہت سے جنگ کے سلسلہ میں بہت سی خیانتوں کے مرتکب ہوئے اور کتنے ایسے تھے جو جنگی طیاروں سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ملک سے فرار ہو گئے۔

ایرانی عوام بنی صدر اور اس کے ساتھیوں کی حقیقت سے رفتہ رفتہ واقف ہوتے گئے اور ان پارٹیوں سے مقابلہ کرنے کے لئے کھڑے ہو گئے جو بنی صدر کی طرفداری میں عوام پر ظلم و ستم کر رہے تھے اور انسانیت سوز افعال کے مرتکب ہو رہے تھے۔ بنی صدر جو اس سے پہلے ہمیشہ اپنے کو عوام کا حامی کہہ رہا تھا اور عوام کا میدان میں آنا ضروری سمجھتا تھا اور جب عوام انقلاب کے دشمنوں کے مقابلہ میں میدان میں آ گئے تو یہی بنی صدر ہے جو

انھیں "چماقدار" کے نام سے یاد کرتا ہے۔ مگر عوام اسی طرح میدان میں ڈٹے رہے اور امام خمینی سے مطالبہ کیا کہ بنی صدر کے فرائض اور ذمہ داریاں کیا ہیں۔ امام خمینی کو بنی صدر کی حقیقت وماہیت کا اندازہ اسی وقت ہو چکا تھا جس وقت اس نے صدر جمہوریہ کا عہدہ سنبھالا تھا چنانچہ آپ نے اس کی ہر چند ہدایت فرمائی اور بچھوادر وابستہ پارٹیوں سے اسے جدا کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی مگر تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں اور آخر کار اسے ۱۰ جون ۱۹۸۱ء کو کمانڈر انچیف کے عہدے سے سبکدوش کر دیا[۱]۔ اور ۲۱ جون ۱۹۸۱ء کو اسلامی پارلیمنٹ کے اجلاس میں حاضر ہونے والے ۱۹۰ نمائندوں میں سے ۱۷۷ نمائندوں نے بنی صدر کے خلاف عدم اعتماد کا ووٹ دیا۔ بعد میں امام خمینی نے بحیثیت قائد اسے صدر جمہوریہ کے عہدے سے معزول فرمایا[۲]۔ صدر جمہوریہ کے عہدے سے معزول ہونے کے بعد بنی صدر کچھ دنوں تو ایران میں پوشیدہ رہا آخر شب چہارشنبہ ۲۹ جولائی ۱۹۸۱ء کو "مجاہدین خلق" کے لیڈر مسعود رجوی کے ہمراہ پیرس فرار کر گیا۔

امام خمینی اور اسلامی پارلیمنٹ کا بنی صدر کو کمانڈر انچیف اور صدارت کے عہدے سے معزول کرنے کے لئے اقدام کرنا نہ یہ کہ صرف مطابق قانون تھا بلکہ اس اقدام کو ایرانی عوام کی پشت پناہی بھی حاصل تھی چنانچہ بنی صدر کے معزول ہونے پر عوام نے اس طرح خوشی کا اظہار کیا جس طرح شاہ کے فرار ہونے پر خوشیاں منائی تھیں۔ حقیقت تو یہی ہے کہ صدر جمہوریہ کے عہدہ سے بنی صدر کا معزول ہونے کی اہمیت

---

[۱] جمہوری اسلامی ایران کے دستور اساسی کی دفعہ ۱۱۰ کے مطابق کمانڈر انچیف کا عہدہ "قائد" کو حاصل ہوگا اور اپنے جانشین کے طور پر اس عہدہ کے لئے کسی کو کمانڈر انچیف مقرر کر سکتا ہے۔ بنی صدر صدر جمہوریہ ہو جانے کے بعد قائد کی طرف سے بطور جانشین کمانڈر انچیف بھی مقرر ہوا مگر خلاف ورزی کے جرم میں معزول کر دیا گیا۔ [۲] جمہوری اسلامی ایران کے دستور اساسی کی دفعہ ۵ کی شق نمبر ۱۱ کے مطابق اسلامی پارلیمنٹ میں صدر جمہوریہ کے خلاف عدم اعتماد کی تجویز پاس ہو جانے کے بعد یا صدر جمہوریہ کی قانونی خلاف ورزی کے متعلق دیوان عالی کشور (سپریم کورٹ) کے فیصلہ کے بعد قائد اسے صدارت کے عہدے سے معزول کرے گا۔

بھی شاہ کے معزول ہونے سے کم نہ تھی اس لئے کہ بنی صدر حق اور انقلاب کا لبادہ اوڑھ کر ایران کو دوبارہ امریکہ کی گود میں بٹھانا چاہتا تھا اور اگر بر محل اس کی قلعی نہ کھل گئی ہوتی تو ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی اس خیانت میں کامیاب ہی ہو جاتا اور اسلام کے نام پر انقلاب ہی کو نیست و نابود کر دیتا۔ اس لئے اس کی معزولی پر جشن منانا ایرانی عوام کا حق تھا گویا انھوں نے اپنے انقلاب کو خونخوار امریکہ کے خون آشام چنگل سے دوبارہ نجات دلائی تھی۔ بنی صدر کی معزولی سے عوام بیحد خوش تھے اور یہی وجہ ہے اور صیہونی پروپگنڈوں اور ملک کے اندر سامراجیوں کے ایجنٹوں کی خشونت آمیز کاروائیوں کے باوجود ۲۴ر جولائی ۱۹۸۱ء کو پہلے انتخابات کے مقابلہ کہیں زیادہ جوش و خروش اور کثرت کے ساتھ صدر جمہوریہ کے چناؤ کے لئے لوگوں نے ووٹ ڈالے اور شہید محمد علی رجائی کو ایک کروڑ تیس لاکھ سے زیادہ ووٹ دیکر صدر جمہوریہ منتخب کیا جبکہ بنی صدر کو ایک کروڑ پانچ لاکھ سے کچھ ہی زیادہ ووٹ ملے تھے۔ سامراجیوں اور ایران کے اندر ان کے تخریب کار ایجنٹوں کی رخنہ اندازیوں کے بعد بھی محمد علی رجائی کو اتنی بھاری اکثریت میں ووٹ ملنا اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ ایرانی ہوش و خرد کے ساتھ میدان میں آچکے ہیں۔ صدر جمہوریہ کے عہدے سے بنی صدر کو معزول کرنے کے لئے اسلامی پارلیمنٹ اور قائد انقلاب نے جو قانونی اقدام کیا تھا یہ انتخاب اس کے لئے زبردست عوامی تائید تھی اور دشمن انقلاب کے منہ پر دوسرا طمانچہ تھا، گرد یاس و ناامیدی تھی جس نے امریکہ کے مکروہ چہرے کو اور بھی بدشکل بنا دیا۔

۷۔ تیر ۱۳۶۰ھ (۲۸ر جولائی) کی ناکام بغاوت: بنی صدر کی قیادت میں جو دستہ اور گروہ جمہوری اسلامی کے خلاف تخریبی کاروائیوں میں مصروف تھا اس کے متعلق یہ ذکر کر دینا بھی بہت ضروری ہے کہ ایران میں اس کی اصلی محرک "مجاہدین خلق" نامی تنظیم تھی

اور ایران سے باہر اس کا ہدایت کار امریکہ تھا۔ ان کے درمیان بنی صدر صرف ایک آلہ تھا۔
اسی لئے بنی صدر کی معزولی سے خود بنی صدر اور امریکہ کے مفاد کو جو نقصان پہنچا اس سے کہیں زیادہ مجاہدین خلق اور دوسری وابستہ سیاسی پارٹیوں کو دھچکا لگا۔ بنی صدر کی معزولی سے ان کا ایسا مضبوط اور بنیادی سہارا جاتا رہا جس کے ذریعہ وہ قانون کے دائرے میں رہ کر انقلاب کو خاطر خواہ نقصان پہنچا سکتی تھیں۔ چنانچہ وہ بنی صدر کی معزولی کی تاب نہ لاکر ایک خطرناک اقدام کا فیصلہ ایسے نازک حالات میں کرتی ہیں کہ ایران کی مسلح فوج عراقی دشمنوں سے مصروف جنگ ہے۔ یہ پارٹیاں ملک میں بدامنی پھیلا کر نیز حکومت کے ذمہ داروں کو موت کے گھاٹ اتار کر حکومت اسلامی کے پرچم کو ہی سرنگوں کر دینے پر آمادہ ہو جاتی ہیں۔
دشمنوں نے اس ناپاک مقصد کو حاصل کرنے کے لئے یہ نقشہ مرتب کیا تھا اور یہ منصوبہ بنایا تھا کہ ایک رات اور ایک دن میں حکومت کے اصلی ذمہ داروں کا صفایا کر کے نیز انقلابی کمیٹیوں اور سپاہ پاسداران کے مرکزوں پر دھاوا بول کر ملک کو اپنے قابو میں کر لیں گے۔ انہوں نے اپنے جائزے کے مطابق اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ہر چیز پر غور کر لیا تھا۔ مگر ایک چیز جس سے یہ دشمن ہمیشہ غافل رہے، امریکہ بھی اور اس کے ایجنٹ شاہ خائن، بنی صدر اور سیاسی پارٹیاں بھی، وہ تھے عوام۔ یعنی ان دشمنوں نے عوام کو کبھی خاطر میں نہیں لایا اور نہ ہی لا سکتے ہیں۔ حالانکہ انقلاب کو دوام و بقا بخشنے والے صرف عوام ہی ہیں۔ شاہ خائن اپنی حکومت کے آخری دنوں میں ہمیشہ یہی کہتا رہا کہ میرے بعد ایران بدامنی اور اندرونی خلفشار کا شکار ہو جائیگا۔ بنی صدر بھی یہی دھمکیاں دیا کرتا تھا کہ اگر وہ صدر جمہوریہ کے عہدہ سے سبکدوش ہو جاتا ہے تو ملک فتنہ و فساد سے دوچار ہو جائیگا۔

ان دونوں میں سے کسی نے کبھی بھی یہ نہیں سوچا کہ یہ عوام ہیں جوان کو برطرف اور معزول کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ عوام خود اپنے خلاف فتنہ و فساد نہیں پھیلائیں گے بلکہ سامراجی خونخواروں کے ایجنٹ ملک میں بدامنی اور فتنہ و فساد پھیلائیں گے تو یہ ان کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے۔

غرض سیاسی جماعتوں نے بنی صدر کی تائید سے حکومت کے ذمہ داروں کو ختم کرنے کا جو منصوبہ تیار کیا تھا وہ درحقیقت ایک ایسی بغاوت تھی جو امریکی مفاد کی صورت میں ظاہر ہونے والی تھی۔

۲۸ جون سنہ ۱۹۸۱ء (۷ تیر ماہ سنہ ۱۳۶۰ء) کو شام کے وقت حزب جمہوری اسلامی کے مرکزی دفتر پر ایک دھماکہ کے ذریعہ اس بغاوت کا منصوبہ بنانے والوں نے یہ سوچا تھا کہ حزب جمہوری اسلامی کی میٹنگ میں چیف جسٹس حضرت آیۃ اللہ بہشتی کے علاوہ وزیر اعظم محمد علی رجائی، اسلامی پارلیمنٹ کے سپیکر آقای ہاشمی رفسنجانی اور پارلیمنٹ کے دوسرے ممبران بھی کثیر تعداد میں شریک ہوں گے جن کے شہید ہو جانے کے بعد پارلیمنٹ سے ان کی اکثریت ختم ہو جائے گی جس کے نتیجہ میں ملک کے اہم اور بنیادی ادارے مفلوج ہو جائیں گے اور بغاوت کرنے والے دشمن ملک کے حالات پر آسانی کے ساتھ قابو پا سکیں گے۔ اس سازش کے علاوہ باغیوں نے ۲۹ جون کو ملک کے اہم اداروں اور انقلابی عدالتوں کے اعلی عہدیداروں کو قتل کرنے اور سپاہ پاسداران کے مرکزوں پر حملہ کرنے کا بھی منصوبہ بنایا تھا۔ مگر اس بار پھر خدا کا لطف شامل حال ہوا اور حزب جمہوری اسلامی کی میٹنگ میں وزیر اعظم شریک نہ ہو سکے اور پارلیمنٹ کے سپیکر نیز اسلامی پارلیمنٹ کے بہت سے ممبران بھی اس میٹنگ میں شریک نہ ہو سکے اور اس طرح پارلیمنٹ کی اکثریت متاثر نہ ہو سکی۔ دھماکے کے دوسرے روز

یعنی ۸ تیر ماہ (۲۹ جون) کی سازش کو بھی عملی جامہ پہنانے میں شرپسندوں کی ٹولی کامیاب نہ ہو سکی۔

۲۸ جون (۷ تیر ماہ) کے دھماکے میں اگرچہ حضرت آیۃ اللہ بہشتی جیسی مدبر، مفکر اور عالی دماغ شخصیت کے علاوہ انقلاب اسلامی کے ۷۲ وفاداروں نے جام شہادت نوش کیا اور بہت سے جاں نثار مجروح ہوگئے۔ مگر ان شہیدان وفا کے خون سے انقلاب اسلامی کا نہال تازہ اور لہلہا اٹھا اور ایسا سرسبز و شاداب ہوگیا کہ باد مخالف کے تند جھونکے اسے رہتی دنیا تک مرجھا نہ سکیں گے۔

حضرت آیۃ اللہ بہشتی کے تدبر، وسعت علم، مختلف دنیاوی علوم پر مہارت و قدرت اور سیاسی بصیرت سے امریکہ اور دنیا کے دوسرے سامراجی لرزہ بر اندام تھے۔ انہوں نے اپنے بہتر ساتھیوں کا خون دیکر پیکر انقلاب اسلامی سے رہے سہے مغربی جراثیم کو بھی دھو ڈالا اور مشرق و مغرب کے ایجنٹوں کو ہمیشہ کے لئے غرق خوں ناب کر دیا۔

اس واقعہ نے ایران کو احساس دلایا کہ انھیں دنیا کے خونخوار سامراجیوں کے مقابلہ میں پہلے سے زیادہ متحد اور ثابت قدم رہنے کی ضرورت ہے انھوں نے ان وفادار شہدا کے خون سے عہد و پیماں کیا کہ وہ کبھی بھی دنیا کے خونخواروں کے سامنے سر تسلیم خم نہ کریں گے اور پہلے سے زیادہ جوش و ہوش کے ساتھ سامراجی سازشوں کا مقابلہ کریں گے۔ ایرانی عوام نے اپنے اس عہد و پیماں کو ۲۴ جولائی ۱۹۸۱ سنہ ۶۰ (۲ مرداد) کو ہونے والے صدارتی اور درمیانی پارلیمانی الیکشن میں شرکت کرکے پورا کر دکھایا۔ انہوں نے ثابت کر دیا کہ وہ انقلاب اسلامی کی ہمیشہ سرگرم اور ہر روز حمایت کرتے رہیں گے اور کبھی بھی میدان نہیں چھوڑیں گے۔

آئیڈیالوجی القاء کرنیکی ناکام سازش: امریکہ کی ایک بڑی خطرناک سازش

یہ بھی ہے کہ وہ ہمیشہ استکباری اور صیہونی پروپیگنڈہ مشینوں کے ذریعہ ایران کے موجودہ اسلامی نظام حکومت کو کمیونزم کی طرف مائل کرنے کے لئے جمہوری اسلامی پر نت نئی بہتان تراشیاں کرتا ہے۔ موجودہ ایران کی پالیسی "نہ شرقی نہ غربی" سابق میں جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی اور جس پر اسلامی انقلاب کے لیڈر سختی کے ساتھ کاربند ہیں۔ دنیا کے خونخوار سامراجیوں کے لئے خوف و ہراس کی علامت بن چکی ہے اسی پالیسی نے سامراجیوں کو ایران سے مایوس اور ناامید کر دیا ہے۔ لہذا فطری بات ہے کہ ہر سازش میں اس پالیسی کا خاتمہ ہی سامراجیوں کے پیش نظر ہوتا ہے۔ سامراجی اسلامی انقلاب سے پے در پے چوٹ کھانے اور زک اٹھانے کے بعد بھی ہمیشہ اسی فکر میں رہے کہ دنیا کے عوام کو اپنی فریب کاریوں سے یہ باور کرا دیں کہ یہ انقلاب کمیونزم کی طرف جا رہا ہے۔

اگر امریکہ انقلاب اسلامی کے متعلق دنیا کے عوام کے ذہنوں کو مبتلائے فریب کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو اس کا یہ اہم مقصد حاصل ہو جاتا کہ دنیا کی مستضعف اور محروم و مظلوم قومیں یہی خیال کرتیں کہ ایران کا انقلاب بھی دنیا کے دوسرے انقلابات کی طرح ہے جو ایک بڑی طاقت کے سہارے ایک بڑی طاقت کے خلاف وجود میں آیا ہے۔

دنیا کی وہ محروم قومیں جو خونخوار سامراجیوں کے چنگل سے آزاد ہونا چاہتی ہیں، انھیں یہ سامراجی اپنے پروپیگنڈوں کے ذریعہ ہمیشہ یہی باور کرانے کی کوشش کرتے رہیں کہ دنیا کا کوئی بھی انقلاب اس وقت تک کامیاب ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ اسے کسی بڑی طاقت کا سہارا نہ مل جائے کیونکہ اگر یہ انقلاب، مغرب کے خلاف ہے تو اسے مشرق کا سہارا چاہیئے اور اگر مشرق کے خلاف ہے تو اسے

مغرب کی مدد اور سہارا درکار ہے۔ عرصۂ دراز کی یہ غیر انسانی تلقین اور یقین دہانی انقلاب اسلامی کی کامیابی کے بعد بے اثر اور نقش برآب ہو کر رہ گئی اور دنیا کے لوگوں نے اس انقلاب کی اسلامی ماہیت واصلیت اور اس کی "نہ شرقی، نہ غربی" کی پالیسی کو دیکھ کر یہ جان لیا کہ سامراجی خونخواروں کا یہ پروپیگنڈہ ایک فریب سے زیادہ کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔

دوسری طرف امریکہ نے ایران اور دوسرے ممالک میں جو تجربہ حاصل کیا تھا وہ یہ تھا کہ جدوجہد کے میدان سے عوام کو ہٹانے کے لئے سب سے موثر طریقہ یہ ہے کہ انھیں یہ بتایا جائے کہ انقلاب کے قائد اور لیڈر اسلام کے بجائے کمیونزم کی طرف جارہے ہیں۔ ان پروپیگنڈوں سے امریکہ کے دو مقاصد تھے ایک تو یہ کہ عوام کمیونزم کے چنگل سے فرار اختیار کرنے کے لئے ایک مغربی طرز کی حکومت پر راضی ہو جائیں گے اور اس تصور سے کہ ان کا انقلاب انھیں کمیونزم کی طرف لے جارہا ہے۔ انقلابی لیڈروں کی حمایت سے ہاتھ روک لیں گے۔ ان پروپیگنڈوں سے امریکہ کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ انقلابی رہنما اپنے برحق اور اسلامی موقف سے منحرف ہو کر مغرب اور سرمایہ داری کی طرف جھک جائیں گے جس کے نتیجے میں انقلاب اپنے اصلی راستے سے ہٹ جائیگا اور خود بخود "نہ شرقی نہ غربی" کی پالیسی ختم ہو جائیگی۔ اسی چیز کے پیش نظر ایران کے امریکی ایجنٹوں نے خود ملک کے اندر بھی اس طرح کی جدوجہد شروع کی تھی اور ایسے صالح و مجاہد علماء کو بھی کمیونزم سے متہم کرنے کی کوشش کر رہے تھے جن کے کاندھوں پر انقلاب کی بقا اور تحفظ کی اہم ذمہ داری ہے۔ آئیڈیالوجی کی تلقین اور القا کا مسئلہ بھی اسی مقصد کے پیش نظر امریکہ کی طرف سے گھڑا گیا تھا۔ اکتوبر ۱۹۸۰ء (آبان ماہ ۱۳۵۹ھ) یعنی جس وقت اسلامی انقلاب کے خلاف بعثی عراقیوں کی جنگ پورے

شباب پر تھی۔ ایران کے مشہور اخبار "انقلاب اسلامی" میں ناگہانی طور پر ایک مضمون شائع ہوا۔ اس وقت یہ اخبار بنی صدر اور اس کے انقلاب دشمن ساتھیوں کا آرگن تھا اور نظام جمہوری اسلامی کی بیخ کنی اس کا فریضہ تھا۔ اس اخبار میں " القاء آئیڈیالوجی " کے عنوان سے ایک مضمون شائع کیا گیا تھا اور بڑی کد و کاوش اور نام نہاد علمی تحقیق کے بعد مقالہ نگار نے یہ نتیجہ نکالا کہ "تودہ پارٹی"، "مارکسی حزب جمہوری اسلامی" ہی کی ایک شاخ ہے۔ اور وہ اپنے مارکسی نظریات کو جمہوری اسلامی کے نظام میں سمونا چاہتی ہے۔

امریکی ایجنٹوں نے اتنا بڑا ڈرامہ صرف اس لئے کھیلا تھا کہ ایران اور ایران سے باہر لوگوں کو یہ یقین دلا سکیں کہ اسلامی انقلاب بھی کوئی خوش کن چیز نہیں۔ اس لئے کہ جمہوری اسلامی کے نظام حکومت میں مارکسی رجحان پایا جاتا ہے۔ دشمنان انقلاب و اسلام اس طریقۂ کار سے جو نتیجہ فراہم کرنا چاہتے تھے وہ یہ تھا کہ ایرانی قوم کو ایک ایسی حکومت قبول کرنے پر آمادہ کر سکیں جو مغربی رجحان کی حامل ہو دوسرے یہ کہ ایران کے اسلامی انقلاب سے عقیدت و اخلاص اور وابستگی رکھنے والی قوموں کو منحرف کر سکیں جو انقلاب لانا چاہتی ہیں۔ اس سازش کا منصوبہ بھی بالکل ویسا ہی تھا جو ایران کی تودہ پارٹی نے سنہ ۱۹۵۳ء (سنہ ۱۳۳۲) میں مرتب کیا تھا۔ تودہ پارٹی کو ایران میں کمیونزم کی ترویج کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ مقصد یہ تھا کہ جب عوام ملک میں ایک مخالف مذہب، یعنی کمیونسٹ حکومت قائم ہو جانے کا خطرہ محسوس کریں گے تو وہ کمیونزم سے نجات حاصل کرنے کے لئے سرمایہ داری کو ہی اپنے لئے آغوش عافیت سمجھیں گے اور اس طرح مغرب کو دوبارہ ایران میں قدم رکھنے کے لئے زمین ہموار ہو جائے گی۔ ۱۹ راگست سنہ ۱۹۵۳ء (۲۸ مرداد ۱۳۳۲) کی بغاوت اسی منصوبے کی ایک کڑی تھی جس کے بعد امریکہ ۲۵ سال تک ایران کے سیاہ و سفید کا مالک بنا رہا۔

"القاء آئیڈیالوجی" کے نام پر اس دفعہ جو منصوبہ اور نقشہ تیار کیا گیا تھا وہ ایک

متحدہ محاذ کی طرف سے تھا۔ اس محاذ میں وہ سبھی طاقتیں، سرمایہ دار افراد اور وابستہ جماعتیں شریک تھیں جو اسلامی انقلاب کی مخالف تھیں اور بنی صدر کے پرچم حمایت کے نیچے جمع ہوگئیں تھیں۔ بنی صدر جو بدنصیبی سے صدر جمہوریہ بھی تھا اور اسلامی حکومت کی بیخ کنی کر کے مغرب کو ایران میں لانے کا خواہاں بھی۔ لہذا اس کی حمایت کے سایہ میں مخالفین انقلاب کا مقصد اچھی طرح پورا ہو سکتا تھا۔ یہ انقلاب دشمن عناصر یہ ظاہر کر کے کہ انقلاب اسلامی مشرقی آئیڈیالوجی سے متاثر ہے دراصل پیکر انقلاب میں مغربی آئیڈیالوجی سمونا چاہتے تھے۔ جس وقت ایران میں یہ مذموم حرکت شروع ہوئی تو اسی کے ساتھ ساتھ ایران کے باہر صیہونی اور استکباری ذرائع ابلاغ نے بھی اس کا خوب پروپیگنڈہ کیا تاکہ دنیا کی محروم قومیں ایران کے اسلامی انقلاب سے ناامید ہو جائیں۔

فروری ۱۹۸۰ء (ماہ اسفند ۱۳۵۸ء) میں انقلاب اسلامی کی دوسری سالگرہ کے موقع پر اسلامی انقلاب کے موقف کی وضاحت کے لئے میں بنگلہ دیش گیا تھا۔ جب میں بنگلہ دیش کے دارالحکومت ڈھاکہ پہونچا تو معلوم ہوا کہ یہاں کے ایک ہفتہ وار اخبار نے ایران سے متعلق سراسر ایک جھوٹی خبر شائع کی ہے۔ اس میں لکھا تھا کہ "مستقبل میں ایران کمیونسٹوں کے ہاتھ میں ہوگا" اس سفید جھوٹ سے اس اخبار کی تحقیق کی فکر ہوئی۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ اس اخبار چلانے والوں کا گوشت و پوست امریکی ڈالروں کا مرہون منت ہے۔ ابتدا ہی سے یہ اخبار اسلامی انقلاب کے خلاف زہر اگل رہا تھا اور ایران کے موجودہ حالات کے متعلق اس نے ابتک ایک بات بھی صحیح نہیں لکھی ہے۔

یہ پروپیگنڈے جب دنیا کے عوام کے ذہن کو زیادہ متاثر نہ کر سکے تو اسلامی انقلاب کے دشمنوں نے دوسرا چولا بدلا اور بہتان تراشیوں کا دوسرا انداز اختیار کیا،

مثلاً یہ الزام کہ ایران غاصب اسرائیل سے اسلحے حاصل کر کے عراق کے خلاف استعمال کرتا ہے۔ یہ پروپیگنڈے ایسے حالات میں کئے جا رہے ہیں کہ ایران نے اسلامی انقلاب کی کامیابی کے ساتھ ہی غاصب اسرائیل کو تیل دینا بند کر دیا، تہران میں اسرائیلی سفارتخانہ کو فلسطینی سفارتخانہ میں تبدیل کر دیا اور فلسطینیوں اور لبنانیوں کی حمایت میں اسرائیل کی غاصب حکومت کے خلاف نعرۂ جنگ بلند کر کے ہر سال جمعتہ الوداع کو "یوم قدس" قرار دیا تاکہ دنیا کے کونے کونے کے مسلمان اس دن مظاہرے کریں، جلوس نکالیں اور اس طرح متحد ہو کر غاصب اسرائیل کے خلاف ایسی جنگ کے لئے زمین ہموار کریں جو اسلامی ممالک کے پیکر سے ہمیشہ کے لئے اس سرطانی پھوڑے کو جڑ سے ختم کر دے۔

ان حالات میں اسلامی انقلاب کے خلاف صیہونیوں کا یہ جھوٹا اور بے بنیاد پروپیگنڈہ کرنا کس قدر مضحکہ خیز ہے۔ خصوصاً ایسے وقت میں تو پروپیگنڈہ اور بھی زیادہ مضحکہ خیز ہے کہ بعثی حکومت کی کشتی ڈوب رہی ہے اور اسے بچانے کیلئے صدام ہاتھ پیر مار رہا ہے، غاصب اسرائیل سے مدد کی بھیک مانگ رہا ہے اور اسرائیلی طیارے عراق کے ایٹمی اداروں پر صدام کی ساز باز سے بمباری بھی کر رہے ہیں تاکہ صدام اسرائیل کی حمایت کی تہمت سے محفوظ رہے اور ایران کے خلاف سامراجی خونخواروں کے پروپیگنڈے دنیا کے عوام کے ذہنوں میں جگہ پا سکیں۔ بہر حال آئیڈیالوجی کا مسئلہ اور اس قسم کے دوسرے پروپیگنڈوں کا تعلق بھی سامراجیوں کی انھیں سازشوں سے ہے جن کے ذریعہ وہ انقلاب اسلامی کو آگے بڑھنے سے روکنا چاہتے تھے مگر ایران کے بیدار عوام اور ذمہ داران انقلاب کی حسن تدبیر سے یہ کاوشیں اور سازشیں ناکام ہو چکی ہیں۔ دنیا کی وہ محروم قومیں جو عالمی سامراج کے خلاف قیام کرنا چاہتی ہیں ان کے لیے یہ بڑا گراں مایہ تجربہ ہے جس کی روشنی میں دشمنوں

تمام مکر و فریب پر ہوشیاری کے ساتھ قیام کریں اور حصول آزادی و استقلال کی راہ پر کامیابی کے ساتھ گامزن رہ سکتی ہیں۔

۸ شہریور کی ناکام بغاوت
(۳۰، اگست)

جولائی سنہ ۱۹۸۱ء کے اواخر (مرداد سنہ ۱۳۶۰ کے اوائل) میں وائس آف امریکہ، ریڈیو اسرائیل غرض تمام صیہونی پروپیگنڈہ مشینوں نے اسلامی حکومت کو متہم اور بدنام کرنے کیلئے ایک طریقہ ایجاد کیا اور اسرائیل و ایران تعلقات کا بڑے زور و شور سے پروپیگنڈہ کرنا شروع کر دیا۔

اس خبر کے مشہور ہوتے ہی جمہوری اسلامی ایران نے سختی کے ساتھ اس کی تردید کی اور اس کے سفید جھوٹ ہونے پر کافی سے زیادہ ثبوت فراہم کر دیا۔ صیہونی جب اس خبر کو صحیح ثابت کرنے سے عاجز رہے تو انھوں نے دوسری شاطرانہ چال چلی اور کافر صدام کو خطیر رقم دیکر جعلی سندیں بنانے والے ایک یورپی ماہر کی مدد سے ایران کے ہاتھ اسرائیل کی اسلحہ فروشی کے جعلی اسناد تیار کرائے گئے۔ جمہوری اسلامی ایران کی ہوشیاری سے یہ کوشش بھی ناکام بنادی گئی۔

ماہ مرداد (اگست) کے تیسرے ہفتے میں دنیا کے عوام کو یقین دلانے کے لئے اور ان کے ذہنوں میں اس الزام کو جاگزین کرنے کے لئے صیہونیوں کی جد و جہد نے مزید شدت اختیار کر لی اور آخر مرداد تک تو بالکل عروج کو پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ اس الزام اور بہتان تراشی کو صحیح ثابت کرنے کے لئے وائس آف امریکہ نے اعلان کیا کہ تہران میں فلسطینی سفارتخانہ کی عمارت، جو شاہی حکومت کے زمانہ میں اسرائیلیوں کے ہاتھوں میں تھی، جمہوری اسلامی ایران نے فلسطین کی تنظیم آزادی سے واپس لے لی ہے۔ یہ غلط خبر اس بات کی نشاندہی کر رہی تھی امریکہ اور اس کے صیہونی ایجنٹ اسلامی انقلاب کے خلاف کوئی گہری سازش کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اس خبر کے شائع ہوتے ہی فلسطینی سفارتخانہ اور جمہوری اسلامی ایران کی طرف سے اس کی سخت تردید

کی گئی اور لیبیا، شام اور فلسطین کی تنظیم آزادی کے سفیروں نے تہران میں جدا جدا انٹرویو دیا اور صاف الفاظ میں کہا کہ ایسے پروپیگنڈوں سے دشمن کا مقصد صرف انقلاب اسلامی کے چہرے کو بدنما کرنا ہے۔

اسی زمانہ میں جبکہ صیہونیوں کا یہ پروپیگنڈہ بڑے زور و شور سے جاری تھا بنی صدر نے بھی اپنے ایک انٹرویو میں کہا کہ ایران نے عراق سے لڑنے کے لئے اسرائیل سے اسلحہ خریدا ہے۔ بنی صدر نے یہ انٹرویو پیرس میں دیا جہاں وہ دہشت پسند اور امریکہ کی ایجنٹ تنظیم "مجاہدین خلق" کے سربراہ مسعود رجوی کے ساتھ پناہ گزین ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ بنی صدر یہ فراموش کر بیٹھا کہ اگر اسرائیل سے ایسا کوئی معاملہ ایران نے کیا ہے تو اس کا ذمہ دار وہ خود ہے اس لئے کہ ایران پر جس وقت عراق نے حملہ کیا تھا تو اس وقت اور اس کے ۹ ماہ بعد تک کمانڈر انچیف کا عہدہ اسی کے ہاتھ میں تھا اس کی تائید کے بغیر تو یہ معاملہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اور اس سے زیادہ مزیدار بات یہ ہے کہ بنی صدر اپنی طالب علمی کے زمانے میں خود، اسرائیل کی دعوت پر اسرائیل گیا تھا اور اسرائیل کے اعلیٰ افسروں نے اس کی خوب پذیرائی کی تھی۔ بنی صدر تو خود بین الاقوامی صیہونیت کا ایک مہرہ ہے اگر وہ امریکہ، اسرائیل اور صیہونی ریڈیو سے ہم آواز ہو کر جمہوری اسلامی ایران کو متہم کر رہا ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ ان غلط بے بنیاد اور کینہ پرور پروپیگنڈوں کا اتنا زور و شور تھا کہ ان کے لئے امریکہ نے ٹی وی پر ایک گھنٹے کا پروگرام ہی مخصوص کر دیا تھا۔ ٹی۔ وی پر بنی صدر کا انٹرویو بھی پیش کیا جاتا تھا تاکہ امریکی عوام کو یہ اچھی طرح یقین ہو جائے کہ ایران نے اسرائیل سے اسلحہ خریدا ہے۔

ایرانی عوام اور جمہوری اسلامی ایران پر یہ بات روز روشن کی طرح

ظاہر تھی کہ ان پروپیگنڈوں کے پیچھے کوئی نئی سازش چھپی ہوئی ہے جس کے لئے یہ زمین ہموار کی جا رہی ہے اور امریکہ جمہوری اسلامی پر ایسی رذیلانہ تہمت لگا کر اپنے ناپاک مقاصد حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس بہتان تراشی سے ایک مقصد تو اس کا یہی تھا کہ وہ دنیا کے عوام کے ذہنوں کو ہموار کر کے انھیں یہ یقین دلانا چاہتا تھا کہ ایران میں اندرونی بغاوت کا ہونا ضروری اور لازمی ہے۔ "سیا" (C/A) اور "موساد" دونوں تنظیمیں آپس میں غور و فکر کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچیں تھیں کہ اگر دنیا کے عوام حتی کہ خود ایرانی عوام اگر یہ باور کر لیں گے کہ جمہوری اسلامی ایران، اسرائیل کی غاصب حکومت سے رابطہ رکھتی ہے تو فطری طور پر یہ بھی قبول کر لیں گے کہ اس حکومت کے ذمہ دار افراد سب کے سب جھوٹے ہیں اس لئے کہ وہ برسوں سے ہمیشہ تو یہ نعرہ لگا رہے ہیں کہ "آج ایران، کل فلسطین" اور اب فلسطینیوں سے منہ موڑ کر اسرائیل سے دوستی کا ہاتھ بڑھا رہے ہیں۔ ان حالات میں اگر ایران میں کوئی بغاوت ہوتی ہے تو ایرانی عوام پر اس کا کوئی غلط اثر مرتب نہیں ہوگا اور دنیا کے عوام بھی یہی کہیں گے کہ یہ ان لوگوں کے خلاف ایک انقلابی تحریک ہے، جنھوں نے ایرانی عوام کو دھوکا دیا ہے اور ان کے ساتھ سچائی کا برتاؤ نہیں کیا ہے۔

"سیا" C/A و "موساد" جیسی جاسوسی تنظیموں نے تجزیہ و تحلیل کے وقت ہمیشہ فراموش کیا ہے کہ یہ انقلاب خود ایرانی عوام ہی کا لایا ہوا ہے اور یہ حکومت انھیں کی بنائی ہوئی ہے وہ اس قسم کے پروپیگنڈوں سے مکر و فریب میں ہرگز آنے والے نہیں ہیں۔ اسی طرح ان تنظیموں میں کام کرنے والے افراد اپنے ناقص افکار کی وجہ سے یہ درک نہیں کر سکتے کہ دنیا کے عوام ان کی حکومتوں کے برخلاف ایران کے اسلامی انقلاب کو عشق کی حد تک چاہتے ہیں، وہ ہرگز ان لچر پروپیگنڈوں کا شکار نہیں ہو سکتے۔

بہرحال ایران میں امریکی ایجنٹوں نے ۸ شہریور سنہ ۱۳۶۰ (۳۰ اگست سنہ ۱۹۸۱ء) روز یکشنبہ ۳ بجے سہ پہر کو عمارت وزارت عظمیٰ کے ایک کمرے میں دھماکہ خیز اور آتش گیر بم رکھ کر ایک نئی سازش اور نئے جرم کا ارتکاب کیا۔ اس حادثہ میں آقای محمد علی رجائی صدر جمہوریہ، حجۃ الاسلام محمد جواد باہنر اور دو کارکن بری طرح جل کر درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ نیز فوج اور انتظامیہ کے کئی عہدیدار مجروح ہوئے۔ امریکہ کا خیال تھا کہ وہ صدر جمہوریہ، وزیر اعظم اور ملک کے چند ذمہ داروں کو موت کے گھاٹ اتار کر اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ سے بغاوت کرانے میں کامیاب ہو جائیگا۔ مگر جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ امریکی ایجنٹ اور مبصرین نے ایرانی عوام کے ردعمل کو سمجھنے میں ہمیشہ غلطی کی ہے، چنانچہ اس مرتبہ بھی وہ اسی غلطی کے شکار ہوئے اور ۲۸ جون سنہ ۱۹۸۱ء (۷ تیر سنہ ۶۰) میں وقوع پذیر ہونے والے حادثہ کے نتیجے میں حضرت آیۃ اللہ بہشتی اور ان کے ۷۲ رفقاء کی شہادت پر عوام نے جس جوش خروش کے ساتھ مظاہرہ کیا تھا، اس دفعہ اس سے بھی بڑھ چڑھ کر مظاہرے ہوئے اور عوام نے قائد انقلاب اور انقلاب کے ذمہ دار افراد کو اپنی بھرپور حمایت کا یقین دلایا۔ نیز "مرگ بر امریکہ" کے فلک شگاف نعروں کے ذریعہ اپنے انقلابی شعور کو ساری دنیا کے گوش گذار کرتے ہوئے ثابت کر دیا کہ ان کے انقلاب کو آگے بڑھنے سے کوئی بھی طاقت روک نہیں سکتی۔ غرض ۸ شہریور کی امریکی بغاوت بھی ناکام ہو گئی اور اس موقع پر بھی انقلابی مسلمانوں کے لئے خداوند تعالیٰ کی نصرت و مدد آ پہنچی۔

۸ شہریور (۳۰ اگست) کے حادثہ کے بعد مخالفین انقلاب کے سرغنہ جو ایران سے دوسرے ملکوں میں فرار کر چکے ہیں، اس امید میں تھے کہ وہ دوبارہ ایران پلٹ کر اپنی پسند کی حکومت قائم کریں گے۔ بنی صدر نے تو فوجیوں کے نام ایک پیغام بھی بھیجا تھا۔

اور ان سے خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ شاہی حکومت کے فراری افسروں سے وابستہ ہو جائیں جو ملک کے باہر انقلاب کے خلاف جد و جہد کر رہے ہیں۔ مگر بنی صدر، بختیار اور رجوی جیسے دوسرے فراری ایران سے دور ہو چکے ہیں اور ملت ایران سے فکری جدائی اختیار کر چکے ہیں۔ اس لئے اب انھیں ایسے خواب نہیں دیکھنا چاہیے۔ ان کی یہ تمنا قبر میں ساتھ جائیگی۔ ان کے لئے اب ایرانی ملت کے درمیان کوئی معمولی سا بھی ٹھکانا نہیں ہے۔

۸ شہریور (۳۰ اگست) کے حادثہ سے استکباری اور صیہونی ریڈیو کو جو خوشی حاصل ہوئی ہے انھیں وہ چھپا نہ سکے بلکہ اپنی خبروں میں انھوں نے بتایا کہ ہم ایسے حادثہ کے منتظر تھے اور پہلے اس کی پیشین گوئی کر چکے تھے۔ یعنی جس وقت ایران و اسرائیل تعلقات کا جھوٹا پروپیگنڈہ کیا جا رہا تھا ان کے گمان کے مطابق ایسا حادثہ رونما ہونا ہی چاہیے تھا۔ مگر لطف کی بات یہ ہے کہ دشمنانِ اسلام و انسانیت کی تمام پیش بینیاں، منصوبے اور سازشیں پہلے کی طرح اس بار بھی نقش برآب ہو کر رہ گئیں۔ صدر جمہوریہ اور وزیر اعظم کی شہادت یقیناً ملک و قوم اور انقلاب کے لئے ایک عظیم سانحہ تھا مگر دشمنان اسلام کی امیدوں کے خلاف ان کے ایک ایک قطرۂ خون نے انقلاب کو نئی زندگی اور تابندگی بخشی اور اس الٰہی تحریک کو کامیابی کی آخری منزلوں تک پہنچانے کا سامان فراہم کر دیا۔

بیشک جس طرح یہ واقعات ایرانی عوام کے ارادوں کو مستحکم بنانے میں موثر ثابت ہوئے ہیں اسی طرح یہ واقعات گرانبہا تجربات ہیں۔ دنیا کی ان قوموں کے لئے جن کے مستقبل کے لئے ایران کا اسلامی انقلاب مشعل راہ ہے۔ انھیں ان واقعات سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

صدورِ انقلاب

رہبر انقلاب اسلامی اور ذمہ داران حکومت جمہوری اسلامی کی زبان سے اب تک دنیا کے عوام نے بار بار سنا ہوگا کہ ہمارے اس انقلاب کی لہر ساری دنیا میں پہنچے گی۔ یہ انقلاب ساری دنیا میں صادر ہوگا۔ سامراجی خونخوار اپنے پروپیگنڈوں کے ذریعہ صدور انقلاب کے مفہوم ومعنی کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی جان توڑ کوشش کر رہے ہیں اور دنیا والوں سے جمہوری اسلامی ایران کا تعارف ایک توسیع پسند حکومت کے عنوان سے کرانا چاہتے ہیں۔ یہ ایک نئی سازش ہے جس کی آڑ میں دشمنان اسلام، اسلامی انقلاب کے پھیلاؤ کو روکنا چاہتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جمہوری اسلامی ایران کسی قیمت پر توسیع پسندی کو روا نہیں سمجھتی۔ صدور انقلاب کا مطلب ہرگز کسی دوسرے ملک پر فوجی تجاوز کرنا نہیں ہوتا۔ اسلامی انقلاب ہرگز ہتھیاروں اور اسلحوں کے سہارے پر نہیں ہے اور جیسا کہ ہم ایران پر عراق کی ناجائز جنگ کے سلسلہ میں بیان کر چکے ہیں کہ آغاز جنگ خود عراق کی بعثی حکومت نے کیا ہے اور ایران صرف دفاع کر رہا ہے۔

صدور انقلاب کا مطلب دنیا کے عوام تک ان معنوی وانسانی اقدار کو پہنچانا ہے اور انھیں ان نتائج وثمرات سے آگاہ کرنا ہے جو ایرانی قوم نے انقلاب اسلامی کے دوران حاصل کئے ہیں۔ دنیا کی وہ محروم قومیں جو سامراجیوں کے خونین پنجوں میں ہاتھ پیر مار رہی ہیں اور آئے دن ان کے مرد وزن اور بچے بھکمری کا شکار ہو کر، سامراجیوں کے ظلم وستم اور فوجی حملوں کا نشانہ بن کر لقمۂ اجل بن رہے ہیں۔ انھیں چاہئے کہ وہ ان گراں مایہ تجربات سے آگاہی وآشنائی پیدا کریں، جنھیں ایرانی قوم نے اسلامی انقلاب کے دوران حاصل کئے ہیں۔ یہ ایرانی قوم کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے گرانبہا تجربات کو دنیا کے

محروم عوام کے سامنے پیش کریں اور سامراجی خونخواروں سے رہائی حاصل کرنے کی راہ میں ان کی مدد کریں۔ ان تجربات کا منتقل کرنا ہرگز کسی حملے اور فوج کشی کا محتاج نہیں ہے یہ کام تو رسالوں، اخباروں، کتابوں اور ریڈیو وغیرہ کے ذریعہ بڑی آسانی سے انجام دیا جا سکتا ہے۔ مگر چونکہ دنیا کی خبر رسان ایجنسیاں سامراجیوں کے ہاتھ میں ہے اس لئے انہوں نے ایرانی قوم کے لئے ایسے امکانات ہی فراہم ہونے نہیں دئے، صرف یہی نہیں بلکہ سامراجی خبر رسان ایجنسیاں اور انکی پروپیگنڈہ مشینیں ہمیشہ موجودہ ایران کے حقائق پر پردہ ڈالنے اور ایران کے اسلامی انقلاب سے دنیا کے عوام کو بدگمان کرنے کی کوشش میں لگی ہوئی ہیں۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ دشمنان انقلاب کی پیہم سازشوں اور رخنہ اندازیوں کی وجہ سے ابتک جمہوری اسلامی ایران بھی انقلاب کو اچھی طرح پہنچوانے کے لیے بہتر اقدامات نہیں کر سکی۔ انقلاب کے اصل ذمہ دار افراد ابھی تک تو مشرق و مغرب کے ان گھس پیٹھیوں سے نپٹتے رہے اور انھیں دور کرتے رہے جو مکر و فریب سے ملک کے اہم عہدوں پر پہنچ کر انقلاب کو منحرف کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور اس وجہ سے دوسرے ملکوں میں صدور انقلاب کا کام نمایاں طور پر انجام نہیں پا سکا۔ ان گھس پیٹھیوں اور مشرق و مغرب کے ایجنٹوں نے بہت سی بے بنیاد باتوں کو جنم دیا جو خود دنیا میں انقلاب اسلامی کی صورت کو بدنما بنا کر پیش کرنے کا وسیلہ بن گئیں۔ مثلاً بنی صدر نے اپنی صدارت کے زمانہ میں جمہوری اسلامی پر جیلوں میں شکنجے اور قیدیوں کے ساتھ سختی سے برتاؤ کا الزام لگایا جبکہ عالمی ریڈ کراس نے بھی اعتراف کیا ہے کہ پوری دنیا میں صرف جمہوری اسلامی ایران کی جیلیں ایسی ہیں جہاں قیدیوں کے ساتھ انسانیت کا سلوک اور شرافت کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ ورلڈ ریڈ کراس (عالمی صلیب سرخ) نے تو یہاں تک کہدیا کہ دوسری

حکومتوں کو اس سلسلہ میں جمہوری اسلامی ایران کی تقلید کرنی چاہیئے۔ بیشک بنی صدر جیسے پٹھو، ایجنٹ اور گھس پیٹھیوں کا ڈھائی سال تک ملک کے اہم اور کلیدی عہدوں پر قبضہ جمائے رہنے سے دشمنان اسلام کو انقلاب اسلامی کے چہرے کو بگاڑ کر پیش کرنے میں کافی مدد ملی۔

ان سب باتوں کے باوجود انقلاب کی روحانی اور معنوی قوت اس قدر زیادہ ہے۔سب کوتاہیوں، موانع اور مشکلات کے باوجود اس نے دنیا کی ستم دیدہ اور ظلم رسیدہ قوموں کے درمیان اپنا اثر و رسوخ پیدا کرنے کا راستہ بنا چکا ہے۔ دنیا میں بہت سے لوگ اس کے گرویدہ ہو چکے ہیں خصوصاً ایشیا اور افریقہ کے بہت سے افراد تو انقلاب اسلامی سے ہی امید لگائے ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک فقط حضرت امام خمینی مدظلہ العالی ہی دنیا کی تمام محروم و مظلوم قوم کے رہبر اور قائد ہیں اور اس امید و انتظار میں ہیں کہ اس انقلاب سے اٹھنے والی موج ہی ان محروموں کو بھی دنیا کے خونخواروں کے جنگل سے نجات دلائے گی۔ ایسی قوموں کا شمار ان کے ملک سے جدا گانہ کرنا چاہیئے۔ دنیا کی بہت سی حکومتیں اپنی ملتوں کے مفاد اور مصلحتوں کے خلاف دنیا کے سامراجی خونخواروں کے مفاد کے تحفظ کی فکر میں ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی ہی ملتوں کے ساتھ مبارزہ اور جدوجہد کر رہی ہیں کہ کہیں ان میں اسلامی انقلاب نفوذ نہ کر جائے۔ ان حکومتوں کو یہ اچھی طرح معلوم ہے اگر ان کی ملتیں انقلاب ایران کے ہر پہلو سے آگاہ اور خبردار ہو جائیں گی تو وہ ان کے اور ان کے آقاؤں کے خلاف قیام کریں گی اور ان کے اقتدار و تسلط کو نیست و نابود کر دیں گی۔ مگر ان حکومتوں کی یہ کوشش بے سود ہے۔ ملتوں کو اپنی رہائی اور نجات کا راستہ مل گیا ہے۔ "انقلاب اسلامی ایران" ملتوں کے مستقبل کا راستہ ہے۔

●●●